گنجینۂ مہر

(مکاتیب مولانا غلام رسول مہر ——— بنام محمد عالم مختار حق)

جلد اوّل

مرتبہ

محمد عالم مختار حق

10-129

گنجینۂ مہر

(مکاتیب مولانا غلام رسول مہر —— بنام محمد عالم مختار حق)

جلد اوّل

مرتبہ

محمد عالم مختار حق

مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی

Marfat.com

جملہ حقوق محفوظ

سلسلہ مطبوعات نمبر ۲۶۴ (ا)

84184

نام کتاب: گنجینۂ مہر (مکاتیب مولانا غلام رسول مہر بنام محمد عالم مختار حق) (جلد اوّل)

مرتبہ: محمد عالم مختار حق

ناشر: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

مطبع: طیب اقبال پرنٹرز، 17-بی، رائل پارک، لاہور

طبع اول: اگست ۲۰۰۸ء

تعداد اشاعت: ۳۰۰

کمپوزنگ: پرل کمپوزنگ سنٹر، میاں چیمبر، ۳-ٹمپل روڈ لاہور

صفحات: ۲۸۸

قیمت: -/۲۵۰ روپے

یہ کتاب حکومت پنجاب کے محکمہ ثقافت اطلاعات و امور نوجواناں کی مالی اعانت سے شائع ہوئی

ملنے کا پتا:

مغربی پاکستان اردو اکیڈمی

۲۵-سی، لوئر مال، لاہور

فون: ۷۵۱۲۷۲۴

Marfat.com

پیش گفتار

برصغیر پاک و ہند کے مشہور صحافی، عظیم ادیب، نامور محقق اور مستند مورخ مولانا غلام رسول مہر مورخہ ۵ راپریل ۱۸۹۵ء کو پھولپور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔ اے کرنے کے بعد صحافت کا آغاز ۱۹۲۱ء میں روزنامہ ''زمیندار'' لاہور سے کیا۔ بعد میں ۱۹۲۷ء میں مولانا عبدالمجید سالک کے اشتراک سے اپنا روزنامہ ''انقلاب'' لاہور سے جاری کیا۔ ان کے استدلالی اداریے، اسلوب نگارش، فنی خوبیوں اور اشعار کے برمحل استعمال کے باعث بہت مقبول ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں اخبار کی بندش کے بعد ادبی و تحقیقی کاموں میں مشغول ہو گئے۔ علامہ اقبال کے بیرون ملک دوروں میں ان کے رفیق سفر بلکہ سیکرٹری رہے۔ سو سے زائد کتابیں ترجمہ و تالیف کیں ان میں قبول عام حاصل کرنے والی آپ کی تصانیف اس طرح ہیں: (۱) غالب (۲) نوائے سروش (شرح دیوان غالب) (۳) ۱۸۵۷ء (۴) ۱۸۵۷ء کے مجاہد (۵) تاریخ سندھ (عہد کلہوڑہ۔ ۲ جلد)۔ بعض اہم تراجم کے نام یہ ہیں: (۱) انسائیکلوپیڈیا تاریخ اسلام (۳ جلد) (۲) طبقات ناصری (۲ جلد) (۳) تاریخ تہذیب (۲ جلد) (۴) ہٹلر کا عروج و زوال (۳ جلد)۔

ان کا سب سے اہم کارنامہ سید احمد شہید اور ان کے رفقا کی سوانح عمری ہے جس کی تصنیف میں آپ نے عمر عزیز کے کم و بیش بیس برس صرف کیے۔ یہ کتاب تحریک مجاہدین سے مولانا کی قلبی وابستگی کی مظہر ہی نہیں بلکہ اردو ادب میں بھی ایک مایہ ناز اور گراں قدر اضافہ ہے جس سے تحقیق و تدوین کی نئی راہیں متعین ہوتی ہیں۔ آپ ایک بہت بڑے قیمتی کتب خانہ کے مالک تھے جو آپ کی وفات مورخہ ۶ نومبر ۱۹۷۱ء کے بعد عجائب گھر لاہور کی لائبریری کو عطیہ کر دیا گیا۔

مولانا غلام رسول مہر سے راقم الحروف کی نیازمندی کا عرصہ کم و بیش گیارہ برسوں پر محیط ہے۔ مراسم کی ابتدا کا سبب برادر عزیز نور محمد نصرت نوشاہی بنے جنھیں تاریخ شرقپور کی تدوین کا مسئلہ درپیش

Marfat.com

تھا۔ اسی سلسلہ میں انھیں حاکم پنجاب آدینہ بیگ خاں (م: ۱۷۵۸ء) سے متعلق معلومات درکار تھیں کیونکہ آدینہ بیگ کے محلات کے آثار شرقپور میں پائے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں میں نے مولانا غلام رسول مہر مرحوم کو موصوف کی درخواست پر ایک عریضہ لکھ کر زحمت دی کہ وہ آدینہ بیگ کے سوانح حیات پر ماخذ کی نشاندہی فرمائیں۔ اس کے ساتھ ہی ذاتی معلومات کے لیے دو اور استفسارات بھی شامل کر لیے اس گزارش کے ساتھ:

نصابِ ''علم'' تو حدِ کمال است
زکاتم دہ کہ مسکینم فقیرم

انھیں جواب لکھنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ الحمدللہ موصوف نے توقع سے بڑھ کر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ تمام استفسارات کا تشفی بخش جواب مرحمت فرمایا جس سے میری ہمت افزائی ہوئی اور پھر تو کرم ہائے تو مارا کرد گستاخ، کے مصداق یہ عالم رہا کہ دورانِ مطالعہ جہاں کہیں کوئی مشکل پیش آئی، میں نے عقدہ کشائی کے لیے جھٹ قلم سنبھالا اور بلا تکلف مولانا کی خدمت میں عریضہ لکھ دیا اور مجھے جواب باصواب سے کبھی آپ نے مایوس نہیں کیا۔

مارچ ۱۹۶۳ء کا ذکر ہے کہ مجھے انھوں نے اپنے کتب خانہ کی فہرست سازی کی خدمت سپرد فرمائی۔ میں باقاعدہ ہر اتوار کو حاضر خدمت ہو جاتا اور عصر تک فہرست سازی میں مصروف رہتا۔ مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ یہ خدمت گو میرے لیے باعث صد افتخار ہے مگر اس پہلو سے ناخوشگوار کہ میں اب خط نویسی کے مشغلہ سے محروم ہو گیا ہوں۔ چنانچہ میں نے اپنی اس الجھن کا ذکر آں جناب سے کیا تو فرمایا کہ آپ جب آیا کریں اپنا خط میری میز پر رکھ دیا کریں اور جاتے وقت اس کا جواب لے جایا کریں، چنانچہ جتنا عرصہ میں فہرست سازی کرتا رہا، ہماری دستی خط کتابت اسی نہج پر جاری رہی اور مجھے یقین ہے کہ خطوط نویسی کی دنیا میں دست بدست خط کتابت کی یہ واحد مثال ہو گی۔ بہر حال موصوف سے یہ سلسلہ مراسلت اس وقت تک برابر قایم رہا تا آنکہ دستِ بیدادِ اجل نے ان کی حیات مستعار کا رشتہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے منقطع کر دیا۔ اِنّا للہ و اِنّا الیہِ راجعون۔ انقطاع کو اب چھتیسواں برس لگ چکا ہے اور یہ علمی ذخیرہ جسے میں قوم کی امانت سمجھتا ہوں، محترم جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کی ذاتی دلچسپی کے باعث مغربی پاکستان اردو اکیڈمی کی وساطت سے قوم کے سامنے پیش کر کے اس فریضہ سے سبکدوش ہو رہا ہوں تا کہ خوانندگانِ کرام بھی ان معلومات سے استفادہ کر سکیں اور اپنے دامنِ علم کو ان علمی نوادرات سے مالا مال کر سکیں۔

Marfat.com

مولانا بسیار نویس اور زود نویس تھے۔ انھوں نے میرے علم کی حد تک کسی مستفسر کو کبھی مایوس نہ کیا۔ یہی سبب ہے کہ بعض اصحاب کے پاس ان کے مکاتیب کے گراں بہا ذخیرے جمع ہو گئے مگر بیشتر حضرات کا کوئی خاص موضوع زیر بحث رہا اور اسی پر خط کتابت کا مدار رہا جیسے سید قدرت نقوی کے نام مکاتیب غالبیات کے متعلق ہیں، ڈاکٹر محمد ایوب قادری کے نام تحریک مجاہدین کے بارے میں اور پروفیسر ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری کے نام مولانا ابوالکلام آزاد کے بارے میں۔ مگر راقم الحروف کے نام مکتوبات متنوع موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں جو قاری کے لیے دلچسپی کا وافر سامان مہیا کرتے ہیں۔ یہ مکتوبات اتنے دلچسپ اور معلومات کا خزینہ ہیں کہ خود مکتوب نگار ان کی تعریف میں رطب اللسان ہے۔ میں نے یہ جملہ مکتوبات نقل کر کے آپ کی نظر ثانی کی خاطر بھیج دیے تھے آپ نے دوران مطالعہ جن جذبات کا اظہار کیا پیش خدمت ہیں:

الف: ''آپ کے مرتبہ مکاتیب دیکھے، حیران رہ گیا۔ مجھے قطعاً یقین نہ آیا کہ میرے لکھے ہوئے ہیں لیکن میرے خاص فقرے، خاص الفاظ، اسلوب تحریر سب کچھ ان میں موجود ہے۔ خدا ہی ہے جو اپنی رحمت خاص سے سب کام لے لیتا ہے۔ یہ چھپ جائیں تو خدا شاہد ہے بڑے ہی نافع ہوں۔'' (مکتوب نمبر ۲۸۸)۔

ب: ''اپنے خطوں کو صرف اس لیے بے تکلف پڑھتا جاتا ہوں کہ واقعی بے حد دلچسپ ہیں اور مجھے وہ ایک ایسی چیز معلوم ہوتے ہیں جو پہلے کبھی دیکھی نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ متفرق باتیں اکٹھی ہو جائیں تو وہ عجیب شے بن جاتی ہیں اور میرے خط تو باوجود کم فرصتی خاصے لمبے اور جامع ہیں۔ انیس شاہ جیلانی (۱) کا مجموعہ بھی بڑا دلچسپ ہے لیکن ایسا نہیں جیسا آپ کا ہے۔ دراصل استفادہ بھی ایک خاص صلاحیت پر موقوف ہے۔ آپ کے سوالات نے میرے جوابات کو دلچسپ بنا دیا ہے۔ ان کی اشاعت کے بارے میں مجھے کچھ نہ لکھنا چاہیے۔ (مکتوب نمبر ۲۹۱)

اسی طرح دور حاضر کے مشہور نقاد، مبصر اور دانشور مشفق خواجہ (م: ۲۱-۲-۲۰۰۵) نے جب ان مکاتیب کا رسالہ ''الرشید'' میں مطالعہ کیا تو لکھا کہ:

الف: ''الرشید'' کا تازہ شمارہ ملا۔ مہر صاحب کے خطوط واقعی گنجینۂ گوہر ہیں۔ کیسی نادر معلومات ان میں ملتی ہیں۔ آپ نے مہر صاحب سے یہ خط لکھوا کر ادب پر احسان کیا ہے۔ یہ نادر مجموعہ مکاتیب اردو ادب میں مستقل اضافہ ہے۔'' (خط نمبر ۲۱۶) (۲)

Marfat.com

ب: ''الرشید'' میں گنجینۂ مہر کی نئی قسط بھی پڑھی۔ حقیقت میں یہ گنجینۂ معنی ہے۔ مولانا مہر کے مکاتیب صحیح معنوں میں علمی مکاتیب ہیں۔ ان کی کوئی سطر ایسی نہیں ہے جو پڑھنے والے کے علم میں اضافہ نہ کرتی ہو۔ اگر یہ مکاتیب غیر مطبوعہ حالت میں پڑے رہتے تو علمی دنیا پر بڑا ظلم ہوتا۔ اردو میں شاید ہی کسی دوسرے مکتوب نگار کے ہاں ایسی معنی آفرینی پائی جاتی ہو۔''
(مکتوب نمبر ۲۱۷) (۳)

ج: ''آپ نے قارئین پر بڑا احسان کیا ہے۔ مولانا مرحوم کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ ان خطوط میں انھوں نے کیسے کیسے موضوعات پر لکھا ہے۔ بعض خط تو مختصر علمی مقالوں کا درجہ رکھتے ہیں۔ ایسے اعلیٰ معیار کی قلم برداشتہ تحریریں لکھنے والے اب دور دور تک نظر نہیں آتے۔''
(مکتوب نمبر ۲۳۱) (۴)

راقم الحروف مذکورہ تبصروں کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اور خوانندگانِ گرامی قدر کو دعوتِ مطالعہ دیتا ہوا رخصت طلب کرتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ مکاتیب ابتداً ماہنامہ ''الرشید'' لاہور میں بالاقساط شائع ہونا شروع ہوئے۔ ان میں سے (۱۵۹) مکاتیب مارچ ۱۹۹۲ء سے مارچ ۲۰۰۳ء تک کے عرصہ میں اشاعت پذیر ہوئے۔ ان مکاتیب میں مدیر ''الرشید'' کی خواہش پر بعض حواشی بہت طویل لکھے گئے مگر بقیہ غیر مطبوعہ مکتوبات کے حواشی میں نسبتاً اختصار سے کام لیا گیا۔ بعض مکاتیب کے حواشی پر مدیر ''الرشید'' جناب عبدالرشید ارشد (م: ۲۰۰۶-۱-۱۷) کے وضاحتی یا اختلافی نوٹس بحال ہی رہنے دیے گئے ہیں کیونکہ ان سے جہاں بعض مطالب کی تفہیم میں آسانی پیدا ہوگئی ہے وہاں دوسرے کا نقطۂ نظر بھی مبرہن ہو کر سامنے آ گیا ہے۔

لاہور ۲۴ اکتوبر ۲۰۰۶ء

محمد عالم مختار حق

حواشی

۱۔ خطوط (بنام انیس شاہ جیلانی) اسہر ۳۰ وحدت روڈ لاہور، ۱۹۸۳ء۔

۲۔ مشفق نامے (مکتوبات مشفق خواجہ بنام محمد عالم مختار حق) مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۲۰۰۶ء۔

۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

Marfat.com

(۱)

MUSLIM TOWN
LAHORE

GHULAM RASUL MIHR

۱۷-جنوری ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

مکرمی، ان تکلفات کی کیا ضرورت تھی؟ میں خود ایک معمولی طالب علم ہوں اور جو کچھ مجھے معلوم ہے، اپنے ہمسروں اور رفیقوں کی خدمات عالیہ میں پیش کرتے ہوئے خوشی ہوتی ہے عالم الکل اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں- اپنی حالت تو یہ سمجھتا ہوں کہ شوق علم میں ابتدائے سنِ شعور سے دامن پھیلا رکھا ہے- جہاں سے کوئی متاع مل جاتی ہے، اسے اللہ تعالیٰ کا فضلِ خاص تصور کرتا ہوں-

اب اپنے استفسارات کا مجمل جواب ملاحظہ فرمائیے:

۱- آدینہ بیگ کے حالات بے شمار کتابوں میں ملیں گے- مشہور کتابوں میں سے آپ لطیف کی انگریزی تاریخ پنجاب ملاحظہ فرمائیں- اس کے علاوہ ہر اس کتاب میں اس کے متعلق کچھ نہ کچھ درج ہے، جس میں سکھوں کے ابتدائی ظہور اور مرہٹوں کے پنجاب پر چڑھنے کے حالات درج ہیں- علاوہ بریں جالندھر گزٹیئر اور لاہور گزٹیئر میں بھی اس کے حالات ہونے چاہییں- جالندھر میں بھی وہ حاکم رہ چکا تھا- مآثر الامرا میں بہ ضمن حالات عماد الملک (بن غازی الدین خاں فیروز جنگ بن نظام الملک آصف جاہ اول) آدینہ کے مفصل حالات مل جائیں گے- سکھوں کی کوئی تاریخ اور مرہٹوں کی کوئی سرگزشت اٹھا لیجیے، جس میں حملہ پنجاب کی تفصیلات ہوں آدینہ بیگ ضرور موجود ہوگا- بہت زیادہ تفصیلات درکار ہوں تو ضروری ہوگا کہ کلکتہ ریویو کے پرانے فائل دیکھیں جو پنجاب پبلک لائبریری اور یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں-

اس کے حالات ایک سے زیادہ مرتبہ تفصیلاً رسائل میں بھی چھپ چکے ہیں- اب سوچتا ہوں تو یاد نہیں آتا کہ کن رسائل میں چھپے تھے- ایک مرتبہ تو پروفیسر سید عبدالقادر شاہ مرحوم و مغفور نے اس پر بہت کچھ لکھا تھا- میں اطمینان سے بیٹھ کر دیکھوں گا اور سوچوں گا تو اُمید ہے یاد آ جائے-

۲- مفتی غلام سرور کے حالات (ا) تو میں کہہ نہیں سکتا کہ کہاں سے ملیں گے- ان کی تین

Marfat.com

کتابوں (۲) کا علم مجھے ہے اور غالباً تینوں میرے پاس ہیں- ایک ''خزینۃ الاصفیا'' دو جلد، دوسری ''گلزار شاہی''، تیسری گنجینۂ تاریخ (۳)'' یا ایسا ہی کوئی نام ہے- لاہور میں ان کے جاننے والے بہت ہوں گے- میں بھی کسی صاحب سے پوچھوں گا-

۳- جس حد تک مجھے یاد ہے مولانا ظفر علی خاں مرحوم و مغفور کا کلام تین مجموعوں میں شائع ہوا تھا- اول ''بہارستان'' جو بہت بڑا مجموعہ تھا، دوسرا ''نگارستان''، تیسرا ''ارمغان قادیان''، جس میں قادیان اور قادیانیت کے متعلق تمام نظمیں جمع کر دی گئی تھیں- یہ مجموعے لاہور ہی میں طبع ہوئے تھے- (۴) اب معلوم نہیں کہاں اور کس کے پاس ملیں گے-

جس حد تک مجھے معلوم ہے، غالباً کلام کا کوئی حصہ غیر مدون نہیں رہا، البتہ میرا خیال ہے کہ بعض ایسی چیزیں، جو مزاحاً احباب خاص کے لیے لکھی گئی تھیں، مجموعہ ہائے کلام میں شامل نہ کی گئیں- بالکل یہی کیفیت رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم و مغفور کے مزاحیہ کلام کی تھی-

میرے پاس مولانا کی بعض چیزیں خود ان کے قلم سے لکھی ہوئی موجود تھیں- میں نے مقابلہ کیا تو وہ سب مذکورہ بالا مجموعوں میں آ گئی ہیں-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

نیاز مند

مہر

مکرر: یاد آیا کہ جو نظمیں مرحوم مولانا نے تین مجموعے چھپ جانے کے بعد لکھیں اور وہ زمیندار میں شائع ہوئیں- وہ غالباً کسی بھی مجموعے میں نہ آئیں-

حواشی خط نمبر ا

(۱) اس دور میں مفتی غلام سرور (مرحوم) کے حالات پر مواد دستیاب نہ تھا- البتہ بعد کے تذکرہ نویسوں نے اس کمی کو پورا کر دیا- اب مفتی صاحب کے حالات کے لیے ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے:

I- خزینۃ الاصفیا جلد اول، مصنف مفتی غلام سرور لاہوری- مترجمین، مفتی محمود عالم ہاشمی و علامہ اقبال احمد فاروقی، ناشر: المعارف، گنج بخش روڈ- لاہور ۱۳۹۲ھ (دیباچہ ص ۹ تا ص ۴۰ مع شبیہ مفتی غلام سرور)

II- تذکرہ علماء اہلسنت و جماعت لاہور- مصنف پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی- ناشر: مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۵ء-

III- تذکرہ اکابر اہل سنت- مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری-

Marfat.com

ناشر: مکتبہ قادریہ-لاہور ۱۹۷۶ء-

۱۷- تذکرہ علمائے پنجاب-اختر راہی-

ناشر: مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار-لاہور ۱۹۸۰ء-

(۲) مفتی صاحب اکیس کتابوں کے مصنف ہیں (ص ۱۸ خزینۃ الاصفیا-اُردو ترجمہ)

(۳) درست نام گنجینۂ سروری معروف باسمِ تاریخی گنج تاریخ (۱۲۸۴ھ) ہے-

(۴) یہ کتابیں بالترتیب اُردو اکیڈمی پنجاب لاہور، پبلشرز یونائیٹڈ لاہور اور مسلم پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپیں-

(۲)

MUSLIM TOWN

LAHORE

GHULAM RASUL MIHR

۲۶-جنوری ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

مکرمی: یاد فرمائی اور زحمت کشی کے لیے بہ دل ممنون ہوں-''سرودِ رفتہ (۱)'' کی تمام چیزیں میں نے اپنے ایک عزیز دوست دلاوری صاحب (۲) کے حوالے کر دی تھیں-اس مجموعے کی ترتیب کے ذمہ دار وہی تھے-مقدمہ میں نے پہلے مختصر سا لکھا تھا-پھر مناسب سمجھا گیا کہ بعض ضروری مباحث بڑھا دیے جائیں-

مطلب قطعاً یہ نہیں کہ جو غلطیاں رہ گئیں یا فروگزاشتیں ہوئیں ان کے لیے میری ذمہ داری ساقط سمجھی جائے-یقیناً میں برابر کا ذمہ دار ہوں لیکن لتھو کی چھپائی میں مسودہ جن مراحل سے گزر کر کتاب کی شکل اختیار کرتا ہے، غالباً اس کی مفصل کیفیت آں مکرم کے پیشِ نظر نہیں--انسان کی کوئی کوشش بقدرِ آرزو کامیاب نہیں ہوتی اس لیے کہ معاملہ کاتب کی تصحیح اور سنگ سازی کی درستی میں اہتمام پر موقوف ہے-اکثر دیکھا کہ کاپیوں میں غلطیاں درست کر دینے کے بعد بھی [illegible] پوری غلطیاں نہ لگائیں-بالکل یہی کیفیت پروف دیکھنے کے بعد پیش آئی-لیکن [illegible] کتاب چھاپنے والے ہی کی کوتاہی ہے اور اس کوتاہی کے لیے مجھے جتنا بھی [illegible] دیا جائے اسے میں بالکل حق بجانب سمجھوں گا-

اس وقت ''سرودِ رفتہ'' سامنے نہیں-کاموں کے ہجوم کا یہ عالم ہے کہ [illegible] کے باوجود وقت نکالنے اور فروگزاشتوں پر ایک نظر ڈال لینے کا موقع نہیں ملا-[illegible]

Marfat.com

گرامی نامہ محفوظ رکھ لیا ہے- پرسوں اسے دلاوری صاحب کے حوالے کردوں گا- وہ تمام غلطیاں درست کر-ں گے-

خود میرے پاس بعض چیزیں نکل آئیں، جو کہیں نہیں چھپیں- جس زمانے میں ''زبور عجم'' زیر تصنیف تھی، مرحوم ڈاکٹر صاحب تقریباً روزانہ ایک دوغزلیں سنایا کرتے تھے یا دوسرے تیسرے دن، یا تو وہ خود بلا لیتے تھے، کیونکہ میں ان کے دولت کدے (واقع میکلوڈ روڈ) سے قریب رہتا تھا یا میں اور چودھری محمد حسین مرحوم (۳) روزانہ شام کے وقت حاضر ہو جاتے تھے- جب کوئی غزل ہو جاتی تو فرما دیتے کہ تم لوگ ذرا ٹھہر جاؤ- کام ہے- میرا طریقہ یہ تھا کہ جو کچھ سنتا، ذہن میں محفوظ کر لیتا- گھر پہنچتا تو حافظے پر زور دے کر نقل کر لیتا- بیشتر چیزیں پوری کی پوری نقل ہو جاتیں- بعض مصرعے ذہن سے اُتر جاتے تو ان کی جگہ نقطے لگا دیتا- وہ کاپی میرے کاغذوں میں سے نکل آئی- مقابلہ کیا تو بعض اشعار مطبوعہ کتاب سے خارج ہو گئے بعض میں خاصی ترمیم کر لی گئی بعض اشعار کی ترتیب بدل لی گئی چنانچہ میں اب یہ اشعار بھی دلاوری صاحب کے حوالے کر رہا ہوں- ممکن ہے کچھ اور چیزیں بھی ہوں-

آپ نے جو اشعار لکھے ہیں، ان میں سے ''محفل میں'' کے بجائے ''محفل ہو'' بہتر ہے- غالباً اصل میں بھی یہی ہوگا اور ''اقبال عشق نے مرے سب بل دیئے نکال'' ہی میرے ذہن میں تھا- کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ''ترے'' کیوں کر مشہور ہو گیا- صحیح دونوں ہیں- ترجیح کسی کو نہیں دی جا سکتی- ممکن ہے بعض اصحاب کو خطاب بہتر معلوم ہو اور وہ ''مرے'' پر ''ترے'' کو ترجیح دیں- اصل بھی دیکھوں گا-

حضرت علامہ اقبال مرحوم کے درمیان ''صاحب'' لکھنا میرے نزدیک مناسب نہیں- انگریزی کتاب میری نظر سے نہیں گزری لیکن نہایت مفصل مضمون میں نے دیکھا ہے اور ممکن ہے وہ میرے رسائل میں موجود ہو- کسی وقت تھوڑی سی فرصت پاؤں گا تو ضرور وہ خدمت بجا لاؤں گا جو میں نے اپنے ذمے لی ہے- فی الحال عفو خواہ ہوں- یہ سطریں بھی میں نے بہ مشکل رات کے آٹھ بجے لکھی ہیں- شرمسار و نادم تھا کہ آپ نے جوابی لفافہ بھیجا اور میں تین روز میں چند لمحے چند سطریں لکھنے کے لیے نہ نکال سکا- والسلام علیکم

نیاز مند

مہر

Marfat.com

حواشی خط۲

۱- ''سرودِرفتہ'' یعنی علامہ اقبال کا رہ کلام جوان کے ترتیب دیے ہوئے کسی مجموعے میں شامل نہیں۔ یہ مجموعہ مولانا غلام رسول مہر اور صادق علی دلاوری صاحب کی ترتیب و تحشیہ سے کتاب منزل لاہور نے ۱۹۵۹ء میں شائع کیا۔ دورانِ مطالعہ کتابت کی جو غلطیاں نظر آئیں، ان کا ذکر ہے۔

۲- صادق علی دلاوری ایم اے ایلفر یڈ پٹیالہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ریسرچ سکالر تھے۔ انہوں نے عصرِ جہانگیر تا عہدِ عالمگیر کا مشہور تذکرہ ''کلمات الشعراء'' مولفہ محمد افضل سرخوش کو پانچ خطی نسخوں سے ایڈٹ کیا اور جسے پہلی مرتبہ شیخ مبارک علی تاجر کتب لاہور نے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا۔ (دلاوری صاحب کے اس مختصر خاکہ کی فراہمی پر راقم جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کا احسان مند ہے)

۳- چودھری محمد حسین (۱۸۹۴ء-۱۹۵۰ء) علامہ اقبال کے قریب تر ... رفقا میں سے اور ان کی کتابوں کے پبلشر تھے۔ پیدائش موضع پہاڑنگ اونچہ ضلع سیالکوٹ میں ہوئی۔ والد بزرگوار کا نام چودھری فضل احمد تھا۔ قوم کے جاٹ تھے۔ ۱۹۱۸ء میں بی اے، ۱۹۲۰ء میں ایم اے (عربی) اور ۱۹۲۱ء میں منشی فاضل کا امتحان پاس کیا۔ اصول فقہ اور عربی منطق پر بھی عبور حاصل تھا۔ شعر بھی کہتے تھے۔ ۱۹۲۶ء میں پنجاب سول سیکرٹریٹ میں ملازمت اختیار کر لی۔ ۱۹۳۶ء میں خان صاحب اور ۱۹۴۳ء میں خان بہادر کے خطاب سے نوازے گئے۔ چودھری صاحب اپنے درویشانہ اور مخلصانہ طرزِ عمل کی وجہ سے علامہ اقبال کو بے حد عزیز تھے۔ چنانچہ علامہ نے اپنے وصیت نامہ میں چودھری محمد حسین کو بھی اپنے بچوں اور جائیداد کا ولی مقرر کیا۔ ۱۶/ جولائی ۱۹۵۰ء کو انتقال ہوا اور اگلے روز بعد از نماز عیدالفطر نماز جنازہ ادا کی گئی اور اقبال پارک لاہور میں سپردِ خاک کیا گیا۔

(۳)

MUSLIM TOWN

LAHORE

GHULAM RASUL MIHR

۱۷-فروری ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

مکرمی: مجھے ابھی تک اپنی بے بسی پر نادم سمجھیے۔ بعض کام ایسے درپیش ہیں کہ اطمینان سے بیٹھنا بھی نصیب نہیں۔ پرسوں چار پانچ گھنٹے ایک میٹنگ میں صرف ہوئے۔ کل احباب آ گئے اور ایک لمحہ بھی اطمینان و دلجمعی کا نہ مل سکا۔

Marfat.com

۱- آپ کا ارشاد درست ہے کہ کتابیں غلطیوں سے پاک ہونی چاہییں- کوشش بھی یہی کی جاتی ہے لیکن لتھو کی چھپائی میں تحریر جن مراحل سے گزرتی ہے، ان میں ہر مرحلے پر تصحیح کی مراجعت واقعی مشکل ہے- بایں ہمہ یہ عذر نہیں اور نہ اسے قابلِ توجہ سمجھنا چاہیے- بے چارگی کا اعتراف ہے اور جرم کا اقرار-

۲- ''حقائق الدقائق'' سے میں واقف نہیں- نہ احمد رومی کا نام آج تک سنا ہے-

۳- ملا محب اللہ بہاری کے حالات مل جائیں گے- مثال کے لیے رحمان علی کی علمائے ہند ملاحظہ فرمایے- لیکن رسائل میں نہ محض ملائے موصوف بلکہ تمام شرکائے ترتیب و تدوین فتاوائے عالمگیری کے حالات (۱) شائع ہو چکے ہیں- ان میں سے ایک شاہ عبدالرحیم (والد شاہ ولی اللہ) بھی تھے- آپ اس سلسلے میں ''معارف'' کے مجلدات ملاحظہ فرمائیں- اس وقت حوالہ نہیں دے سکتا کہ کس دور کے- میرا خیال ہے کہ پانچ چھ سال پیشتر کی جلدوں میں یا اس سے بھی پہلے مختلف اصحاب کے سوانح نکلے تھے- میرے پاس فرصت ہوتی تو خود جلدیں دیکھ کر عرض کر دیتا-

۴- قضاۃ کے حالات یکجا تو شاید ہی مل سکیں- مگر تاریخ کی مفصل کتابیں بامعان نظر دیکھی جائیں تو متعدد اصحاب کے حالات جا بجا مل جائیں گے-

۵- یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ''مضامین آزاد'' (۲) سے کیا مراد ہے؟ آیا وہ مقالات جو مختلف اصحاب نے ''الہلال'' و ''البلاغ'' سے لے کر بے سروپا طریق پر شائع کر دیے؟ میرے پاس متعدد مجموعے ہیں اور ان کے سلسلے ہیں- آپ کا نقل کردہ فقرہ اب ذہن میں نہیں- دیکھ کر عرض کر سکوں گا- ویسے ''پیر ہرات'' سے عموماً خواجہ عبداللہ انصاری رحمہ اللہ مراد لیے جاتے ہیں-

ہاں بھائی- مولانا کے تمام مضامین و مقالات حواشی مفصلہ کے متقاضی ہیں مگر ان کے لیے کارکنوں کا ایک لشکر درکار ہے- میں لکھ سکتا ہوں، خود لکھوا نہیں سکتا- بلاشبہ

یک کا شکے بود کہ بہ صد جا نوشتہ ایم

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

نیاز مند

مہر

حواشی خط نمبر ۳

۱- فتاویٰ عالمگیری'' کے مولفین کے حالات ۱۹۴۴ء کے ''معارف'' اعظم گڑھ کے پرچوں میں شائع ہوئے

Marfat.com

تھے جنھیں بعد میں باضافہ مولف مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب نے کتابی صورت میں مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور کی طرف سے ۱۹۸۸ء میں شائع کر دیے۔

۲۔ جی ہاں۔ مضامین آزاد سے مراد مولانا ابوالکلام آزاد کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جسے عبداللہ بٹ بی۔ اے (آنرز) نے ''الہلال'' سے انتخاب کر کے مرتب کیا اور قومی کتب خانہ ریلوے روڈ لاہور نے ۱۹۴۴ء میں شائع کیا۔ اس کی ترتیب میں مولانا مہر مرحوم کا مشورہ بھی شامل تھا۔ موصوف نے ''مقالاتِ مولانا آزاد'' کے نام سے مضامین کا ایک اور مجموعہ بھی مرتب کیا تھا جو مذکورہ کتب خانہ سے ہی اسی سال (۱۹۴۴ء) میں شائع ہوا۔ یہ مقالات بھی ''الہلال'' سے ماخوذ ہیں۔

(۴)

MUSLIM TOWN
LAHORE
GHULAM RASUL MIHR

۲۸۔فروری ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

جز محبت ہر چہ بُردم سود در محشر نہ داشت
دین و دانش عرضہ کردم، کس بہ چیزے بر نہ داشت

عزیز مکرم: مجھے اعتراف ندامت میں کبھی تامل نہیں ہوا اور مصروفیت کی جس طغیانی میں زندگی بسر ہو رہی ہے، میں کیا کوئی بھی اسے نہ پسند کر سکتا ہے اور نہ قابلِ قبول سمجھ سکتا ہے لیکن اسے کیا کیجیے کہ قدرت کو یہی منظور ہوا۔ مصروفیت ویسے بھی ہمیشہ عافیت سوز ہوتی ہے اور میری مصروفیت تو مصروفیتوں میں بھی بلحاظ کم و کیف غالبًا یگانہ ہے۔ میں صبح تین بجے اُٹھتا ہوں۔ دوپہر کو ایک گھنٹہ لیٹتا ہوں، شام کے سات بجے تک میرا کلبۂ احزاں مشقت کی کوٹھڑی ہے اور مشغلہ چکی پیسنا چنانچہ پیستا رہتا ہوں۔ پچھلے دنوں سخت وشدید نزلے کا شکار ہو گیا تاہم مشقت جاری رہی (۱) اور بعض اوقات حالات ایسی صورت اختیار کر لیتے ہیں کہ جاری رکھنے کے سوا چارہ نہیں رہتا۔ یہ عریضہ اس لیے ابھی لکھ رہا ہوں کہ کل پرسوں، اترسوں یعنی کم از کم تا بہ شنبہ اس میں تخفیف یا توقف ممکن نظر نہیں آتا۔ سوالات کے جواب اجمالاً لیجیے:

۱۔ ابتدائی مجموعے کے مکتوب الیہ مولوی محی الدین احمد قصوری ابن مولانا عبدالقادر قصوری مرحوم (۲) ہیں جن بزرگ کا تعلق انجمن سے ہے۔ ان کا اسم گرامی غلام محی الدین قصوری ہے اور وہ وکیل ہیں۔

Marfat.com

۲- ممکن ہے لیکن مجھے کبھی فرصت ملی اور آپ تشریف لائے تو زبانی عرض کروں گا کہ خلاف مصلحت ہے۔

۳- پہلا مصرعہ اس وقت ذہن سے اُتر گیا۔

آپ رقعات عالمگیری کا عام نسخہ اُٹھا کر دیکھیں گے تو دو تین مقامات پر یہ شعر مرقوم ہوگا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس زمین میں غزل کوئی نہیں۔ کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔[۱]

۴- کتاب دور ہے اور نکالنا مشکل، کسی وقت دیکھوں گا تو عرض کروں گا۔ یہ سوال محفوظ رکھیے۔

۵- ''جامع الشواہد'' (۳) نام ایک کتاب وہابیوں کو مساجد سے خارج کر دینے کے متعلق بہ طور مجموعہ فتاویٰ شائع ہوئی تھی۔ یہاں اشارہ اس کتاب کی طرف نہیں بلکہ مولانا کی کتاب کی طرف ہے، جس میں بہ دلائل قاطعہ و بیّنہ ثابت کیا گیا تھا کہ غیر مسلم مساجد میں آ سکتے ہیں۔ یہ رسالہ ایک مرتبہ ''معارف'' کی دو قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ اس زمانے میں مولانا بہ مقام رانچی نظر بند تھے۔ پھر الگ بھی چھاپ لیا گیا تھا۔ اب بھی غالباً اسے یہاں چھاپ لیا گیا ہے۔ بازار سے مل جائے گا۔

[۱] پہلا مصرعہ یوں ہے:

آنچہ پر جستیم و کم یابیم و درکار است و نیست

دوسرا مصرعہ:

نیست جز آدم دریں عالم کہ بسیار است و نیست

فارسی شاعر کا شعر ہے مگر عالمگیر نے اس میں تھوڑا سا تصرف کر لیا ہے۔ (اضافہ از مہر) (۴)

۶- اس وقت سین کے ساتھ کچھ عرض کرنا مشکل ہے یعنی بلا رجوع الی الکتاب، لیکن یہ ہے

ے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں درست ہیں۔ عبدالحمید خاں سے مقصود سلطان عبدالحمید خاں ثانی ہیں۔ جو ۱۹۰۹ء میں معزول ہوئے اور آخری دور کے حد درجہ مستبد سلطان تھے۔ عبدالمجید خاں سے مقصود آخری خلیفہ ہیں جو سلطان وحید الدین خاں محمد سادس کے فرار کے بعد خلیفۃ المسلمین بنائے گئے۔ پھر خلافت کو ختم کیا گیا تو انھیں نیز خاندان عثمانیہ کے دوسرے افراد کو ترکی سے نکل جانے کا حکم مل گیا۔ چنانچہ وہ فرانس چلے گئے۔ نیس میں وفات پائی۔ عثمان علی خاں نظام حیدرآباد کے فرزند اکبر شہزادہ اعظم جاہ کی شادی اسی عبدالمجید خاں کی صاحبزادی دُرِشہوار خانم سے ہوئی تھی۔ اسی کے

Marfat.com

فرزند مکرم جاہ ہیں- جنہیں عثمان علی خاں نے ازروئے وصیت اپنی پوری جائداد کا وارث قرار دیا ہے-

باقی امور کا جواب کتاب دیکھنے پر موقوف ہے- وہ میرے ذمے رکھیے لیکن تقاضائے جواب چند روز کے بعد کیجیے- میں چند روز کے لیے کراچی بھی جانا چاہتا ہوں، سہولت اس میں ہوگی کہ واپس آنے پر پوچھا جائے- لیکن ابھی جانا ہی محل نظر ہے فیصلہ کر رکھا ہے تاہم وہ بدل سکتا ہے-

آپ نے ٹھیک فرمایا کہ عربی عبارتوں کا ترجمہ لازم تھا لیکن کتاب جن حالات میں چھپی وہ یہاں بیان نہیں کر سکتا- طبع ثانی کی نوبت آئی تو ان شاء اللہ کوشش کروں گا کہ یہ کوتاہی دور ہو جائے- نیز غلطیوں کی اصلاح-

امید ہے آپ بخیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

میرا خط اس قابل تو نہیں تاہم اگر بہ طور تفنن غالب کا وہ شعر آخر میں لکھ دوں جو مولانا نے ایک مرتبہ میری کتاب کے متعلق لکھا تھا تو غالباً بے محل نہ سمجھا جائے یعنی

زاہد از ما خوشۂ تاکے بہ چشم کم مبیں
نیست ازدانہ کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم!!

حواشی خط نمبر ۴

۱- مولانا کی اس مصروفیت پر مولانا حسرت موہانی کا شعر یاد آ گیا- آپ بھی سن لیجیے

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشا ہے حسرت کی طبیعت بھی

۲- یہاں مجموعہ مکاتیب و مضامین کا ذکر ہے جسے مولانا مہر مرحوم نے "تبرکات آزاد" کے نام سے مدون کیا اور کتاب منزل لاہور سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا- اس مجموعہ میں مولانا آزاد کے ۹۱ مکاتیب اور مقالات شامل ہیں- اس سے ابتدائی مجموعے کے مکتوب الیہ مولوی محی الدین احمد قصوری ہیں

۳- "جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد" ایک دوسرے رسالہ کی جو "اخراج الوہابیین من مساجد المسلمین" مصنفہ مولوی محمد نبی بخش حلوائی مؤلف تفسیر نبوی (منظوم پنجابی) کے ساتھ ۱۳۵۳ھ میں طبع

Marfat.com

کریمی پریس لاہور سے شائع ہوئی تھی- مولانا ابوالکلام آزاد کی کتاب کا پورا نام ''جامع الشواہد فی دخول غیرالمسلم فی المساجد'' ہے- یہ کتاب مکتبہ ماحول کراچی سے بہ ترتیب از انور عارف صاحب ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی-

۴- مطبوعہ صورت اس شعر کی اس طرح ہے:

آنچہ بر جستیم و دیدم کم کہ بسیار است و نیست
نیست جز انساں دریں عالم کہ بسیار است و نیست

(رقعہ نمبر ۱۴ صفحہ ۲۸)

(رقعاتِ عالمگیری مطبع مصطفائی لاہور ۱۲۹۵ھ)

(۵)

باسمہ سبحانہ

مکرمی: آپ کا نہایت خوبصورت اور پرتکلف عید نامہ، جو حرم پاک اور مسجد النبیؐ، دونوں کی یاد تازہ کرتا ہے، آج ملا، میں آٹھ دس روز کے لیے حیدرآباد اور کراچی گیا تھا اور وہاں سے ایک حد تک علیل واپس آیا- اب طبیعت سنبھل رہی ہے- خدا چاہے تو ایک دو روز میں معمول پر آ جائے-

بھائی، آپ کی محبت ونوازش کے لیے شکرگزار ہوں- اکثر احباب تقریبات خصوصی پر اسی طرح یاد فرماتے ہیں- لیکن میری طبیعت ایسی ہے کہ عام رسوم کی پابندی پر کبھی راضی نہ ہوئی، حتیٰ کہ جب ایسے خطوط آتے ہیں تو یاد آتا ہے کہ خوشی کی کوئی تقریب آ گئی- اس وجہ سے نادم ہوتا ہوں لیکن احساسِ ندامت کے باوجود خود یہ رسم اختیار کرنے پر کبھی آمادہ نہ ہوا- اس کوتاہی کے لیے مجھے معاف فرمائیے- اب عمر کے اس مرحلے پر پہنچا ہوا ہوں- جب طبیعت میں لچک باقی ہی نہیں رہتی- احباب نے از راہ محبت ونوازش میری بیسیوں کوتاہیوں کو معاف فرمایا ہے- اُمید ہے یہ کوتاہی بھی مستحق درگزر متصور ہوگی-

اس تکلیف کا دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں- اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

نیازمند مہر

بشرف ملاحظہ جناب محمد عالم صاحب
جھگیاں ناگرہ، ڈاک خانہ ڈھولن وال، ضلع لاہور

Marfat.com

(۶)

MUSLIM TOWN
LAHORE
GHULAM RASUL MIHR

۲۶۔ مارچ ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

بھائی! معاذ اللہ! میرا مقصد یہ نہ تھا کہ رسمیات کے سلسلے میں آپ کی ذات گرامی پر تعریض کروں، حاشا وکلا۔ میرا مدعا یہ تھا کہ اپنی طبیعت کی افتاد [illegible] سے مراسمت بعد و عدم مناسبت کا اظہار کر دوں [illegible] حسن طبیعت قرار نہیں دیا اور نہ [illegible] خیال تھا۔ صرف معذرت مقصود تھی۔ آپ کی مہربانی کے لیے شکر گزار تھا اور شکر گزار رہوں گا۔ [illegible] پابندی نہ کر سکنا حسن نہیں عیب ہی سمجھتا ہوں لیکن عذر خواہ ہوں۔

مشہور عنتر یا عنترہ بن شداد تو ایک عرب شاعر تھا جس کا قصیدہ سبعہ معلقہ میں شامل ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ عنتر نام ایک یہودی بھی تھا جو یہود خیبر کے [illegible] جیش کا سالار تھا۔ حضرت علامہ نے بھی لکھا ہے:

وہی مرحبی، وہی عنتری (۱)

منقولہ شعر میں مرحبی سے مراد ہے "خصوصیات مرحب" اور عنتری سے مراد [illegible] یہی وہ عنتر [illegible] میری رائے ہے۔ اس سے زیادہ کیا عرض کروں؟

عرض جواب میں دیر بھی ہوگئی۔ اطمینان سے بیٹھنے کا موقع نہ ملا۔ اور اب بھی [illegible] اس حال میں لکھ رہا ہوں کہ ایک عزیز دوست پاس بیٹھے ہیں [illegible] طرف [illegible] تو آپ کا حال [illegible] ہو۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے آپ بخیر ہوں گے۔ [illegible] کا ایک نہایت [illegible] نہ دیا کہ آپ کو یہ نہ سناؤں فرماتے ہیں

قانع [illegible] دوست [illegible]
این جنس [illegible] مفلس [illegible]

[illegible]

Marfat.com

حاشیہ

۱- پورا شعر اس طرح ہے:

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللٰہی، وہی مرحبی وہی عنتری

(بانگ درا)

(۷)

GHULAM RASUL MIHR B-A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۱- اپریل ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

بھائی: خط پر جو تاریخ درج ہے، لکھنے کا ارادہ اسی روز کر لیا تھا، لیکن اچانک وقتِ فرصت پر چھاپا پڑا اور میں مجبوراً دست کش ہو گیا- آج تین روز کے بعد پھر چند منٹ میسر آئے ہیں اور یہ سطریں صفحۂ قرطاس پر پھیلانے بیٹھا ہوں-

کہاں کی شاعری اور کیسی سخن طرازی- ایک زمانہ تھا کہ اخبار نویسی کے سوا کوئی کام نہ تھا- اتوار کو تعطیل ہوتی تھی- ویسے بھی افتتاحیہ اور بعض خاص چیزیں لکھنے کے سوا میں کچھ نہیں کرتا تھا- مرحوم و مغفور سالک صاحب اور میں عرفی، نظیری، حافظ وغیرہ اساتذہ کا کلام پڑھا کرتے تھے اور اشعار کی تری سے سیاسیات کی یبوست کا مداوا کیا کرتے تھے- گویا دواوین اساتذہ ہمارے لیے بہ اصطلاح طبیباں ''خمیرہ ابریشم'' تھے-

ایک مرتبہ طے کیا کہ اساتذہ کی ہم طرح غزلوں میں سے بہترین اشعار چننے چاہییں- پھر دیکھیں کہ زیادہ اچھے شعر کون کہتا ہے- خواجہ حافظ کی ایک مشہور غزل ہے:

حسن ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل، این چہ بوالعجبی است

اس غزل میں مزید دو اچھے شعر ہیں یعنی:

ازیں چمن گلِ بے خار کس نہ چید آرے
چراغِ مصطفوی باشرار بولہبی است

Marfat.com

سبب مپرس کہ چرخ ازچہ سفلہ پرور شد
کہ کام بخشی او را بہانہ بے سببی است

نظیری نے اس زمین میں بڑے زور کی غزل کہی۔ مندرجہ ذیل چار شعر خاص توجہ کے مستحق ہیں:

قبول بے ہنراں، زالتفات معشوق است
عنایت ازلی را بہانہ بے سببی است
مجالِ حال شود ترجمانِ استحقاق
دلیل آب جگر تفتگی و تشنہ لبی است
خلافِ رسم دریں عہد خرقِ عادت داں
کہ کارہائے چنیں از شمار بوالعجبی است
شبِ سیاہ صباحِ سفید مے آرد
چراغِ مطلب از دودمان بولہبی است

عرفی نے دو شعر کہے ہیں اور دونوں بے مثال ہیں:

مدارِ صحبت ما بر حدیث زیرلبی است
کہ اہلِ ذوق عوام اند و گفتگو عربی است
قبولِ خاطر معشوق شرط دیدار است
بحکم شوق تقاضا مکن کہ بے ادبی است

میرزا غالب کی غزل میں سے پانچ شعر نکلے

زگیر و دار چہ غم، چوں بہ عالمے کہ منم
ہنوز قصۂ حلاج حرف زیرلبی است
رموزِ دیں نہ شناسم درست و معذورم
نہادِ من عجمی و طریق من عربی است
نشاطِ جم طلب از آسماں، نہ شوکتِ جم
قدح مباش ز یاقوت، بادہ گر عنبی است

Marfat.com

بہ التفات نیرزم، در آرزو چہ نزاع
نشاطِ خاطر مفلس زکیمیا طلبی است
ہر آنچہ درنگری، جذبہ جنس مائل نیست
عیارِ بے کسی ما شرافتِ نسبی است

افسوس کہ یہ روح افروز مشغلہ بھی موجودہ دور میں اضطرابات کسب معاش کی نذر ہو گیا - اب وقت ہی نہیں ملتا کہ ذوق کی کوئی چیز پڑھی جائے - شعر سے عدم مناسبت کا یہ حال ہو گیا، جیسے کوئی خوشگوار خواب دیکھے اور بھول جائے لیکن ایمان یہ ہے کہ:

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست
در صراطِ مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

(۸)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲۱ - اپریل ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

بھائی! عفو خواہ ہوں - وقت بہت تنگ ہے - مغرب ہونے والی ہے اور مجھے ابھی کہیں جانا ہے - لہٰذا محض اپنے محبت نامے کی رسید پر اکتفا فرمایئے -

۱- شعر صرف ذاتی ذوق کی تسکین کی لیے پڑھے جاتے تھے - پھر میں نے اچھے شعر الگ کاپیوں میں لکھنے شروع کیے اور ایک بیاض کا سروسامان ہو گیا - فرصت کا دائرہ محدود ہوا تو صرف دواوین پر پنسل سے نشان بنا تا رہتا تھا - اب سرے سے دیوان اُٹھانے ہی کی نوبت نہیں آتی -

۲- از دیوبند حسین احمد ... الخ کہنے کا حقیقی سبب مجھے معلوم ہے لیکن بڑی تفصیل کا محتاج ہے اگر کبھی ملاقات ہوئی تو عرض کروں گا ان شاء اللہ -

۳- وہ اشعار اخبار میں کبھی نہیں چھپے اور نہ بیاض چھاپنے کا ارادہ ہے - کبھی کسی نے وہ

Marfat.com

دیکھے اور ذوق شعر مفقود نہ ہوا جس کا سخت اندیشہ ہے تو ان شاء اللہ لذت یاب ہوگا - میں نے ایک مرتبہ بیاض کو مرتب صورت میں لکھنا شروع کر دیا تھا - چند روز تھوڑا تھوڑا لکھتا رہا - اب مدت سے یہ سلسلہ بند ہے - جہاں بیٹھ کر لکھتا ہوں، اس کرسی کے دائیں جانب ایک الماری میں ضروری کتابیں رہتی ہیں - انھیں میں وہ بیاض بھی ہے - کبھی اس پر نظر پڑ جاتی ہے تو حسرت کی ایک لہر دل میں اُٹھتی ہے - مگر معلوم ہے کہ:

کار دنیا کسے تمام نہ کرد
ہر چہ گیرید مختصر گیرید

۴- جہاں جانا تھا، اس کا وقت آ گیا، آدمی سواری لیے باہر کھڑا ہے - مغرب کی نماز کا وقت ہے اور میں دو سجدے کر کے روانہ ہو جانا چاہتا ہوں، لہٰذا عفو خواہ ہوں - عرفی کا ایک نہایت دلکش شعر سنتے جائیے:

بیا بہ کنج قناعت کہ درد سر نہ کشی
زقصہ ہا کہ بہ ہمت فروش طے بستند

یہ شعر عرفی ہی کہہ سکتا تھا جس طرح مولانا آزاد نے مولانا شبلی کے اس شعر کے متعلق کہا تھا

دو دل بودن دریں رہ سخت تر عیبے است سالک را
خجل ہستم ز کفرِ خود کہ دارد بوے ایماں ہم

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ یہ شعر مولانا شبلی ہی کہہ سکتے تھے - والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ کا

مہر

(۹)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۳- مئی ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

بھائی: عجیب بات ہے کہ مولانا آزاد مرحوم و مغفور کی طرح آپ نے بھی خواجہ حافظ

Marfat.com

کے شعر میں تصرف فرمایا- آپ نے جو شعر لکھا، یہ دو شعروں کے دو جداگانہ مصرعوں سے مرکب ہے- شعر یہ ہیں:

اے غائب از نظر کہ شدی ہم نشین دل
مے گویمت دعا و ثنا مے فرستمت
در راہ عشق مرحلۂ قرب و بُعد نیست
مے بینمت عیان و دعا مے فرستمت

مولانا نے شروانی مرحوم کو خط لکھتے وقت شعر اس طرح لکھا اور میرا خیال ہے کہ اتفاقیہ، نہ کہ عمداً دو جداگانہ مصرعے یکجا ہو گئے- خیر- اگر آپ حافظ کا دیوان ملاحظہ فرمائیں گے تو حقیقت واضح ہو جائے گی- یہ بھی ظاہر ہے کہ ''مے بینمت عیاں'' کو جو مناسبت اس کے اصل مصرعے سے ہے، وہی مناسبت ''اے غائب از نظر'' سے ہے- غالباً اسی لیے یہ دو مصرعے مولانا کے حافظے میں ایک دوسرے سے پیوست ہوئے اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حافظ نے تکلفاً دو شعر کہے، صرف ایک کافی تھا-

مکرمی: مدد کا کوئی خاص معاملہ نہیں- اگرچہ ایک خوش ذوق آدمی کی مدد ہر حال میں مفید ہوتی ہے- میرے ہاں بے شمار اشعار متفرق کاپیوں پر مرقوم ہیں اور ان میں کوئی ترتیب پیشِ نظر نہ رہی- بہت سے اشعار پر دواوین میں خاص علامتیں لگا رکھی ہیں، یعنی یہ کہ وہ کس درجے کے ہیں- کہیں کہیں ان کے ہم مضمون شعر سامنے لکھ دیے ہیں- کہیں یہ بتا دیا ہے کہ فلاں مضمون میں فلاں نے کیا اضافہ کیا اور اسے کہاں تک پہنچایا- یہ ساری چیزیں اس وقت تک واضح نہیں ہو سکتیں، جب تک خود میں وقت نہ نکالوں اور میرا معاملہ خدا نے بعض خاص معاملات سے اس طرح وابستہ کر دیا ہے کہ چاہوں بھی تو چند لمحے اطمینان سے بیٹھنے کے لیے نہیں نکال سکتا- وہی بات ہے کہ:

جرس فریاد می دارد کہ بربندید محملہا(۱)

ہاں بھائی ۱۹۲۸ء میں یہاں اورینٹل کانفرنس کا اجلاس ہوا تھا تو مرحوم ڈاکٹر اقبال کو خیال ہوا تھا کہ اسی طرح کا ایک ادارہ خالص اسلامی علوم کے لیے بن جانا چاہیے- بلکہ میں غلطی نہیں کرتا تو ''ادارہ معارف اسلامیہ'' نام بھی مرحوم و مغفور ہی نے تجویز فرمایا تھا- پھر خود ہی کوشش کر کے تین سال کے لیے حیدرآباد سے دو ہزار سالانہ گرانٹ منظور کرائی- اس کے صرف تین اجلاس ہوئے- ایک ۱۹۳۳ء میں، دوسرا ۱۹۳۶ء میں، تیسرا ۱۹۳۸ء میں- پہلے دو لاہور میں،

84184

Marfat.com

آخری دہلی میں- تینوں کی روداد یں کتابی صورت میں چھپیں (۲)- آپ دیکھنا چاہیں تو پبلک لائبریری سے لے کر دیکھ لیں- ان پر رقم خرچ کرنے کی ضرورت نہیں- جو کتابیں نہ مل سکیں ان پر رقم خرچ نہ کرنا علمی گناہ ہے- لیکن جو مل سکیں، ان پر تو صرف وہ لوگ رقم خرچ کر سکتے ہیں، جو میری طرح اٹھ کر لائبریری نہ جا سکیں اور یہ بھی چاہیں کہ کتابیں پڑھنے کو ملتی جائیں-

امید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم

مہر

عرفی کا ایک شعر بھی سنتے جایئے

فسانہ باکہ بہ بازیچہ روزگار سرود
کنوں بہ مسند جمشید و تاج کے بستند

حواشی: خط نمبر ۹

۱- پورا شعر اس طرح ہے:

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد مے دارد کہ بربندید محملہا

(حافظ شیرازی)

۲- یہ روداد یں ادارہ "معارف اسلامیہ" کی جانب سے لاہور سے علی الترتیب ۱۹۳۵ء، ۱۹۳۸ء اور ۱۹۴۲ء میں چھپیں-

(۱۰)

GHULAM RASUL MIHR B A

MUSLiM TOWN

LAHORE

۱۲-مئی ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

بھائی، میں اپنے دفتر سے اٹھ کر دوپہر کو اندر چلا جاتا ہوں اور کھانا کھا کر سو جاتا ہوں-

Marfat.com

[illegible] طرح بیٹھ گیا کہ چند سطریں لکھ دوں، تاخیر ہوئی تو کسی دوسرے کام میں اُلجھ جاؤں گا اور وقت کا معاملہ اختیاری نہیں-

آپ نے بجا فرمایا کہ مستعار کتابوں پر طبیعت راضی نہیں ہوتی- ایک زمانے میں میرا احساس بھی یہی تھا- مگر تجربے سے واضح ہوا کہ انسان کتنا ہی کثیر الوسائل ہو، تمام کتابیں اور رسالے خرید نہیں سکتا اور عاریت سے مفر نہیں- پھر یہ رائے قرار پائی کہ ان کتابوں کی فراہمی پر خاص توجہ دینی چاہیے جو علمی مشاغل میں ناگزیر ہیں- مثلاً وہ کتابیں جنھیں اصطلاح میں ریفرنس کی کتابیں کہتے ہیں- انسائیکلو پیڈیا، مختلف السنہ و علوم کے مستند لغت، جو انگریزی زبان میں اتنے مرتب ہو چکے ہیں کہ ان کا حصر مشکل ہے- طرح طرح کی اٹلسیں- چنانچہ میرے پاس انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے علاوہ ریفرنس کی ایک سو یا اس سے بھی زیادہ کتابیں ہیں- ان کی وجہ سے دوران مطالعہ و تحقیق میں [illegible] کی ضرورت پیش نہیں آتی-

پھر مختلف زبانوں کے ادبا و شعرا کے دواوین و مجموعہ ہائے کلام ہیں- مستند تاریخیں ہیں اور [illegible] کا [illegible] خاصا ہے-

مولانا ظفر علی خاں مرحوم کی "بہارستان" غالباً چار پانچ روپے میں ملتی تھی- میں چند سال پیشتر تک بھی کبھی کبھی کتب فروشوں کے ہاں جایا کرتا تھا تو اس کے نسخے اکثر دیکھنے میں آتے تھے- پچاس روپے قیمت سن کر تعجب ہوا- مولانا کے اشعار کے تین مجموعے چھپے تھے، "بہارستان"، "نگارستان" اور "ارمغانِ قادیان"، اب سنا ہے کہ ایک نیا مجموعہ چھپا ہے، جس میں ان کتابوں کے کچھ منتخبات ہیں اور غالباً نیا کلام بھی ہے-

ظاہر ہے کہ پچاس روپے قیمت بہت زیادہ ہے- مولانا یقیناً ہمارے زمانے کے قادر الکلام شاعر تھے- خصوصاً وقتی نظمیں ارتجالاً لکھنے میں انھیں کمال حاصل تھا- مگر نفس شعریت کا پایہ چنداں بلند نہ تھا- ان کی وقتی نظموں کا لطف اب اتنا نہیں آ سکتا جتنا اصل وقت پر آتا تھا- "بہارستان" میں "زمیندار" و "انقلاب" کی جنگ کی نظمیں بھی ہیں- اس زمانے میں ہم نے مولانا ہی کے نظم و قافیہ اور بحر میں جوابی نظمیں لکھی تھیں- اب ان فضولیات کو کون مرتب کرے؟

متروکہ شعر (۱) کی نشان دہی کے لیے شکریہ قبول فرمایئے- اب اجازت چاہتا ہوں، آپ کی مہربانیوں کا شکر گزار-

Marfat.com

حاشیہ: خط نمبر ۱۰

۱- مولانا کی کتاب ''سرودِ رفتہ'' میں علامہ اقبال کی وہ نظم بھی شامل ہے جو علامہ نے منشی محبوب عالم مالک ''پیسہ اخبار'' لاہور کے سفر یورپ پر تشریف لے جانے کے موقع پر کہی تھی۔ بعد میں یہ نظم منشی صاحب کے ''سفرنامہ یورپ، بلادِ روم و شام و مصر'' مطبوعہ ۱۹۳۴ء ''پیسہ اخبار'' لاہور میں چھپ گئی تھی۔ متن کے موازنہ سے معلوم ہوا کہ ایک شعر سہواً نظر انداز ہو گیا ہے۔ جس کی نشان دہی کا ذکر ہے۔ شعر یہ ہے۔

وہ سمندر بساط کی صورت
اور موجوں کا کھیلنا چوسر

(۱۱)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

مکرمی: ریفرنس کی کتابوں سے مقصود خاص یا عام معلومات کے جوامع ہیں، مثلاً عام معلومات کے لیے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا اس میں ہر ضروری معاملے سے متعلق معلومات یکجا مل جاتی ہیں اور بیشتر مآخذ کے حوالے۔ خاص معلومات جیسے سائیکلو پیڈیا آف بائبل کہ صرف بائبل سے متعلقہ چیزیں ملتی ہیں۔ اسی طرح ڈکشنریاں، لغت اور ان کا دائرہ کم از کم انگریزی زبان میں حیرت انگیز طور پر وسیع ہے۔ میں کتابوں کی فہرست لکھوں تو کئی کاغذ درکار ہوں۔ میرے پاس ایک پوری الماری ایسی ہی کتابوں سے لبریز ہے۔ میرے دفتر میں کرسی کے بائیں جانب ایک چکر والا سٹینڈ ہے جس میں صرف اس نوعیت کی کم و بیش ساٹھ جلدیں ہیں اور میز پر نیز سٹولوں پر یہی کتابیں ہیں۔ میرا خیال کہ کسی نجی لائبریری میں اتنی کتابیں ریفرنس کی شاید ہی ہوں۔

اس میں شبہ نہیں کہ ''سرودِ رفتہ'' کا مجموعہ جامع نہیں۔ یہ کام وہی لوگ احسن طریق پر انجام دے سکتے تھے، جن کے پاس پرانے رسالوں کے مجموعے تھے۔ مجھے تقسیم سے پیشتر معلوم تھی کہ دیسنہ (صوبہ بہار) میں ایسا نہایت عمدہ ذخیرہ ہے۔ تین سال ہوئے تباہ ہوا اور جانا ہے۔ تقسیم کے بعد جانا۔ بوجوہ دقت خیز ہو گیا۔ جس شخص نے دیسنہ کے مجامع سے فائدہ اٹھایا، اس کی افضلیت

Marfat.com

میں کلام نہیں ہو سکتا - میں نے وہ کتاب (۱) دیکھی نہیں - اب کسی دوست کو لکھ کر منگواؤں گا ان شاء اللہ میرا مقصود یہ تھا کہ ایک خاص انداز میں وہ سب کچھ مرتب ہو جائے جو میرے پاس تھا، بلکہ اب دیکھتا ہوں تو بعض ضروری چیزیں خود میرے پاس تھیں مگر وقت پر مل نہ سکیں - اب نکلیں، انھیں دوسرے ایڈیشن میں شامل کر دوں گا ان شاء اللہ - آپ کی زحمت کا شکریہ نیز نگہداشت کا -

غالب کی تصانیف اور غالب کے متعلق تصانیف اتنی ہیں کہ ان کی فہرست مرتب کرنا مشکل ہے - بعض چیزیں ایسی ہیں، جو الگ بھی چھپیں اور مختلف مجامع میں بھی شامل ہیں مثلاً:

۱- نامہ غالب الگ بھی چھپا ہے، عود ہندی میں بھی ہے اور میرے مرتبہ مجموعہ خطوط میں بھی -

۲- ابر گہر بار: الگ بھی چھپی تھی ،کلیات نظم فارسی میں بھی شامل ہے -

۳- دو قصیدے فارسی اور کچھ قطعات و رباعیات، ابر گہر بار کے ساتھ بھی چھپی تھیں، پھر یہ چیزیں سبد چین میں بھی شامل ہو گئیں -

۴- دستنبو کلیات نثر فارسی میں بھی شامل ہے اور الگ بھی دو تین مرتبہ چھپی -

۵- ''لطائف غیبی'' (۲) پہلے ایڈیشن کے سوا میرے علم کے مطابق الگ نہ چھپی - رسالہ ''شاعر'' (۳) کا خاص نمبر میں نے نہیں دیکھا اس لیے کچھ کہہ نہیں سکتا -

میرا خیال ہے کہ آپ کلیات نظم فارسی، اور سبد چین لے لیں تو بیشتر چیزیں آ جائیں گی - تیغ تیز اور لطائف غالباً اب نہ مل سکیں - مل جائیں تو اچھا ہے اسی طرح ''سوالات عبدالکریم'' بھی غالب ہی کی ہے وہ بھی الگ نہیں ملے گی -

''قادر نامہ'' بارہا چھپا - عرشی صاحب نے اپنے مرتبہ کلیات اُردو میں شامل کیا جو انجمن ترقی اردو ہند نے چھاپا - میں نے غالب کا جو دیوان خاص مقاصد کے پیشِ نظر مرتب کیا ہے، اس میں بھی شامل ہے مگر وہ زیرِ طبع (۴) ہے میرے دیوان کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اوقاف و رموز بڑے اہتمام سے لگائے گئے ہیں اچھی سمجھ والا آدمی دیوان کی شرح سے بے نیاز ہو جائے گا - شعر صحیح پڑھا جائے تو خود بخود سمجھ میں آ جائے ''سبد باغ دو در'' (۵) کا نصف حصہ اورینٹل کالج میگزین میں چھپ چکا ہے، نصف آخر غالباً اب چھپ جائے ایک مجموعہ نثر و نظم، جو بہت کمیاب تھا، مسعود حسن رضوی (۶) نے لکھنؤ میں چھاپا تھا - اس کا نام اس وقت ذہن میں نہیں - لیکن آپ کو اس کی ضرورت نہیں -

Marfat.com

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۱

۱۔ اس سے مراد ''تبرکاتِ اقبال'' مرتبہ محمد بشیر الحق دیسنوی عظیم آبادی ہے۔ یہ مجموعہ ۱۹۵۹ء میں کوہ نور پریس دہلی سے چھپا۔

۲۔ ''مجلس یادگارِ غالب'' پنجاب یونیورسٹی لاہور نے غالب کی صد سالہ برسی پر فروری ۱۹۶۹ء میں جو کتابیں شائع کیں، ان میں غالب کے تین نایاب رسائل کا ایک مجموعہ ''افاداتِ غالب'' کے نام سے بہ تصحیح و تحقیق جناب سید وزیر الحسن عابدی (م ۲۹ جون ۱۹۷۹ء) بھی شائع کیا جس میں ''تیغ تیز'' شامل ہے۔ دوسرے دو رسائل ''لطائف غیبی'' اور ''سوالات عبدالکریم'' ہیں۔

۳۔ یہ علمی رسالہ بمبئی (ہندوستان) سے چھپتا ہے اور اپنے خاص نمبروں کے حوالہ سے پہچانا جاتا ہے۔ ۱۹۶۹ء میں رسالہ کے ''غالب نمبر'' کا چرچا رہا اور اب ''اقبال نمبر'' جلد اول شائع کر کے بقول مشہور نقاد و ادیب جناب ڈاکٹر انور سدید صاحب رسالہ کے مدیر جناب فخر امام صدیقی صاحب نے ''دریا کو نہیں، سمندر کو کوزے میں بند کیا ہے''۔ جناب انور سدید صاحب نے مدیر رسالہ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس نمبر کو ''انسائیکلو پیڈیا اقبال'' کا نام دیا ہے۔

۴۔ یہ دیوان ۱۹۶۷ء میں جا کر کہیں چھپا۔ اس کے ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ہیں۔ اس میں میرزا غالب کے کمیاب و نایاب کلام کے علاوہ ''نسخہ حمیدیہ'' کا انتخاب بھی شامل ہے۔

۵۔ ''باغ دو در'' از میرزا اسد اللہ خاں غالب کا حصہ نظم اورینٹل کالج میگزین کے شمارہ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا۔ جب کہ حصہ نثر ٹھیک ایک سال بعد اورینٹل کالج میگزین کے شمارہ اگست ۱۹۶۱ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ پروفیسر سید وزیر الحسن عابدی نے اس پر مفید حواشی و تعلیقات کا اضافہ کیا ہے۔

۶۔ اس کا نام ''متفرقات غالب'' ہے اور یہ مجموعہ ہندوستان پریس رامپور سے ۱۹۴۷ء میں طبع ہوا۔

(۱۲)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

۱۳۔ جون ۱۹۶۱ء

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

مکرمی: عید کارڈ مل گیا تھا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ میں جن باتوں کا عادی نہیں، ان میں زیادہ وقت صرف کرنا بھی اچھا نہیں سمجھتا- آپ کی محبت کا شکر گزار ہوں- مگر خود ایسی باتوں کو اظہار محبت کا کوئی لازمی ذریعہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ رسم چونکہ عام ہوگئی ہے اس لیے خیال ہوتا ہے کہ شاید اس کی پیروی موجب تضعیف محبت ہو یا سمجھا جائے کہ یہ جنس بھی بازار نمائش میں پہنچ گئی- میرا خیال کتنا ہی غلط کیوں نہ ہو، مگر اب زندگی کے اس مرحلے میں پہنچا ہوا ہوں کہ طبیعت کو توڑا تو جا سکتا ہے، موڑا نہیں جا سکتا- جہاں میری اور کوتاہیاں آپ نے گوارا فرمائیں، یہ بھی گوارا فرمایئے-

میرے بچے اور عزیز برابر عید کارڈ بھیجتے ہیں بلکہ مبارکباد کے تار آتے ہیں مگر میرا دل جہاں ہے، ہے- کیا کروں رسم عام کی پیروی کبھی بھی پسند نہ تھی اور آج بھی پسند نہیں-

میں ضرور کسی وقت کسی کو بٹھا کر کتابوں کے نام لکھوا دوں گا- وہ اتنی زیادہ ہیں کہ بعض اوقات ان کی طرف دیکھ کر خیال ہوتا ہے، آپ آکر کسی وقت دیکھ ہی کیوں نہیں لیتے کہ میں فہرست تیار کرانے سے اور آپ اسے پڑھنے کی زحمت سے محفوظ ہو جائیں-

اورینٹل کالج میگزین کا چندہ میرے نزدیک بہت کم ہے اور یہ کالج کے دفتر سے ہر وقت مل سکتی ہے- قیمت کچھ زیادہ نہیں- آپ کیوں خرید نہیں لیتے- ''باغِ دو دَر'' تو اور کہیں نہ ملے گی- ایک حصہ چھپ چکا ہے- دوسرا جلد چھپ جائے گا-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم

آپ کا مہر

مکرر!

معاف کیجیے: آپ کا محبت نامہ آج ملا کیونکہ اچھرہ کے پوسٹ ماسٹر صاحب یا پوسٹ مین کے بیمار ہو جانے سے ہمیں پانچ چھ روز ڈاک نہ ملی کل سے خط آنے لگے ہیں- گویا عرض جواب میں تاخیر کا ذمہ دار میں نہیں-

Marfat.com

(۱۴)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

۲۴- جون ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

مکرمی: مجھے معلوم نہیں کہ عیدین خصوصاً عید الفطر پر تبریک وتہنیت کے مخصوص مکاتیب کا ارسال کب سے شروع ہوا اور اس رسم کا مبدا کیا ہے؟ لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ اسلامی رسم نہیں ہوسکتی- اسلام ایسی کسی بھی رسم کا روادار نہیں- وہ زندگی کا ایک خاص نظام، عمل وکردار کا ایک خاص نقشہ ہے، جو کسی ایسی بات کو اپنے اندر جگہ نہیں دے سکتا، جسے اس کردار میں کوئی موزوں درجہ حاصل نہ ہو- رسم ارسال مکاتیب پر میں نے بارہا غور کیا، کوئی موزوں یا مفید مقصد اب تک سمجھ میں نہ آیا- یہ بھی یقین ہے کہ ہمارے ہاں کی یہ رسم انگریزی مراسم کی نقالی ہے- وہ کرسمس اور نیوایئرز ڈے (نوروز فرنگی) پر خطوط بھیجا کرتے تھے، ہمارے ہاں عیدین کے لیے یہ رسم ٹھہر گئی اور اسے ''مسلمان'' بنانے کے لیے عیدین سے مخصوص اشعار وعبارات کا اضافہ ہوگیا یا سمجھ لیجیے کہ عید کے لیے وہ خطوط موزوں ہی اس صورت میں ہوسکتے تھے کہ متناسب عبارتیں یا اشعار یا آیات و اقوال ان پر درج ہوتے پھر جدتیں ہونے لگیں- چنانچہ میرے پاس چند سال سے بعض ایسے خطوط آرہے ہیں- جو فنون لطیفہ اور جدت کے لحاظ سے یقیناً قابل قدر معلوم ہوتے ہیں-

اچھا ہوا کہ آپ نے اورینٹل کالج میگزین لے لیا- دوسرا نمبر بھی چھپا پڑا ہے مگر اس کتاب کے مرتب یعنی سید وزیر الحسن صاحب عابدی اس پر کچھ حواشی لکھنا چاہتے تھے- بس ان کے انتظار میں پرچہ مکمل نہیں ہوا لیکن اُمید ہے کہ وہ جلد شائع ہو جائے- اگرچہ عابدی صاحب موجودہ حواشی مرتب کرسکیں یا نہ کرسکیں-

آپ نے انسائیکلوپیڈیا یا دائرۃ المعارف الاسلامیہ (۱) سے متعلق جو کچھ لکھا وہ واقعی میرے لیے تعجب خیز تھا اصلی کتاب کی دو حیثیتیں ہیں، اول مضمون کتاب، دوم قیمت کتاب- پہلی حیثیت کا تعلق مولانا محمد شفیع (۲) اور ان کے رفقاء وشرکائے کار سے ہے دوسری کا تعلق اس ادارے سے جو کتاب کی طباعت واشاعت کا ذمہ دار ہے اور زیر غور مسئلے میں یہ ادارہ پنجاب

Marfat.com

یونیورسٹی ہے۔

امر اول کا اندازہ تنہا اس طرح نہیں ہوسکتا کہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کے مختلف مقالے پڑھ لیے جائیں، اگرچہ ان کا پڑھ لینا بھی میرے نزدیک کافی ہے۔ صحیح موازنے کی شکل یہ ہے کہ جو مقالہ دائرۃ المعارف میں سے مطالعے کے لیے منتخب کیا جائے، اسی موضوع پر مثلاً لائیڈن کے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام یا برٹانیکا کے مقالے بھی پیش نظر رکھ لیے جائیں۔ میں اس باب میں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے عربی ترجمے یا فارسی ترجمے یا ترکی ترجمے کا ذکر نہیں کروں گا کیونکہ اس طرح موازنہ بڑی زحمت کا باعث بن جائے گا۔ اس وقت آپ کو اندازہ ہو سکے گا کہ ہمارے دائرہ معارف اور اس نوع کے دوسرے قوامیس میں کیا فرق اور کیا تفاوت ہے اور موازنہ اسی طرح ہوسکتا ہے۔

پھر آپ کو غالباً یہ اندازہ نہ ہوگا کہ یہ دائرہ معارف کن حالات میں کتنی مدت میں اور کس درجہ فرومائیگی وسائل کے ساتھ مرتب ہوا نیز ایسی دوسری کتابوں پر کتنی مدت صرف ہوئی۔ کتنی رقمیں صرف میں آئیں اور رفقائے تحریر کا کیا حال تھا۔ مجھے چونکہ مولانا محمد شفیع کی خدمت میں نیازمندی کا شرف حاصل ہے۔ اس لیے حالات سے کسی قدر آگاہ ہوں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ انہوں نے قلت وسائل ہی کی بناء پر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کو مبنی بنایا تھا اور ابتدا میں اسی کے مقالات کا مختلف اصحاب سے ترجمہ کرایا تھا۔ پھر دوسرے عنوان تجویز ہوئے جنہیں انسائیکلوپیڈیا آف اسلام چھوڑ گیا تھا۔ نیز ترجمہ شدہ مضامین میں حذف واضافہ اور توثیق ومراجعت بہ مصادر کا سلسلہ جاری ہوا۔ آخر میں وہ مطالب بڑھائے گئے جن سے انسائیکلوپیڈیا تہی دامن تھا۔

میں اس کی ترتیب کے مختلف مراحل سے آگاہ ہوں۔ تمام مقالے ہم وزن اور ہم پایہ نہیں اور جس کام میں شرکا کی کثیر جماعت شامل ہو وہاں ایک نوعیت کی چیزوں کی اُمید نہیں رکھی جاسکتی۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ مقالہ نگاروں کو معاوضے کم ملتے تھے اور سب کا اسلوب تحریر دائرہ معارف کے اسلوب کا سانہ تھا۔ دائرہ معارف میں ایجاز وجامعیت درکار ہے اور ایسی تحریر مرتب کرنا سہل نہیں جوان دوخصوصیتوں کی حامل ہو یعنی چند الفاظ میں اتنا مضمون آجائے جس کی تفصیل کے لیے رسالہ درکار ہو۔ بہ ایں ہمہ یہ کام انجام پایا۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کتاب بہ حالت موجودہ ہر نقص سے پاک ہے، لیکن اس میں شبہہ نہیں کہ میرے محدود علم کے مطابق کسی بھی زبان میں اسلامی عنوانوں اور مادوں کے متعلق ایسی معلومات اس قسم کی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتیں اور جیسا کہ عرض کر چکا ہوں یہ سب کچھ مقابلے ہی سے طے کیا جاسکتا ہے۔

Marfat.com

باقی رہا ادارہ طباعت و اشاعت یعنی پنجاب یونیورسٹی تو اس کا معاملہ بالکل دوسرا ہے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب محمد علی بوگرا وزیر اعظم اور فیروز خان نون وزیر پنجاب تھا تو امریکہ نے گندم کا بہت بڑا ذخیرہ بہ طور امداد دیا تھا - مگر یہاں اس کی قیمت بارہ یا تیرہ روپے فی من وصول کی گئی تھی؟ کہا یہ گیا تھا کہ اس طرح بڑی رقم جمع کر کے آئندہ حوادث کی روک تھام کا کام انجام دینا مطلوب ہے - بالکل اسی طریق پر یونیورسٹی چلی - نیز اس کی رائے غالباً یہ ہے کہ کتاب عام قارئین بہت کم خریدیں گے یہ زیادہ تر کالجوں اور سکولوں کی لائبریریوں یا علمی اداروں میں جائے گی اور ان سے روپے وصول کر لینے میں تامل کیوں ہو؟ تنہا اس سے کیا بحث ہے؟ یہاں کون سی کتاب زیادہ سے زیادہ قیمت میں نہیں بکتی - شائقین علم کے لیے کہاں کہاں اضطراب اور پیچ و تاب کا مرحلہ نہیں آتا؟

اصل میں یہ دور ہی ایسا ہے کہ کسی شے میں توازن اور تعلق بہ مقصد نظر آئے گا - ہم چھوٹے تھے تو مواعظ میں سنا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب لوگ نفسی نفسی کہیں گے - رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم اُمتی اُمتی پکاریں گے - اصلاً یہ صحیح ہو یا نہ ہو لیکن یہ ایک حقیقت کا مظہر ہے - یعنی آخری دورۂ حیات میں انفرادیت بڑھ جائے گی اور اجتماعیت بہت کم رہ جائے گی - نفس پرستی زیادہ ہوگی، نوع پروری کا جذبہ گھٹ جائے گا - مختلف اسباب کی بنا پر جن کی تفصیل خط میں پیش کرنا مشکل ہے، ہم ابھی اس دور سے باہر نہیں نکل سکے بچوں کی طرح باہم چھینا جھپٹی میں مشغول ہیں، ثقہ آدمیوں کی طرح جماعتی مفاد و مصالح کے پیش نظر انفرادی ایثار ہم نے نہیں سیکھا - افسوس کہ ابھی اسی رخ بڑھے چلے جا رہے ہیں کہاں پہنچ کر رکیں گے؟ کچھ کہا نہیں جا سکتا - معاف کیجیے کہ قلم برداشتہ صفحات بھر دیے - پھر بھی کہنا پڑتا ہے:

زاہد از ما خوشۂ تاکے بہ چشم کم مبیں
ہیں (۳) نے دانی کہ یک پیمانہ نقصاں کردہ ایم

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۳

۱- میں نے لکھا تھا کہ ''دائرہ معارف اسلامیہ'' کا پہلا کراسہ مشتمل بر ۴۴ صفحات شائع ہوا ہے جس کی قیمت

Marfat.com

پانچ روپے ہے جو اس دور میں بہت زیادہ معلوم ہوتی تھی، کیونکہ اس زمانہ میں ''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا'' مطبوعہ لندن کی جملہ قیمت صرف ۱۳۰۰ روپے تھی۔

۲۔ مولانا محمد شفیع سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور۔ آپ عربی زبان وادب کے ماہر، مصنف اور رئیس ادارہ ''اردو دائرہ معارف اسلامیہ'' تھے۔ آپ ۱۳ اور ۱۴ مارچ ۱۹۶۳ء کی درمیانی شب اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ متعدد علمی اعزازات سے نوازے گئے۔ ۱۹۵۵ء میں آپ کی خدمت میں ایک ''ارمغانِ علمی'' مرتبہ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب پیش کیا گیا جو مشرق و مغرب کے ممتاز علماء وفضلاء کے اکتالیس تحقیقی مقالات پر مشتمل ہے۔

۳۔ یہ غالب کا شعر ہے اور مطبوعہ نسخوں میں ''ہیں'' کے بجائے ''ہی'' ہے مگر مولانا ''ہیں'' کو ترجیح دیتے ہیں۔

(۱۴)

۱۳۔ جولائی ۱۹۶۱ء

GULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

مخدومی: نامہ گرامی کے لیے شکر گزار ہوں۔ میں نے لمحات فرصت کی فرومایگی کے باعث بے تکلف چند سطریں لکھ دی تھیں۔ ایک ضروری ذکر بھول گیا آپ نے ''تاج العروس''(۱) کا ذکر فرمایا تھا۔ میرے نزدیک اس کا صحیح محل ''قاموس'' تھا۔ یعنی ''قاموس'' (فیروز آبادی) پر جو مقالہ لکھا جائے گا، اس میں ''تاج العروس'' کا ذکر آئے گا، کیونکہ یہ مستقل کتاب نہیں، قاموس کی شرح ہے اور شرح کا ذکر متن کے ساتھ ہی آ سکتا ہے، اس سے پیشتر الگ نہیں آ سکتا، یہ میرا خیال ہے، مگر کبھی دائرۃ المعارف کے اربابِ نظم سے پوچھنے کا موقع نہیں آیا۔

قیمت یقیناً زیادہ ہے اس کی مختلف وجوہ ہیں مثلاً ریفرنس کی کتابوں کی قیمت عموماً زیادہ ہوتی ہے۔ خود انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی قیمت بہ لحاظ ضخامت بہت زیادہ ہے۔ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی چوبیس جلدیں ہیں آج کل یہ ایک ہزار میں ملتا ہے۔ دوسرے یونیورسٹی کے اربابِ بست وکشاد کا خیال ہوگا کہ اسے عام خوانندگانِ کرام نہیں خریدیں گے۔ یہ صرف لائبریریوں یا اداروں میں جائے گا اور وہ زیادہ قیمت دے سکتے ہیں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یونیورسٹی اپنا خرچ کیا ہوا روپیہ

Marfat.com

جلد از جلد واپس لینے کی خواہاں ہو، اگرچہ یہ روپیہ اسے بہ طور اعانت (بہ سلسلہ دائرۃ المعارف) ملا۔ لیکن ہمارے ہاں تو ملک فیروز خان نون کی وزارت پنجاب کے دوران میں یہ واقعہ بھی پیش آیا تھا کہ گیہوں کے جو ذخیرے امریکہ نے بہ طور اعانت دیے تھے۔ ان کے لیے غالباً بارہ یا تیرہ روپے فی من وصول کیے گئے تھے اور کہا گیا تھا کہ اس طرح اچھی رقم فراہم ہو جائے گی تو اسے آئندہ کے لیے گندم کے ذخیرے جمع کرنے میں صرف کیا جائے گا۔

بخشش علم کے مراحل میں ایک مرحلہ اچھی کتابوں کی ترتیب کا ہے، دوسرا ان کتابوں کو عوام کی دسترس میں پہنچانے کا۔ ممکن ہے ہمارے ہاں پہلے مرحلے کے لیے کوئی سرگرمی موجود ہو، اگرچہ محدود ہو مگر دوسرے کے لیے تو اب تک کسی بھی نوع کی حرکت نظر نہیں آتی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ بخشش علم کا کام ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے، جو اس کی قدر و قیمت اور قومیت میں اس کی زبردست کارفرمائی کا چنداں احساس نہیں رکھتے۔ ایسا پہلے بھی ہوتا رہا آئندہ بھی ہو سکتا ہے۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

آپ کا

مہر

لائبریری کے سلسلے میں آپ کی خواہش کا علم ہوا۔ میں تسمیہ یعنی نام رکھنے کا فن نہیں جانتا مگر کوئی اچھا نام خیال میں آیا تو ضرور عرض کروں گا۔

حاشیہ خط نمبر ۱۴

۱۔ ادارہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ نے پہلے حرف ''ت'' سے طباعت شروع کی تھی اور اس سلسلے میں ''تاج العروس'' جیسی مشہور لغت پر مقالہ شامل نہ تھا۔ یہ اس کا جواب ہے۔

(۱۵)

۲۵۔ جولائی ۱۹۶۱ء

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

Marfat.com

بھائی: میں پانچ روز سے بیمار ہوں خدا کا شکر ہے بہت کم بیمار ہوتا ہوں اور معمولی تکالیف میں کام نہیں روکتا کیونکہ کام میری زندگی ہے اور زندگی کام کے بغیر میرے نزدیک میرزا غالب کے اس قول زریں کی توثیق کی محتاج:

جا بہ احباب تنگ نتواں کرد
خویش را در جہاں نمے خواہم

بخار نے ایسا دبایا کہ دو تین روز تو ہوش ہی نہ رہا- اب آج صبح سے اس کا درجہ کم ہونے لگا ہے ڈاکٹر کہتا تھا غالباً ایک دو روز اور رہے- آج تا حال کہ شام ہے ۱۰۱ سے نہیں بڑھا لیکن بعض پرانی تکالیف بیدار ہو گئیں- اپنے بیٹے کو جو حیدرآباد میں ایکسائز اینڈ ٹیکسیشن کا ڈائریکٹر (۱) ہے، اس کے اطمینان کے لیے دو سطریں اپنے ہاتھ سے لکھنے کا آرزومند تھا جی میں آیا کہ آپ کو بھی حالات سے آگاہ کر دوں- ممکن ہے تاخیر آپ کے لیے باعث تشویش و وساوس ہو- دارالمطالعہ واقعی پامال نام ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ ریڈنگ روم کا ترجمہ ہے دارالکتب بھی کچھ نہیں خرمن علم سب سے بڑھ کر لغو ہے- عربی میں کتب خانے کے لیے مکتبہ کا لفظ مستعمل ہے اور یہی لفظ کتابوں کی بڑی بڑی فرمیں اور دکانیں بھی استعمال کرتی ہیں- ''مکتبہ علمیہ'' سادہ سا نام ہے- میں مزید سوچوں گا (ابھی خیال آیا کہ کتب خانہ عالم (۲) سے بہتر نام کوئی نہیں ہو سکتا)-

بھائی شیکسپئر کیا خوب کہہ گیا ہے- WHAT IS IN NAME نام میں کیا رکھا ہے؟ ہر شے کی معنویت اور افادیت پر نظر رہنی چاہیے- نام کی تلاش میں نمود کا پہلو ابھرتا ہے، اگرچہ نیت نیک ہو- میرے پاس خاصا بڑا ذخیرہ ہے- دس ہزار کتابوں سے کم نہ ہوں گی اور بیشتر کتابیں منتخب ہیں- مگر کبھی خیال نہیں آیا کہ اس ذخیرے کا کوئی نام ہونا چاہیے- اپنے جذبہ طلب علم کی بناء پر کتابیں جمع کرتا رہا- میرے بچوں میں کسی کو علمی ذوق نہیں- میرا بڑا لڑکا خاصا صاحب ذوق ہے، مگر اسے سرکاری ملازمت سے شغف تھا- اب یہ ذخیرہ وبال جان ہے- وقف کروں تو پہلے اوقاف کا حشر دیکھ چکا ہوں اگر ایسے ہی چھوڑ جاؤں تو مولانا محمد حسین آزاد کے محاورے کے مطابق کتابیں کھجوریں بن جائیں گی جو مٹھی مٹھی بھر لوگوں میں تقسیم ہو جائیں گی-

خیر یہ میں کس قصے میں پڑ گیا آپ کا سوال فارسی اور اُردو کی کتب سیرت طیبہ کے متعلق ہے- جس حد تک میرا اندازہ ہے اُردو میں سیرۃ کی ایک بھی کتاب ایسی نہیں جسے نقائص و عیوب سے پاک سمجھا جائے- سیرۃ النبی مولانا شبلی مرحوم کی دو جلدیں (پہلی اور دوسری) اصل سیرت کے متعلق

Marfat.com

ہیں، باقی جلدوں میں بھی مفید اور نہایت عمدہ دینی مباحث ہیں۔ مگر سیرۃ کا حصہ ناقص ہے جس کے نقائص کی نشاندہی زبانی ہی کرسکتا ہوں۔ تاہم کوئی قابل ذکر کتب خانہ اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔

''رحمۃ للعالمین'' (قاضی سلیمان منصور پوری) کی کتاب نفس سیرت پر بہت عمدہ ہے۔ مگر وہ ضمنی بحثوں خصوصاً بائبل اور انجیل میں اس قدر الجھ گئے ہیں کہ مزا کرکرا ہو جاتا ہے۔ تاہم وہ بھی ضروری ہے اور تینوں حصے۔ ایک کتاب مولانا عبدالرؤف دانا پوری مرحوم نے ''اصح السیر'' (۳) کے نام سے لکھی تھی۔ بڑی اچھی کتاب ہے مگر مباحث پر قدامت کا اثر زیادہ ہے معلوم نہیں علمائے کرام کو نئے حالات کے مقابلے سے بلاوجہ احتراز کیوں تھا۔

فارسی میں پرانی کتابیں ہیں۔ میرے نزدیک ان کا چنداں فائدہ نہ ہوگا۔ نئی کتاب نکلی ہی نہیں۔ دور حاضر کا ایران ادھر متوجہ ہی نہیں بلکہ اس رشتے کو بھلا دینے کے درپے ہے جس کے نشان چودہ سو سال سے اس کے ہر حصے میں نمایاں ہیں۔ علم و عقل اور تنبہ و بیداری کا فائدہ یہ تھا کہ مسلمان اپنی قدر و قیمت پہچانتے مگر مجاہیل نے علم و بیداری کا مطلب یہ سمجھا کہ پرانی باتوں کو دقیانوسی قرار دے کر رد کر دیا جائے۔ کیا آپ یہ سن کر حیران نہ ہوں گے کہ جن اسلامی اصولوں کو یہ لوگ دقیانوسی قرار دے رہے ہیں وہ سولہویں صدی کے دانش فروشان افرنگ تحریک اصلاح کنیسہ میں دستاویز حکیمانہ کے طور پر پیش کرتے رہے؟ میں اس وقت بے بس ہوں ورنہ مثالیں دیتا۔ معافی چاہتا ہوں لکھ نہیں سکتا۔ کبھی ملیں گے تو باتیں کروں گا۔ آپ کو ملنے میں تامل کیوں ہے؟ میں کہیں آتا جاتا نہیں ورنہ خود آپ کے ہاں آ جاتا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۵

۱۔ یہ تھے آپ کے بڑے بیٹے چودھری عبدالسلام اسلم جو ریٹائرمنٹ کے بعد مورخہ ۱۵/۳/۲۰۰۰ کو دنیائے فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے۔

۲۔ خطوط وحدانی والا فقرہ خطوط پر نظر ثانی کے وقت مولانا نے اضافہ کیا۔

۳۔ مولانا سے ذہول ہوا۔ خط میں وہ ''سیرۃ خیر البشر'' لکھ گئے تھے۔ نظر ثانی میں اسے ''اصح السیر'' بنا دیا اور یہی درست ہے۔

Marfat.com

(۱۶)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲-اگست ۱۹۶۱ء

عزیز مکرم!

مجھے بخار سے تو آرام ہے کمزوری ابھی بہت زیادہ ہے مجھے خود لکھنے میں تکلف ہوتا ہے- آپ کی محبت آمیز پرسش کے لیے شکر گزار ہوں- اللہ تعالیٰ جزا دے-

دیکھیے انسان اگر تھوڑا بہت پڑھا لکھا ہے تو یہ تحریر سے مخاطب کے علم اور شوق علم کا اندازہ کر لیتا ہے-

نازم بہ ایں شرف کہ غلام محبتم
لافِ نسب بہ نسبت آدم نمے زنم

مجھ پر بہت سے ایسے دور گزر چکے ہیں جب مبادی علوم سے بھی پوری آشنائی نہ تھی اور اپنے دور کے اکابر کو عریضے بھیجتا تھا اس میں خوشگوار تجربے بھی ہوئے اور ناخوشگوار بھی میرا اپنا مسلک یہ ہے کہ جہاں محبت اور شوق ہے وہاں انسان کو اپنی بساط کے مطابق سعی اعانت جاری رکھنی چاہیے- آپ یقین رکھیں کہ تشریف لائیں گے تو میری کسی بھی چیز میں آپ کو کبھی نہ (۱) ملے گی- میں نے خود ٹھوکریں کھا کر مختلف چیزیں حاصل کیں- وہ اچھی ہوں یا نہ ہوں لیکن انھیں کسی بھائی تک پہنچانے میں کبھی تامل نہیں ہوا- آپ ان وسوسوں کو دل سے نکال دیجیے- مجھے آپ کے درجات علم سے زیادہ واقفیت نہیں- بہ ایں ہمہ آپ کی محبت اور شوق کے رشتے میں بندھا چلا جا رہا ہوں- اور اسی طرح بندھا چلا جاؤں گا ان شاء اللہ- معاف کیجیے میں زیادہ لکھوا بھی نہیں سکتا- امید ہے آپ بخیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

حاشیہ خط نمبر ۱۶

۱- کذا فی الاصل-

Marfat.com

(۱۷)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۰- اگست ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم!

مجھے ابھی ضعف اور کھانسی سے نجات نہیں ملی- میں فی الحال باہر نہیں جا سکتا- مختلف دوست چاہتے ہیں کہ باہر نکلوں- پہاڑ پر یا کراچی چلا جاؤں لیکن ابھی ضعف مانع ہے- میں تندرستی کی حالت میں صبح کے وقت گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ سیر کرتا ہوں، جواب تین بجے سے موقوف ہے پھر ۹ بجے سے ۱ بجے تک تھوڑی مشغولیت جاری رہتی ہے- بعد عصر تشریف آوری میرے نقطۂ نگاہ سے مناسب ہوگی- بلاک وغیرہ کے چکروں میں آج تک نہیں پڑا- آپ مسلم ٹاؤن میں دکانوں کے سامنے پہنچ جائیں گے تو میرا غریب خانہ جس سے پوچھیں گے وہ بتا دے گا-

اُمید ہے آپ بخیر ہوں-

نیازمند

مہر

(۱۸)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: آپ کے پاکیزہ جذبات کے لیے بہ صمیم قلب شکرگزار ہوں جو سراسر آپ کے حسن ظن محبانہ کے آئینہ دار ہیں- دعا کیجیے اللہ تعالی مجھ ہیچ میرز کو آپ کے جذبات میں سے کچھ نہ کچھ حصہ عطا فرمائے- ان کتابوں کے نام یہ ہیں:

Marfat.com

1- THE WORLD PICTORIAL GAZETTEER AND ATLAS

مرتبہ

SIR J A HAMERTON

2- THE HISTORIC NOTE BOOK

BY

COBHAM BREWER

آخرالذکر شخص بڑا فاضل تھا- اس نے متعدد کتابیں لکھیں- ان میں سے اس کی Dictionary of Phrase and Fable انگریزی پڑھنے والوں کے لیے بڑی مفید اور بے حد ضروری ہے- مگر غالباً اب نہیں ملتی- ایک زمانے میں اس کا بڑا شہرہ تھا- انگریزی زبان کے خاص محاوروں اور اساطیری داستانوں کو بڑی خوبی سے تشریحاً بیان کیا ہے، البتہ اس میں اضافہ کی ضرورت ہے- کچھ معلوم نہیں کہ انگلستان میں کسی شخص نے اس کا کوئی تتمہ لکھا یا نہ لکھا-

آخری سوال میں سمجھ نہیں سکا- میری زندگی کا بڑا حصہ پرانے ذخیرہ ہائے کتب دیکھنے میں گزرا- بمبئی، پونا، حیدرآباد دکن، لاہور، کراچی وغیرہ اہم مقامات کا شاید ہی کوئی ذخیرہ ہو، جہاں میں بارہا نہ پہنچا- دو ہزار کے قریب میری ایسی ہی منتخب کتابیں تقسیم میں برباد ہوئیں- ان میں بعض فارسی دواوین بھی تھے اور بعض کتب دینیات بھی- میرا وطن ضلع جالندھر میں شہر سے کوئی پانچ میل کے فاصلے پر نکودر کو جانے والی تانگہ اور موٹر روڈ سے قریب تھا- میں عموماً یہاں سے تین ساڑھے تین گھنٹے میں گھر پہنچ جاتا تھا- وہاں کتابیں اس غرض سے رکھی تھیں کہ کبھی دو چار روز کے لیے جاؤں تو یہاں سے کوئی چیز ساتھ لینے کی ضرورت نہ پڑے- پھر اچانک تقسیم بجلی کی طرح آ گری- میں یہاں تھا- میرا چھوٹا بھائی کسولی کے پاس سناور (کوہستانی شملہ) میں تھا- وہ اور اس کے بچے بہ مشکل جان بچا کر یہاں پہنچے- ۶۵ ہزار روپیہ بنک کا، تیس ہزار کا ذاتی سامان، تیس پچیس ہزار کا کاروباری سامان، تین موٹریں اور ایک ٹرک وہاں برباد ہوئے- گھر کا سامان مع کتب گھر میں برباد ہوا- اب بھی ان کتابوں کی یاد تازہ ہوتی ہے تو بے اختیار جی بھر آتا ہے- لیکن غم و رنج سے برباد شدہ اشیاء ملنے کا کون سا امکان ہے؟ کتابیں فراہم ہونے کا اور کون سا ذریعہ ہو سکتا تھا؟ اب ان سے کوئی دلچسپی نہیں رہی- کیونکہ میری ضروریات محدود رہ گئی ہیں- مطالعے کا وقت ہی نہیں ملتا، روزی پیدا کرنے کا اضطراب ہی سارا وقت کھائے جا رہا ہے- بہرحال شکر ہے اور میرا شیوہ مدت سے یہی ہے کہ جو کچھ پیش آئے، اس پر شکر ادا کیا جائے- کیونکہ قرآن مجید کا

Marfat.com

ارشاد ہے:

عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم و عسیٰ ان تحبوا شیئا و ھو شر لکم (۱)

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

میری طبیعت اس وقت اچھی نہیں، اس لیے کچھ معلوم نہیں میں نے کیا کیا لکھا اور آیا کوئی چیز رہ تو نہیں گئی یا نظر انداز تو نہیں ہوئی؟

حاشیہ خط نمبر ۱۸

۱- سورۂ بقرہ آیت ۲۱۶ ترجمہ: ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو شاق سمجھو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو۔

(۱۹)

GULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

۱- ستمبر ۱۹۰ء

باسمہ سبحانہ

عزیز محترم! یہ معلوم کر کے سخت قلق ہوا کہ میرا خط آپ کو نہیں ملا۔ میں نے لغت کے متعلق تفصیل سے لکھا تھا۔ اب اس کے مطالب بھی ذہن میں نہیں۔ غالباً چار صفحے کا خط تھا۔ خلاصہ قریب قریب اس قسم کا تھا:

۱- میری لغت (۰)-/۲۹ میں سستی ہے، مگر صرف دو جلدیں ہیں اور غالباً الف مکمل ہوا ہے۔ اس سے فائدہ؟

۲- ناقص لغت اچھی بھی ہو تو اس کے مقابلے میں مکمل لغت بہتر ہے، خواہ قدرے ناقص ہو۔

Marfat.com

۳- میرے نزدیک اردو میں اچھی لغت کوئی نہیں، معمولی کتاب لے کر گزارا کر لیجیے۔

۴- بیشتر لغت نگاروں کا اسلوب تحریر لغت کے لیے موزوں نہیں۔

۵- اسلوب تحریر کے اعتبار سے صرف ایک موزوں چیز دیکھی- وہ میرزا غالب کی ''قاطع برہان'' یا ''درفش کاویانی'' تھی، مگر اب دونوں ناپید ہیں اور دونوں فارسی میں ہیں۔

۶- ہمشیر اور ہمشیرہ دونوں ٹھیک ہیں۔

اس آخری چیز پر میں نے کم و بیش تین یا دو فارسی قطعے بھی لکھے تھے، مگر اب ان پر کون وقت صرف کرے؟ وقت کی بات تھی، اس چیز کو آپ تک پہنچنا مقدر نہ تھا- راستے میں رہ گئی- میرے ساتھ تو ایسے حوادث اکثر پیش آتے رہتے ہیں- کہنا نہیں چاہیے- مگر حقیقت یہی ہے کہ ڈاک کی تقسیم کا انتظام خاص توجہ کا محتاج ہے- آپ سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ کا تعلق اس محکمے (۲) سے ہے- امید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط ۱۹

۱- ''امیر اللغات'' کے قدیم ایڈیشن کو بذریعہ عکسی طباعت سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۸۹ء میں شائع کر دیا۔

۲- اس وقت میرے دفتر کا نام Deputy Comptroller PT & T Lahore تھا جو بعد میں Director Accounts Pakistan Post Office Lahore کہلایا۔
اس دفتر کا تعلق ترسیل ڈاک سے مطلق نہیں- ڈاک کا انصرام چیف پوسٹ ماسٹر صاحب لاہور کے ذمے ہے- میرا دفتر پاکستان کے ڈاک خانہ جات کے صرف حسابات اور ان کی پڑتال کا ذمہ دار ہے- مولانا نے غالباً لفظ پوسٹ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ میرا تعلق محکمہ ڈاک سے ہے۔

(۲۰)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

Marfat.com

۱۱-اکتوبر ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

عزیزی، جو چیز گئی، اب اس کے افسوس سے کیا حاصل؟ آپ کے محلے کے عجائبات کا ایک تجربہ چند ماہ پیشتر ہوا تھا- ایک قاصد بیمار ہو گیا اور چھ روز تک مسلم ٹاؤن میں ڈاک نہ پہنچی- حیران ہو کر آدمی بھیجے، معلوم ہوا کہ ڈاک جمع ہے اور لے جانے والا کوئی نہیں- آخر دوم تبہ خود خط نکلوا کر منگائے- چھٹے روز تاخیر سے ڈاک تقسیم ہونے لگی- لاہور جیسے شہر کے ایک حصے میں ایسا واقعہ یقیناً میری ہوشمندی کی زندگی کا پہلا حیرت انگیز واقعہ تھا- خدا کرے آخری ہو- خیر جو ہوا، ہو چکا- اب کرید بے کار و بے سود ہے-

میں نے لکھا کہ ''امیر اللغات'' اچھی بھی ہے تو محض دو جلدوں سے مقصد تو پورا نہیں ہوتا- اس سے بہتر ہے کہ کوئی دوسری کتاب لے لی جائے جو مکمل ہو اور کام دے سکے- ''مدار الافاضل'' ایک پرانی کتاب ہے، جو اب یونیورسٹی چھاپ رہی ہے (۱)- اس کی قدر و قیمت زیادہ تر پرانی ہونے پر مبنی ہے نہ کہ اس کی معنوی حیثیت پر- ''لیل ونہار'' کا تبصرہ میں نے نہیں دیکھا لیکن جو کتابیں پچھلے دنوں یونیورسٹی کی طرف (سے) شائع ہوئیں یا پنجابی اکیڈمی کی طرف سے ان میں بڑی غلطیاں تھیں- اغلب ہے ''مدار الافاضل'' میں بھی غلطیاں ہوں- میں نے نسخہ نہیں دیکھا- ''برہان قاطع'' (۲) اب کہاں ملے گی؟ نیز وہ لغت نہیں بلکہ ''برہان قاطع'' پر ایک تبصرہ ہے- میں نے لکھا تھا کہ لغت کے لیے جو زبان اور اسلوب بیان استعمال ہونا چاہیے، وہ صرف ''قاطع برہان'' میں دیکھا- ''برہان قاطع'' کا ایرانی چھاپا سنا ہے اچھا ہے لیکن مجھے تو اس کے نقص ہونے ہی سے انکار ہے- تفصیل عرض نہیں کر سکتا- بلاشبہ کتابوں کی خرید بڑی دولت چاہتی ہے- مرغوب کتابیں اتنی زیادہ ہو گئی ہیں کہ بڑے بڑے دولت مند بھی سب کی خرید کا حوصلہ نہیں رکھتے- منتخب کتابیں ہی لی جاتی ہیں-

ترقی اردو بورڈ نے لغت (۳) کا جو نمونہ چھاپا ہے، میں نے دیکھا- بہت افسوس ہوا کہ ہزاروں روپے اس چیز کے لیے ضائع کیے گئے- میں انھیں ایک خط لکھنا چاہتا ہوں لیکن اب تک تو اس کی فرصت نہیں مل سکی-

دیوان غالب کے چھپنے میں ابھی وقت لگے گا کیونکہ اس کے بلاک بن رہے ہیں اور یہ کام دیر طلب ہے- امید ہے آپ بخیر ہوں-

Marfat.com

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۲۰

۱- مدار الافاضل (فارسی) کے مصنف کا نام الہ داد سرہندی ہے۔ اس لغت کو جناب ڈاکٹر محمد باقر صاحب (سابقہ پروفیسر امریطس پنجاب یونیورسٹی لاہور) مصنف "Lahore Past And Present" نے مرتب کیا اور پنجاب یونیورسٹی لاہور نے شائع کیا۔

- خط میں سہو قلم سے ''قاطع برہان'' لکھا گیا تھا جس کی مسودہ خطوط پر نظر ثانی کے وقت مولانا نے درستی کر دی۔

- اس لغات کا نام ''لغاتِ اُردو'' ہے اور اسے ''ترقی اُردو بورڈ کراچی'' شائع کر رہا ہے اب تک ۲۱ جلدیں لفظ ''ہزار ہا'' تک چھپ چکی ہیں۔ اس بات کا خاص اہتمام کیا گیا ہے کہ تمام مواد مستند ادب سے اخذ کیا گیا ہے۔ ہر لفظ کے استعمال کی مثال ہر دور کے ادب سے پیش کی گئی ہے۔ متروک اور نادر الاستعمال مفرد و مرکب الفاظ اصطلاحات محاورات وغیرہ بھی شامل کیے گئے ہیں اعراب کا بھی خاص اہتمام کیا گیا ہے۔

(۲۱)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز محترم! میں دس روز سخت مصروف رہا۔ اب بھی مصروف ہوں اطمینان سے لکھنے کے لیے وقت نہیں ملتا [illegible] بھائی جو نمونہ لغت (۱) کا آیا، وہ بڑا ہی افسوسناک ہے یعنی محنت ومشقت، صرف [illegible] اور وقت کے اعتبار سے لیکن کیا کہا جا سکتا ہے؟ جن اصحاب نے حکومت کی سرپرستی میں [illegible] وہ اس کی شایان خدمت نہ دے سکے۔

''تاریخ آزادی'' کا یہی حشر ہوا۔ اب لغت اسی مرحلے میں ہے آپ نے دیکھا ہوگا [illegible] مرحوم'' بابائے اردو'' نے بھی آخری علالت کے دوران میں بورڈ کے خلاف ایک

Marfat.com

طویل مکتوب لکھا تھا اور شائع ہوا ہے ایک صاحب نے نمونہ لغت کے خلاف ایک مضمون غالباً ''چٹان'' میں چھاپ دیا ہے۔ اس میں بھی کئی ضروری چیزیں آ گئی ہیں جو میں لکھنا چاہتا تھا۔ آپ نے ''اصحاب'' (۲) کے سلسلے میں جو کچھ کہا وہ بھی خاص توجہ کا مستحق ہے میری نظر سے یہ چیز نہیں گزری تھی۔ اصل میں مجھے پورے اوراق بہ اطمینان پڑھنے کا موقع نہ ملا۔

میں نے کبھی کوئی ہفتہ وار یا ماہوار یا روزانہ اخبار نہیں خریدا۔ البتہ ایک روزانہ انگریزی اخبار خبروں کے لیے خریدتا ہوں۔ ماہوار رسالوں میں سے صرف ''معارف'' (۳) کا خریدار ہوں وہ بھی زیادہ تر اس لیے کہ میرے پاس ابتدا سے اس کے فائل موجود ہیں شاید چند جلدیں ناقص ہوں گی، جن کے پورا کر لینے کی کوشش کرتا رہا۔ افسوس کہ اب تک پوری نہ ہوئیں۔ یہ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴ء تک کی جلدیں ہیں۔ میں اس زمانے میں احتیاط نہ کر سکا اور جو پرچے ضائع ہوئے۔ ان میں سے بہت کم مل سکے۔

میرے پاس متعدد ہفتہ وار اخبار بھی آتے ہیں۔ مثلاً ''چٹان'' (۴) ''اقدام'' (۵) ''شہاب'' (۶) ''لیل ونہار'' (۷) یہ سب اعزازی آتے ہیں بہ اعتبار افادہ کچھ کہنا مشکل ہے کہ ان میں سے کون سا بہتر ہے بعض اوقات کسی ایک میں کام کی چیزیں نکل آتی ہیں۔ بعض اوقات دوسرے میں۔ اسی طرح ماہوار رسائل بھی میرے پاس آتے ہیں بالاستیعاب کوئی اخبار بھی پڑھنے کا موقع نہیں ملتا۔ روزانہ اخبار میں زیادہ تر بین الاقوامی خبریں دیکھتا ہوں اور کوئی چیز دیکھنے کی ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے رائے دینا مشکل ہے۔ حدیث میں آیا ہے: ''المستشار موتمن'' (۸) جب تک انسان خود پختگی سے رائے قائم نہ کر لے، دوسرے کو رائے دینے کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۲۱

۱۔ نمونہ ''لغات اردو'' ترقی اردو بورڈ کراچی کے سہ ماہی مجلہ اردو نامہ کے جولائی ۱۹۶۱ء کے شمارہ کے ہمراہ (۴۶) صفحات پر مشتمل اہل علم کی رائے معلوم کرنے کے لیے بطور شائع ہوا تھا۔

۲۔ نمونہ لغات اردو میں ''اصحاب'' کے ایک یہ معنی بھی لکھے تھے۔ ''آں حضرت ﷺ کے صحبت یافتہ وہ مسلمان جنہوں نے بحالت ایمان پیغمبر اسلام کو دیکھا۔'' میرا اعتراض یہ تھا کہ اس تعریف میں تو

Marfat.com

مرتدین بھی صحابہ کرامؓ کی صف میں کھڑے ہوگئے کیوں کہ ایمان تو وہ بھی لائے تھے۔ مگر بعد میں ارتداد کا راستہ اختیار کرلیا۔ حالانکہ صحابی کے لیے آپ پر ایمان لانے کے بعد اسلام پر خاتمہ کی بھی شرط ہے۔ جیسا کہ مولانا عبدالحق رحمہ اللہ فرنگی محلی نے ''الحصن الحصین'' مصنفہ محمد جزری شافعی رحمہ اللہ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔

من لقی النبی صلی اللہ علیہ و سلم مومنا و مات علی الاسلام

۳۔ برصغیر پاک و ہند کا مشہور علمی و ادبی مجلہ جو دارالمصنفین اعظم گڑھ سے جولائی ۱۹۱۶ء سے باقاعدہ شائع ہو رہا ہے اس رسالہ کا دور اول جولائی ۱۸۹۸ء تا جون ۱۹۰۰ء کے عرصہ پر محیط ہے اس وقت یہ رسالہ پہلے علی گڑھ اور بعد ازاں پانی پت سے شائع ہوتا رہا۔

۴۔ ''چٹان'' یہ ہفت روزہ رسالہ مالک و مدیر جناب شورش کاشمیری (آغا عبدالکریم متوفی ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۵ء) کی زیر ادارت چھپتا رہا بعد میں ان کے لڑکے مسعود شورش کاشمیری اسے چلاتے رہے اب یہ رسالہ مرحومین کی صف میں شامل ہو چکا ہے۔

۵۔ ''اقدام'' بھی ہفت روزہ تھا جسے معروف کالم نگار جناب م ش (محمد شفیع) نے یکم اکتوبر ۱۹۵۲ء میں جاری کیا میاں صاحب بڑے دبنگ لکھنے والے کالم نگار تسلیم کیے جاتے تھے چنانچہ:

اڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

کے مصداق انہوں نے اپنے لاابالی پن سے صوبہ سرحد کے سیاسی رہنما اور سرخ پوش تحریک کے بانی خان عبدالغفار خان المعروف باچا خان (متوفی ۱۳، اپریل ۱۹۸۶ء مدفون جلال آباد، افغانستان) کا ایام اسیری میں انٹرویو لے کر چھاپ دیا۔ جس پر ڈیڑھ سال مقدمہ چلا، نامور وکیل میاں محمود علی قصوری (متوفی ۱۳، اپریل ۱۹۸۷ء) نے بلا فیس وکالت کی اور م ش صاحب بری ہو گئے۔ روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور کے ہفت روزہ جمعہ میگزین میں ''پدرم دہقان بود'' کے عنوان سے ان کی یادداشتیں چھپتی رہیں وہ یکم دسمبر ۱۹۹۳ء کو راہی ملک بقا ہوئے۔

۶۔ ''شہاب'' یہ ہفت روزہ سیاسی رسالہ مولانا کوثر نیازی نے لاہور سے ۱۹۶۰ء میں جاری کیا۔ یہ رسالہ پیپلز پارٹی کے ابتدائی دور میں پاکستان میں سب سے زیادہ چھپنے والا ہفت روزہ مانا جاتا تھا۔ افسوس کہ اس میں جماعت اسلامی بالخصوص مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی (متوفی ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء) کے متعلق بڑا مضحکہ خیز مواد چھپتا رہا۔ ماشاءاللہ مولانا کے قلم میں بانکپن ہے۔ کئی رسالوں سے ادبی مناقشے رہے۔ مولانا متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ جیسے (۱) اور لائن کٹ گئی (۲) دیدہ ور

Marfat.com

(سوانح ذوالفقار علی بھٹو) (۳) جنھیں میں نے دیکھا (تذکرہ شخصیات) (۴) کوہ قاف کے دیس میں (سفرنامہ روس) (۵) نقشِ رہگذر (سفرنامہ بھارت) (۶) رہنمائے حج۔ ''روزنامہ جنگ'' میں ''مشاہدات و تاثرات'' کے عنوان سے ان کا کالم بڑی دلچسپی سے پڑھا جاتا رہا۔ اسی عنوان سے ان کالموں کا ایک انتخاب جنگ پبلشرز لاہور نے الگ کتابی صورت میں بھی شائع کر دیا ہے۔

۷۔ لیل و نہار: اس ہفت روزہ کا اجرا جنوری ۱۹۵۷ء میں ہوا جس کے ایڈیٹر ممتاز صحافی اور شاعر فیض احمد فیض (متوفی ۲۰ نومبر ۱۹۸۴ء) تھے۔ رسالہ دور اول میں لاہور سے اور دور ثانی میں کراچی سے شائع ہوتا رہا۔ البتہ دور اول کا ہر شمارہ صورت و سیرت اور علمی و ادبی مواد کے اعتبار سے نقاش نقش ثانی بہتر کشد ز اول کا عملی نمونہ پیش کرتا رہا۔ جس میں عوام کی زندگی ان کے مسائل ان کے دکھوں کے مداوا کے علاوہ ہنسی کھیل کی جھلکیاں بھی ہوتی تھیں۔ افسوس کہ اس پرچہ کی جگہ بعد میں کوئی دوسرا پرچہ نہ لے سکا۔ بالکل اسی طرح جس طرح مولانا ابوالکلام آزاد کے ''الہلال'' کی جگہ کم و بیش پون صدی گزرنے پر بھی خالی ہے۔

۸۔ ترجمہ: مشورہ دینے والا امانت دار ہے۔

(۲۲)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

۳۰ راکتوبر ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! یاد نہیں آتا کہ مولانا عبدالحق مرحوم کا مفصل مکتوب کس پرچے میں دیکھا تھا۔ غالباً ''چٹان'' میں شائع ہوا تھا اور ''چٹان'' ہی میں مشفق خواجہ (۱) کا انتقاد لغت کے شائع کردہ نمونے پر چھپا۔ یہ قیاس کی بنا پر کہہ رہا ہوں ٹھیک یاد نہیں اور اتنی ہمت نہیں کہ اب دیکھے ہوئے پرچے تلاش کروں اور تعیناً آپ کو بتاؤں۔

مصیبت یہ ہے کہ ادارے عموماً افراد کے لیے قائم کیے گئے اور افراد کی غیر ذمہ داری کا یہ عالم کہ انھوں نے اپنے فرائض پر غور و فکر کو لطفاً غیر ضروری قرار دے دیا۔ تاہم آپ جانتے ہیں کہ ہر ادارے کے کام کی نگرانی بھی انھیں افراد کا کام ہے جو انھیں قائم کرنے کے ذمہ دار ہیں اگر

Marfat.com

یہ نہ کیا جائے تو ظاہر ہے کہ فرض ادا نہیں ہوتا۔ یہ ایک طویل داستان ہے مگر اس کے کہنے سے حاصل کیا؟ ارباب اختیار کو نہ کام کا صحیح اندازہ ہے اور نہ انھیں غالباً ہر چیز پر نظر رکھنے کے لیے وقت ملتا ہے جن اصحاب کی کارکردگی یا نگرانی پر بھروسا کیا جاتا ہے وہ بھروسے کی اہلیت کا کوئی ثبوت نہیں دیتے۔ اس وجہ سے جو خرابیاں پیدا ہوئیں اور معاملہ تخریب جس درجے تک پہنچا، اس پر گفتگو باعث صدرنج وقلق ہے۔ وہ وقت دور نہیں جب آپ کو نیز دوسرے اصحاب کو احساس ہوگا کہ صورت حال کس درجہ بگڑ چکی ہے۔ یہ سلسلہ آج سے نہیں سالہا سال سے جاری ہے۔

میں ان شاء اللہ فرصت پاؤں گا تو دیکھ کر عرض کروں گا کہ کون کون سے پرچے میرے پاس نہیں۔ میرا خیال ہے کہ زیادہ پرچے صرف ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴ء تک کے ہیں۔ باقی جلدوں میں سے تو شاید دو چار ہی پرچے غائب ہوں گے۔

اکبر صاحب (۲) نے جس کشمکش کا ذکر کیا، وہ ''انقلاب'' ہی سے ہوئی تھی اس کے دو یا تین دور تھے۔ نثر نظم دونوں میں رد وکد کا سلسلہ جاری ہوا۔ وہ زمانہ جوش و ہنگامہ کا تھا اتنی سمجھ نہیں تھی کہ اندازہ کر لیتے، اس سے بہر حال قومی نقصان ہوگا۔ بعض مسائل ایسے تھے جن کا اثر براہ راست قومی تعمیر پر پڑتا تھا۔ اس لیے بھی عزم کر لیا گیا کہ کشمکش میں ہتھیار نہ ڈالنے چاہییں حالانکہ کام کرنے والوں کو صرف کام سے سروکار رکھنا چاہیے۔ اس کشمکش کی داستان ''انقلاب'' کے فائلوں میں پڑھی جا سکتی ہے۔ مگر ضروری ہے کہ جو کچھ پڑھا جائے اس کی تفصیل مجھ سے سنی جائے ورنہ صرف کاغذ دیکھ لینے سے حقیقت حال واضح نہ ہوگی۔

اگر مجھے اپنی مجوزہ کتاب (۳) لکھنے کا موقع مل گیا تو اس میں اصولی باتیں آئیں گی۔ تفصیل کی ضرورت بھی نہیں اور وہ ایک کتاب میں سما بھی نہیں سکتی۔

مجھے اب بالکل یاد نہیں کہ ''آقا باقا'' نام کا کوئی پرچہ نکلا تھا یا نہیں۔ نکلا ہوگا تو غالباً چند ہی پرچے نکلے ہوں گے۔ میرا احساس یہ ہے کہ اس زمانے میں مولانا ظفر علی خاں مرحوم ومغفور نے ایک جدت یہ کی تھی کہ افراد کو 'جناب' یا ''مسٹر'' یا ''مولوی'' کے بجائے ''آقا'' لکھتے تھے۔ مثلاً آقائے میکش، آقائے ظفر علی خاں۔ یہ لقب افغانوں سے لیا تھا اور ایرانیوں کا شیوہ بھی یہی ہے ممکن ہے اس پر ''آقا باقا'' کی پھبتی کہی گئی ہو۔ پرچے کے باب میں مجھے کچھ یاد نہیں۔

شورش صاحب زود رنج ہیں، ان کے اپنے تصورات ہیں اور ان سے کسی کو ذرا سا بھی اختلاف ہو تو بگڑ جاتے ہیں۔ مثلاً وہ پہلے اس بات پر مجھ خفا ہوئے کہ میں ''چٹان'' میں نہیں لکھتا اور

Marfat.com

''امروز'' یا ''لیل ونہار'' میں لکھتا ہوں۔ میری حالت یہ ہے کہ جو کچھ لکھوں، اس کے لیے بہر حال وہی اخبار انتخاب کر سکتا ہوں، جو اسے چھاپ سکے۔ میں نے چند مضمون ایسے لکھے تھے، جن میں اسلام کے اقتصادی تصورات کی طرف اشارے تھے اور ان سے پڑھنے والے کو یہ خیال ہو سکتا تھا کہ میں ''کمیونزم'' سے متاثر ہوں۔ اب میں کیا کہوں، مسلمان اپنی ثروت سے کتنے بے بہرہ ہو چکے ہیں کہ وہ اسے بھی دوسروں سے مستعار لی ہوئی شے سمجھتے ہیں۔ میں نے انھیں لکھا تھا کہ بھائی اگر اسلام کے تصورات دنیا کے سامنے پیش کرنا ہی کمیونزم ہے تو لاریب میں کمیونسٹ ہوں اور کوئی طعنہ مجھے ان بصیرتوں سے محروم نہیں کر سکتا جو اسلام خصوصاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ سے مجھے حاصل ہوئیں مگر مصیبت یہ ہے کہ ہمارے ہاں جب تک کوئی شخص خود سرمایہ دار ہوتا ہے تو کمیونزم کا داعی بن جاتا ہے۔ جب دولت ہاتھ لگتی ہے تو مساوات کی دعوت سے گھبرا کر دور بھاگتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا عقیدہ ذاتی مصالح سے پاک اور میرے تصور کے مطابق صرف حق پر قائم ہے۔

پھر انھوں نے فرمایا کہ تم ''امروز'' اور ''لیل ونہار'' میں اس لیے لکھتے ہو کہ وہ مضمون نگاری کا معاوضہ دیتے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ یہ درست بھی ہو تو موجب طعن نہیں۔ اگر آپ نے اخبار اور دوسرا کاروبار اس لیے شروع کر رکھا ہے کہ کام کے علاوہ معاش بھی پیدا کریں تو آخر میرے لیے ایک جائز ذریعہ معاش کیوں گناہ ہے؟ لیکن یہ معمولی سی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی اور ناراض ہو گئے۔ وقتاً فوقتاً وہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں۔ تاہم ظاہر ہے کہ اس پر نہ ناراض ہونے کی کوئی وجہ ہے اور نہ میں اتنا تنگ حوصلہ ہوں کہ ایسی باتوں کو بنیاد شکایت بناؤں۔ میں نے عمر و بیش تیس سال اخبار نویسی میں گزارے۔ سیکڑوں کے خلاف لکھا اور سیکڑوں کی مخالفانہ تحریریں پڑھیں۔ انسان پبلک میں آتا ہے تو اسے جہاں اپنے لیے اختلاف رائے کا حق منوانے کی ضرورت ہے وہاں دوسروں کے لیے بھی اختلاف رائے کا حق تسلیم کرنا چاہیے۔ میں نے عمر اسی میں گزاری۔ اب ان صاحب کے صحیح یا غلط انتقادات سے میں کیا متاثر ہو سکتا ہوں؟ کیوں یہ فرض کروں کہ میں دنیا میں معصوم ہوں اور کسی کو میرے خلاف کچھ نہ لکھنا چاہیے؟ بے چارے غالب کو بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا تھا۔ اس نے کتنی سچی اور پختہ بات کہہ دی:

غالب برا نہ مان جو واعظ برا کہے
ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے؟

Marfat.com

باقی رہی یہ بات کہ جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صحیح ہے یا غلط ہے یا ناپائدار، اس کے لیے معقولیت میں کوئی درجہ ہے یا نہیں؟ تو اس چکر میں وہ پڑے جسے یقین ہو کہ ایک مرتبہ اس باب میں تصریح ہو جانے کے بعد تمام دروازے ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گے۔ ظاہر ہے کہ ایسا سمجھنا سراسر وہم ہوگا۔ یہی بہت ہے کہ انسان سے جو کچھ بھی تعمیری کام بن آئے اسے پورا کرے۔ باقی سب کچھ زمانے کے حوالے کرنا چاہیے۔ دل میں یہ یقین میخ کی طرح پیوست ہے کہ:

فاما الدبد فیذھب جفآء واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض۔ (سورہ رعد)

''یعنی جھاگ اڑ جائے گا اور جو شے نفع رساں ہے وہ دنیا میں باقی رہے گی۔'' اسی کا دوسرا نام ''بقائے اصلح'' یا ''بقائے انفع'' ہے۔ آپ یقین رکھیں کہ ایسی باتوں سے میرے قلب کی سطح پر اتنا اثر بھی نہیں ہوتا، جتنا ہوا کی لہریں پانی کی سطح پر پیدا کر دیتی ہیں۔ مولانا (۴) نے ۱۹۱۸ء میں عہد کر لیا تھا کہ جو بھی نفسانیت کی بنا پر خلاف لکھے گا، اس کا کوئی جواب نہ دوں گا اور یہ عہد انھوں نے اپنی وفات فروری ۱۹۵۸ء تک پورا کیا۔ وہ تو بہت بڑے آدمی تھے میری کیا حیثیت ہے کہ پریشان ہوتا پھروں؟

دیکھیے۔ میں اٹھنا چاہتا تھا تاکہ اندر جا کر لیٹ جاؤں پھر کھانا کھاؤں۔ مگر قصہ چھڑ گیا تو بات سے بات نکلتی آئی اور میں چھ صفحے سیاہ کر گیا۔ عشاء کی اذان بھی ہو چکی ہے اب مجھے اٹھنا ہی چاہیے، نہ اس لیے کہ مزید لکھنے کو جی نہیں چاہتا صرف اس لیے کہ قاری کو خواہ مخواہ مشقت میں نہ ڈالنا چاہیے اور کسی کے شوق کی آزمائش کوئی اچھا شیوہ نہیں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۲۲

- مشفق خواجہ (م ۲۰۰۵-۲-۲۱) عظیم محقق نقاد لاجواب کالم نگار، شاعر خزینہ علم وادب، ادیب، دانشور، سخی فی العلم، کتاب دوست۔ انجمن ترقی اردو کراچی سے وابستہ رہے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے معتمد علیہ۔ خامہ بگوش کے عنوان سے ادبی کالم لکھتے رہے۔ نادر و نایاب قیمتی کتب خانہ کے مالک۔ سہ ماہی اردو اور قومی زبان کے مدیر رہے ان کی تالیفات میں:

خوش معرکہ زیبا، ابیات، تخلیقی ادب، غالب اور صفیر بلگرامی، جائزہ مخطوطات اردو، اقبال از احمد

Marfat.com

دین اور کلیات یگانہ شامل ہیں۔ادبی کالموں کے چار انتخابات (۱) خامہ بگوش کے قلم سے (۲) سخن در سخن (۳) سخن ہائے ناگفتنی اور (۴) سخن ہائے گسترانہ چھپ چکے ہیں۔ان کی پہلی برسی پر راقم کو ان پر دو کتابیں، مشفق من خواجہ من (تعزیتی تحریروں کا مجموعہ) بک مین لاہور اور مشفق نامے (راقم کے نام مرحوم کے مکاتیب کا مجموعہ) اردو اکیڈمی مغربی پاکستان لاہور چھاپنے کا اعزاز حاصل ہے۔

۲۔ اکبر سے مراد استاد محترم جناب چودھری جلال الدین اکبر مرحوم ہیں۔بدو شعور سے ان کی طبیعت مائل بہ شاعری تھی، چنانچہ بیس سال کی عمر میں ہی ان کی شاعری کا پہلا مجموعہ کلام ''نقش ارژنگ'' انجمن ارباب علم لاہور نے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔اس لحاظ سے وہ بقول پروفیسر جناب میرزا محمد منور ڈائریکٹر اقبال اکادمی پاکستان ''شاعر مطبوع'' تھے۔(محترم جناب ڈاکٹر انور سدید صاحب مطبوع کو اور ہی معنوں میں لیتے ہیں) سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے ان کا مجموعہ غزلیات دیکھ کر انہیں پنجاب کا حسرت موہانی کہہ کر خراج عقیدت پیش کیا۔مرور ایام کے ساتھ ساتھ ان کے کلام میں گہرائی آتی گئی۔عنفوانِ شباب میں انہوں نے ابوالرضا حضرت حاجی حاکم علی شاہ رحمہ اللہ (صاحب بیت الرضا ملتان روڈ لاہور) کے دستِ حق پرست پر بیعت کر لی اور یوں ان کی طبیعت روحانیت کی طرف مائل ہوگئی۔جس کا اثر ان کی شاعری پر بھی نمایاں ہوا۔رفتہ رفتہ انہوں نے تصوف میں اتنا رسوخ بہم پہنچایا کہ پیر طریقت نے اس جوہر قابل کو خلافت سے نوازا۔پھر آپ شاعری کے شغل سے دامن کشاں رہنے لگے۔جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا کہ:

کیا کر دیا نگاہِ حقیقت شناس نے
وہ رنگ دل فریبیِ دنیا نہیں رہا

راقم الحروف کے والد مرحوم الحاج میاں محمد حسین نقشبندی (متوفی ۲۸، دسمبر ۱۹۵۸ء) سے خصوصی مراسم تھے۔والد بزرگوار جب موقع پاتے استاد محترم کی خدمت میں پہنچ جاتے اور پھر دونوں بزرگ ہستیوں میں گھنٹوں راز و نیاز کی باتیں ہوتی رہتیں۔اسی حوالہ سے راقم پر خصوصی شفقت فرماتے۔

ساری عمر معلّمی میں گزری۔ریٹائرمنٹ کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی۔چنانچہ ہر جمعرات کو بعد از عصر اور ہر انگریزی ماہ کے پہلے جمعۃ المبارک کو قبل از دوپہر اپنی قیام گاہ پر روحانی مجالس منعقد کرتے۔یہ روح پرور مجالس پہلے ان کی رہائش گاہ واقع لٹن روڈ عقب خانقاہ دھیان شاہ مزنگ لاہور میں

Marfat.com

منعقد ہوتی رہیں۔ مگر جب آپ نے احمد بلاک نیو مسلم ٹاؤن میں نقل مکانی کر لی تو پھر یہ مجالس بھی اسی رہائش گاہ میں منتقل ہو گئیں اور بحمد اللہ یہ بابرکت سلسلہ ان کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی باقاعدہ جاری ہے۔ مگر اس فرق کے ساتھ کہ اب یہ مجالس ان کے مزار واقع نئی آبادی ''چاہ بسملہ'' بند روڈ لاہور پر منعقد ہوتی ہیں۔

ان کا مجموعہ کلام ''نقوش اکبر'' کے نام سے ان کے صاحبزادہ (میرے ہم جماعت) مجاہد اکبر صاحب کی سعی بلیغ سے ۱۹۸۹ء میں ''مکتبہ کارواں'' لاہور سے نہایت دیدہ زیب انداز میں شائع ہوا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مارچ ۱۹۲۸ء میں ان کے زیرِ ادارت ایک ماہوار ادبی رسالہ ''طور'' شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا۔ جس کا دفتر بعد میں بھنگالی ضلع امرتسر تبدیل کر دیا گیا۔ برصغیر پاک و ہند کے بلند مرتبت ادبا و شعراء اس کے قلمی معاونین میں شامل تھے۔ جیسے سید سلیمان ندوی، مولانا عزیز، جلیل قدوائی، جوش ملیح آبادی، پروفیسر رشید احمد صدیقی اور میرزا یاس یگانہ وغیرہ۔ اس میں جس ادبی مناقشہ کا ذکر ہے، اسی سلسلے میں بقول استادِ محترم لفظ آقا کی مناسبت سے ''آقا باقا'' کے نام سے رسالہ نکالا تھا۔ اس سلسلے میں استفسار کیا گیا تھا اور یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ ''آتش جواں'' تھا۔ ''طور'' کے تفصیلی تعارف کے لیے بشیر ساجد کا مضمون ماہنامہ ''سیارہ'' لاہور کی اشاعت خاص (۳۰) برائے فروری ۱۹۹۱ء ملاحظہ فرمائیں۔ البتہ ''آقا باقا'' کا تا حال کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ قارئین کرام سے تعاون کی درخواست ہے۔

آپ کی وفات ۸ مئی ۱۹۸۸ء کو دو بجے بعد از دوپہر ہوئی اللھم اغفرہ وارحمہ۔ نمازِ جنازہ اگلے روز ان کی رہائش گاہ احمد بلاک نیو مسلم ٹاؤن لاہور میں ادا کی گئی۔ جبکہ دوسری نمازِ جنازہ مزار حضرت شاہ فرید ملتان روڈ لاہور میں ادا کی گئی۔ جس کی امامت کی سعادت اس فقیر راقم الحروف کے حصہ میں آئی۔

ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشآء

بعد از نماز جنازہ آپ کا جسد خاکی نئی آبادی ''چاہ بسملہ'' متصل ڈھولنوال ملتان روڈ لاہور میں وقف کردہ اراضی میں سپرد خاک کیا گیا۔ یہ اراضی انکے ایک معتقد برکت علی صاحب نے پہلے سے ہی وقف کر رکھی تھی۔ جس میں ایک مسجد اور علوم اسلامیہ کی ایک درس گاہ کی تعمیر بھی شامل ہے۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

۳۔ ''مجوزہ کتاب'' سے مراد ''تاریخ صحافت'' ہے۔ جس کا ڈول انہوں نے ڈال رکھا تھا اور اس کے

Marfat.com

لیے بعض اہم ملی اور ملکی مسائل پر مبنی اداریے اور شذرات جو اپنے روزنامہ ''انقلاب'' میں انہوں نے سپردِ قلم فرمائے ان کی نقول پر برخوردار عزیزم محبوب عالم سلمہ کو مامور کیا گیا تھا۔ جس کا حق الخدمت مولانا کے ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ادا کرتے تھے۔ خاصا کام ہو چکا تھا بعض اداریوں کے انہوں نے پس منظر بھی تحریر کر دیئے تھے، مگر یہ کام آپ کی رحلت کے سبب پایہ تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔ تاہم جس انداز میں اور جتنا بھی وہ کام اپنی حینِ حیات کر گئے وہ اس حالت میں بھی اپنی جگہ خاصے کی چیز اور لائق اخذ و استفادہ ہے۔ یہ اطلاع باعثِ اطمینان قلب ہے کہ مہر سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ مسلم ٹاؤن لاہور کے اشاعتی پروگرام میں ''تاریخ صحافت'' کی اشاعت بھی بصورت موجودہ شامل ہے۔

۴۔ مولانا سے مراد مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم ہیں۔

(۲۳)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! قوموں کی زندگی میں مختلف دور آتے ہیں، خوشگوار بھی اور ناخوشگوار بھی۔ لیکن ناخوشگواری کی حالت میں قوم کو ان جذبات و مقاصد سے محروم نہ ہو جانا چاہیے جو زندگی کے لیے اتنے ہی ضروری ہیں، جتنا فرد کے لیے کھانا پینا اور لباس۔ ایسے مواقع پر غالب کے شعر کو مدار عمل نہیں بنایا جا سکتا:

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اس نے شدت کی
ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریباں پر

بعض اوقات یہ تدبیر بھی یقیناً مفید و سودمند ہوتی ہے اور ضروری و ناگزیر بھی بن جاتی ہے لیکن ہر وقت اس سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ تعمیری مقاصد تو بہرحال پورے ہونے چاہییں، خواہ گردوپیش کے حالات کیسے ہی ہوں۔ مگر ہم نے انگریزی دور میں شکایتوں کی عادت پیدا کر لی اور وہ ذہنیت بہ دستور قائم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حالات مطلوب صورت اختیار نہیں کرتے تو ہم

Marfat.com

نے بھی اپنے اوپر تعطل طاری کر لیا نتیجہ کیا ہوگا؟ جو ممکنات اصلاح ہیں وہ ظہور میں بھی آ جائیں تو ہماری حالت قابلِ رحم رہے گی۔

طب اور ڈاکٹری کا مسلمہ اصول ہے کہ جس عضو سے کام نہ لیا جائے وہ رفتہ رفتہ بیکار ہو جائے گا، کیونکہ اعضاء کی قوت و صلاحیت کارکردگی ہی کی بنا پر قائم رہ سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص چلنا پھرنا چھوڑ دے گا تو اس کی ٹانگیں کمزور ہوتے ہوتے صلاحیت مشی سے محروم ہو جائیں گی۔ بالکل یہی کیفیت اخلاقی افعال و اعمال کی ہے۔ فرض کر لیجیے کہ جو کچھ ہمارے گرد و پیش ہو رہا ہے، وہ عین ہماری مرضی کے مطابق نہیں، مگر کیا اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ ہم ان حالات کے باوصف کر سکتے ہیں وہ بھی نہ کریں؟ اگر ہم نے کھانا پینا نہیں چھوڑا لباس پہننا ترک نہیں کیا، موٹریں بھی خریدتے ہیں، مکان بھی بناتے ہیں، کارخانے بھی قائم کرتے ہیں کتابیں بھی لکھتے ہیں تو محض وہ تعمیری اور رفاہی کام کیوں چھوڑیں، جن کے لیے ہم پر کوئی پابندی نہیں؟ وہ کام تو اہل استطاعت کے واجبات میں شامل ہیں اور قوم کا حق ہیں اس حق سے قوم کیوں محروم ہو؟

آپ کو غالباً معلوم نہیں کہ یہاں کے عام حالات کے متعلق سالہا سال سے میرے تاثرات و تصورات کیا ہیں؟ مگر قوم جس نہج پر جا رہی ہے۔ اس کی بنا پر تو مجھے اندیشہ لاحق ہے کہ غالباً قوم کل لیٹ جائے گی اور توقع رکھے گی کہ اس کے منہ میں نوالہ بھی حکومت ہی کا کوئی ادارہ ڈالے۔ کیا غیر مسلموں نے محکومیت کے عالم میں رفاہی کام انجام نہ دیے؟ کیا امریکہ کے دولت مند اپنے ملک کے رفاہی مقاصد کی طرف سے مطمئن ہو کر دنیا کے پس ماندہ خطوں کی امداد کے لیے وقف نہیں؟

مجھے خوب یاد ہے کہ امریکہ کے ارباب خیر نے پچاس ساٹھ سال پیشتر عرب کے بعض ساحلی مقامات (خصوصاً خلیج فارس) میں خیراتی ہسپتال بنا لیے تھے اور چند افراد وہاں کام کرتے تھے۔ ان کے لیے کوئی سوسائٹی نہ تھی، آب و ہوا سخت ناخوشگوار بلکہ ناقابل برداشت تھی۔ اپنے ملک سے وہ سات ہزار میل کے فاصلے پر بیٹھے تھے، بعض جوان ڈاکٹر آب و ہوا کی تاب نہ لا سکے اور لو لگنے سے مر گئے۔ تاہم ہسپتال جاری رہے بلکہ ایک لیڈی ڈاکٹر نے ایک ہسپتال میں چند سال کام کر چکنے کے بعد کوئی سو میل کے فاصلے پر الگ ہسپتال قائم کر لیا اور سالہا سال وہ تنہا وہاں کام کرتی رہی۔ ایک سال اس کے شفا خانے میں باسٹھ ہزار مریضوں نے علاج کرایا۔

ان لوگوں کے سامنے کوئی سیاسی غرض نہ تھی، دولت نہ تھی وہ اپنے ہاں کی دولت سے

Marfat.com

دوائیں خرید کر عربوں میں تقسیم کرتے تھے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ داعیہ داعیۂ خیر نہ تھا؟ کیا عام مسلمانوں میں یہ احساس پیدا ہونا بے جا تھا کہ مسیحیت امور خیریہ میں اسلام سے بہتر ہے یعنی عملاً؟

عرب کے امیر لاکھوں روپے اپنے اوپر خرچ کرتے تھے، مگر عوام کے لیے ان کے پاس چند پیسے بھی نہ تھے۔

اسلام چند کلمات دہرا دینے کا نام نہیں یہ انسانیت کا بہترین درجہ ہے مگر ہم اسلام کی برکات سے محروم ہو کر ادنیٰ درجے کی انسانیت سے بھی بے بہرہ رہ گئے معلوم ہے کہ:

گر نویسم شرح ایں بے حد شود
مثنوی ہفتاد من کاغذ شود

آپ نے جس شعر (۱) کا حوالہ دیا وہ حکیم سنائی کا ہے اور ان کے ایک مشہور قصیدے کا ہے ایسے معاملات میں ''غیاث'' (۲) پر مدار مناسب نہیں۔ اگر آپ اس میں قیروان یا افریقہ کے بعض دوسرے مقامات کو دیکھیں گے۔ تو حیران رہ جائیں گے۔ بلکہ ہمارے لغت نگاروں کو تاریخ و جغرافیہ سے کبھی مس رہا ہی نہیں اور مضحکہ خیز بیانات میں وہ مشغول رہے۔

کچھ مدت ہوئی میری چارپائی پر خواجہ حافظ کا دیوان پڑا تھا۔ صبح کی نماز کے بعد چارپائی پر لیٹا تو دیوان اٹھا لیا۔ پڑھتے پڑھتے یہ شعر آیا:

جرعہ جام بریں تخت رواں بفشانم (۳)
غلغل چنگ دریں گنبد مینا فگنم

اتفاقیہ حاشیے پر نظر گئی تو لکھا تھا۔ مراد از ''تخت رواں'' آسمان است میں نے پنسل سے لکھ دیا کہ ''چرا زمیں نیست؟'' حاشیہ نگار نے شعر کی حقیقت پر غور کیا اور اسے یہ اضطراب رہا کہ زمین تو بطلیموسی نظام کے مطابق گھومتی نہیں، آسمان گھومتا ہے لہٰذا تخت رواں اسی کو قرار دینا چاہیے اور مسلمان بطلیموسی نظام ہی کو اسلامی نظام مانتے رہے۔ پھر مصیبت یہ ہوئی کہ اسے معلوم نہ تھا، شراب کے پیالے سے ایک گھونٹ پھینکنے کا مطلب کیا ہے؟ عرق نوش پیتا ہے تو آخری گھونٹ زمین پر ڈال دیتا ہے۔ یہی حافظ کا مقصد تھا۔ تخت رواں سے مراد یقیناً زمین تھی اور جو لوگ گردشِ زمین کو مانتے ہیں ان کے لیے حافظ کے اس شعر میں کتنی خوبی پیدا ہوگئی۔

بہر حال قَرَن اور قَرْن (بہ رائے مجزوم و رائے مفتوح) دونوں درست ہیں۔ یہ ایک مقام بھی ہے۔ ایک پہاڑ کا نام بھی ہے اور ایک قبیلے کا نام بھی۔ قرنی کی نسبت متعلق بہ قبیلہ بھی ہو

Marfat.com

سکتی ہے اور متعلق بہ مقام بھی۔ سنائی کے پیش نظر بداہتہً مقام ہے۔ تاہم اگر قبیلہ بھی رکھیں تو شعر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ بایزید کو خراسان کے علاقے میں یگانگی حاصل ہوگئی، اویس کو قبیلے میں۔ اس میں مضائقہ کیا ہے؟ آپ نے مقاموں کا تقابل ڈھونڈنا چاہا تو ضروری نہیں کہ شاعر کے پیشِ نظر محض یہ تقابل ہو، مقام اور قبیلے کا تقابل بھی اصل مطلب میں حارج نہیں۔ اصل شعر میں ''سالہا'' نہیں بلکہ ''دورہا'' ہے:

دورہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود

سنائی نے اپنے قصیدے میں متعدد اشعار اس مضمون کے لکھے ہیں۔ ''روزہا''، ''ماہ ہا''، ''سالہا''، ''قرنہا''، ''دورہا'' ایک ایک شعر ان سب کے لیے ہے اور قصیدہ مشہور ہے مثلاً:

ماہ ہا باید کہ تا یک مشت پشم از پشت میش
صوفی را خرقہ گردد یا حمارے را رسن

بھائی، اب دوسرے کاموں کا وقت آگیا اور اجازت چاہتا ہوں۔ زیادہ لکھنا مشکل ہے مکاتیب کو مقالات نہیں بنا سکتا۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
دعا گو
مہر

حواشی خط نمبر ۲۳

۱۔ شعر یہ ہے:

سالہا باید کہ تا یک مرد حق پیدا شود
بایزید اندر خراساں یا اویس اندر قرن

اعتراض لفظ ''قرن'' پر تھا کہ ''غیاث اللغات'' میں اسے قبیلہ لکھا گیا ہے جبکہ خراساں کی نسبت سے قرن سے بھی مراد شہر ہونا چاہیے نہ کہ قبیلہ یا پھر خراساں کو بھی قبیلہ مانا جائے تب جا کر مصرع کا مفہوم واضح ہوتا ہے۔ یہ اس کا جواب ہے۔

۲۔ ''غیاث اللغات'' فارسی کا مشہور عام فہم اور سلیس لغت مصنفہ قاموس علوم شریفہ۔ بحر جواہر فنون نفیسہ۔ تاج اللغوئین جناب مولانا محمد غیاث الدین رامپوری (تصنیف ۱۲۴۲ھ)

۳۔ میرے کتب خانہ میں ''دیوان حافظ مع اصطلاحات صوفیہ'' مطبوعہ مطبع نامی لکھنؤ

Marfat.com

۱۹۰۴ء کا نسخہ ہے۔ اس میں بھی تخت رواں کے نیچے آسمان ہی لکھا ہے اور لفظ بفشانم کے بجائے افشانم چھپا ہوا ہے۔ دیگر نسخوں میں بھی افشانم ہی ہے۔

(۲۴)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! سوء اتفاق سے نہ اس وقت فرصت ہے اور نہ دماغ کہنے میں ہے۔ مصروفیت نے کچومر نکال دیا۔ اس لیے عفو خواہ ہوں۔ زیادہ لکھنا مشکل ہی نہیں محال نظر آتا ہے۔ رات کے آٹھ بجے ہیں دن کے وقت ایک دوست کا کام تھا جس میں اڑھائی گھنٹے صرف ہو گئے۔ پھر اپنی مشقت میں مصروف ہو گیا تو پے در پے چند دوست آتے رہے اور کچھ نہ کر سکا۔ بڑی مشکل سے شام کے وقت کسی قدر کام کیا ہے۔ اب ذہن سوچنے سے اور ہاتھ لکھنے سے ابا کرتا ہے زندگی میں ایسے دور بھی آ جاتے ہیں۔

میں نے چاہا کہ دو تین اچھے شعر یاد آ جائیں اور تحریری بے مائیگی کی تلافی اشعار سے کر دوں۔ وہ بھی یاد نہیں آتے لہذا معذرت قبول فرمایئے:

ابوالفتح محمد درویش بہادر خاں کا نام بہ طور بادشاہ کبھی سنا نہیں اور کچھ اندازہ نہیں کہ یہ کہاں کا بادشاہ تھا۔ ہوگا تو کسی مختصر سے علاقے کا حکمران ہوگا، میں خیال رکھوں گا۔ بہ ظاہر کوئی وجہ نہیں کہ ''شفاء العلیل (۱)'' نام کتاب کا پتا نہ مل سکے۔ مولانا شفیع سے پوچھوں گا۔ وہ ایسی معلومات کا نہایت قابل قدر ذخیرہ ہیں نیز ان کے پاس وسائل دریافت بہت زیادہ ہیں۔ آپ اطمینان رکھیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

Marfat.com

حاشیہ خط نمبر ۲۴

۱۔ ''شفاء العلیل'' طب کی کتاب ہے جس کے مصنف عبداللہ بن یوسف ہیں اور یہ ۹۸٦ ہجری میں تصنیف ہوئی جسے ابوالفتح محمد درویش بہادر کے نام سے معنون کیا گیا۔ تصریح اس لیے ضروری تھی کہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''القول الجمیل'' کا اردو ترجمہ بازار میں ''شفاء العلیل'' کے نام سے دستیاب ہے۔

(۲۵)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! مجھے شفیع صاحب کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع نہیں مل سکا۔ صرف ہفتے کے دن تھوڑی دیر کے لیے شہر جاتا ہوں، متفرق کام زیادہ نکل آئیں تو کسی سے مل نہیں سکتا اور واپس آجاتا ہوں۔ پہلے پورا دن وہیں گزارتا تھا، اب دوپہر کو طبیعت سکون و آرام کی متقاضی رہتی ہے اور نہیں ٹھہرتا۔ ان شاء اللہ جاؤں گا ضرور پتا لوں گا یا کہوں گا وہ کسی ذریعے سے دریافت فرما دیں۔

میں مضامین (۱) لکھنا پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ ماحول دوسری قسم کا ہے اور میرے افکار کا انداز و اسلوب دوسرا ہے۔ پھر جب تک میرا اپنا اخبار تھا، جو کچھ ضروری سمجھتا تھا، لکھتا تھا۔ اب دوسرے اخبار اپنی مصلحتوں کو اشاعت مضامین پر مقدم رکھتے ہیں اور اس میں ان سے کوئی شکوہ نہیں۔ میں اس امر کا عادی نہیں کہ کوئی بحث چھڑے اور اسے اختتام تک نہ پہنچایا جائے دو تین برس ہوئے ''جمہوریت'' کے متعلق بحث چھڑ گئی تھی۔ ایک صاحب نے حالات سے فائدہ اٹھا کر ایسی باتیں لکھ دیں جن سے تعرض کا مطلب یہ تھا کہ لکھنے والا مروجہ قانون کی زد میں آجائے یا کچھ کر نہ سکے۔ ظاہر ہے کہ اخبار کے لیے اس بحث میں حصہ لینا مشکل ہو گیا اور مجھے سکوت اختیار کرنا پڑا۔ اب حتی الامکان ایسی غلطی کے ارتکاب کے لیے تیار نہیں۔ اس میں ''حق'' کو نہیں ''باطل'' کو فروغ ہوتا ہے۔ انسان اگر اچھا کام نہیں کر سکتا تو کم از کم اسے برائی کو تقویت پہنچانے سے تو احتراز کرنا

Marfat.com

چاہیے۔ کوئی دوست مجبور کر دیتا ہے تو چند سطریں لکھتا ہوں اور وہ بھی قلم برداشتہ۔ انہیں ''مضامین'' نہ کہیے ''مضامین'' وہ ہوتے ہیں کہ انسان ایک واضح نصب العین پیشِ نظر رکھ کر مسلسل ومتواتر لکھتا جائے۔

بھائی آپ نے ایک دو نہیں اکٹھے سولہ الفاظ لکھ دیے۔ میرے لیے ان سب کے متعلق تفصیلاً ایک ہی مرتبہ لکھنا مشکل ہے۔ آپ جزواً جزواً پوچھتے جائیے۔

ا۔ ''حریف'' کے اصل معنی ہیں کسی امر میں ہم پیشہ وشریک، فارسی میں عموماً شریک مجلس شرب ونوش کے لیے استعمال ہوا۔ مثلاً:

۱۔ ازیں افیوں کہ ساقی درمی افگند
حریفاں را نہ سر ماند و نہ دستار (حافظ)

۲۔ کو حریفے کہ شب و روز مے صاف کشد
بود آیا کہ کند یاد ز درد آشامے (حافظ)

۳۔ صراحی و حریفے خوشم زدنیا بس
کہ غیر ازیں ہمہ اسباب تفرقہ است و صداع (حافظ)

حافظ کے حوالوں پر پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ فارسی میں یہ عام ہے اور محض اتفاق کی بات ہے کہ حافظ کے شعر یاد آئے۔

چونکہ دو آدمی یا دو فریق لڑتے ہیں تو ان کا بھی ایک امر میں اشتراک ہوتا ہے، اس لیے حریف کا لفظ ''دشمن'' کے لیے بھی استعمال ہونے لگا، مگر فارسی اور اردو میں نہ کہ عربی میں۔ بلکہ اردو میں عموماً رفیق وشریک کے معنی لوگوں کے پیشِ نظر ہی نہیں صرف دشمن کے معنی پیش نظر ہیں۔

۲۔ حلیف اس دوست اور رفیق کو کہتے ہیں جو از روئے معاہدہ دوسرے سے وابستہ ہو۔ (از حلف: معاہدہ)

۳۔ Seminar یہ لفظ اصلاً یونیورسٹی کے ان اعلیٰ طلبہ میں سے منتخب افراد کے لیے استعمال ہوتا تھا، جو خاص مطالعے یا تحقیق وجستجو کے لیے جمع ہو کر کسی معلم کی نگرانی میں کام کرتے تھے۔ غالباً پہلے یہ لفظ جرمن یونیورسٹیوں میں رائج ہوا، پھر امریکہ اور انگلستان کی یونیورسٹیوں میں۔ آج کل یہ ہر اس اجتماع کے لیے مستعمل ہے، جس میں منتخب افراد کسی مخصوص موضوع کے مختلف پہلوؤں پر بحث کریں یا تقریریں فرمائیں یا مقالے پڑھیں۔

Marfat.com

۴۔ کلوکیم (Colloquium) کے لفظی معنی ہیں مقام گفتگو یا مقام بحث ونظر۔ ظاہر ہے کہ اس میں اور سیمینار میں صورتاً چنداں فرق نہیں۔

۵۔ صیہونیت! صیہون یا صَیون (جیسا کہ بائبل میں ہے انگریزی Zion) ایک پہاڑی کا نام ہے۔ جس پر یروشلم آباد ہوا تھا جب حضرت داؤد علیہ السلام نے یروشلم کو فتح کیا یعنی یبوسیوں (یبوسی درست ہے۔ حضرت داؤد نے یروشلم یبوسیوں سے لیا تھا دیکھیے بائبل) (۲) سے تو اسی پہاڑی پر اپنا قلعہ اور محل بنایا۔ اس پہاڑی کے چاروں طرف وادیاں تھیں اور یہ دوسرے پہاڑوں سے الگ تھی بعد ازاں یروشلم کی آبادی بہت بڑھ گئی کیونکہ وہ یہودی حکومت کا مرکز بن گیا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہیکل آبادی سے باہر ایک الگ پہاڑی (موریہ) پر تعمیر کرایا۔ جب ہیکل کو رومیوں نے آخری مرتبہ برباد کر دیا تو وہاں کوڑے کرکٹ کے سوا کچھ نہ تھا۔ بیت المقدس (یروشلم) مسلمانوں کے قبضے میں آیا تو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے بوڑھے عیسائیوں سے پوچھ کر مقام ہیکل دریافت کیا اور وہاں مسجد تعمیر کرائی جسے مسلمان اقصیٰ کہنے لگے کیونکہ قرآن میں ہیکل کے لیے یہی نام آیا ہے۔ آج کل اسی مقام کو حرم قدس کہتے ہیں۔ عیسائیوں کے عقیدے کے مطابق اسی پہاڑی پر حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب ہوئے تھے۔ خیر، صیون یا صیہون سے مراد وہ پہاڑی ہے جس پر یروشلم تعمیر ہوا تھا۔ جب یہودیوں نے فلسطین لوٹ جانے کے منصوبے تیار کیے تو اس تحریک کا نام صیہونیت رکھا۔ کیونکہ صیہونیت کا لفظ خود یروشلم کے معنی میں بھی مستعمل رہا تھا۔ صیہونی یہودی وہ ہے جو یروشلم یا فلسطین میں یہود کی دوبارہ آبادی اور احیاءِ حکومت اسرائیل کا حامی تھا۔

باقی پھر! بھائی۔ میرے پاس وقت کم ہے اور ایسی باتیں لکھنے بیٹھوں تو دوسرے کام رہ جاتے ہیں۔ ضروری باتوں کے لیے تو وقت نکال سکتا ہوں مگر جو چیزیں آپ لغتوں سے دریافت کر سکتے ہیں ان کا لکھنا تکلف کا موجب ہو جاتا ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۲۵

۱۔ روزنامہ امروز (مرحوم) کی اشاعت مورخہ ۲۶ نومبر ۱۹۶۱ء میں مولانا کا مضمون

Marfat.com

''الجزائر میں جہاد آزادی'' چھپا تھا یہ تصریحات اس کے بارے میں ہیں۔

۲۔ بریکٹ والا فقرہ مسودہ پر نظر ثانی کے وقت اضافہ کیا گیا۔

(۲۶)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

۱۲۔ دسمبر ۱۹۶۱ء

باسمہ سبحانہ

عزیزی! نظیری کا ایک عمدہ شعر ہے:

بہ شہرِ ما نہ فروشند جز رضا و محبت
کسے دکاں نہ کشائد کہ ایں متاع نہ دارد

ہمارے ہاں رضا و محبت کے سوا کوئی متاع ہی نہیں کہ کسی کے سامنے پیش کریں، مگر انسان ہیں۔ بعض اوقات مشاغل کی فراوانی اور وقت کی تنگنائی سے طبیعت گھبرا جاتی ہے۔ وقت کو کھینچ کر بڑھایا نہیں جا سکتا اور مشاغل کے سامنے حد بندی کے لیے دیواریں نہیں کھینچی جا سکتیں۔ بسا اوقات دوستوں نے مشورہ دیا کہ علمی کام کرنے والوں کے لیے ضروری ہے ملاقات کی ساعتیں مقرر کر لیں۔ میری طبیعت نے کبھی اس قسم کا تصور بھی گوارا نہ کیا، کوئی دوست اور عزیز ہی نہیں بلکہ ناواقف اور غیر متعارف شخص بھی آ جائے تو میں اپنے زیادہ سے زیادہ اوقات اس کے لیے وقف کر دینے میں متامل نہیں ہوتا کہ آخر مجھ میں کون سا سرخاب کا پر لگا ہوا ہے؟ دوسرا چل کر آئے، تو اسے حق ہے کہ جو چاہے پوچھے۔ البتہ انسان ہونے کی حیثیت میں دل و دماغ کی مساعدت کی ایک منزل ہے، اس سے آگے میں نہیں جا سکتا۔ بعض اوقات گھبرا اٹھتا ہوں اور پریشان ہو جاتا ہوں۔ اسے ایک بے چارگی سمجھ کر بہ نظر عفو ملاحظہ فرمانا چاہیے۔ پوچھنے سے نہیں گھبراتا۔ لکھنے کے لیے وقت نہیں ملتا اور ہاتھ تھک جاتے ہیں۔

آپ نے سورہ طٰہٰ سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جو دعا نقل کی یعنی:

رب اشرح لی صدری و یسرلی امری واحلل عقدۃ من لسانی یفقھوا قولی (۱)

یہ بڑا بابرکت کلام ہے اس کا ورد موجب انشراح صدر اور باعث یسر امر ہے۔ سید احمد

Marfat.com

بریلوی شہیدؒ خواستگاران ازدیادِ حافظہ کے لیے ربِ زدنی علما(۲) کا ورد صبح و شام یعنی بعد نماز صبح اور بعد نماز مغرب تجویز فرماتے تھے۔ یہ کلمہ دونوں نمازوں کے بعد سات سات مرتبہ بہ خلوص قلب دہرایا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص باران رحمت ہوتا ہے۔ تجربہ اس کا مصدق ہے۔

ثقافت کی تشریح مشکل ہے۔ کبھی ملاقات ہوگی تو اس پر گفتگو کریں گے۔ اس پر تحریری بحث کے لیے دفتر چاہیے۔ باقی رہا رقص و سرود کا معاملہ تو بھائی آپ کے گرد و پیش اور کون سی شے سکہ بند ہے کہ اس کے باب میں مشوش ہوں؟ زنجیریں کھل چکی ہیں، اذہان و افکار آزاد ہیں، علم سے سروکار نہیں، جو شے مرغوب معلوم ہوتی ہے، اسے بہ تکلف شروع کر دیا جاتا ہے اور سننے والے اسلامی خدمت تسلیم کر لیتے ہیں، خصوصاً وہ چیزیں جو اربابِ اقتدار میں سے کسی کے وسیلے سے جاری ہوں اور وہ آسانی سے اس کے لیے رقوم فراہم کر سکے۔ ہر اس قوم کو جس کا جہاز لنگر اٹھا کر چل پڑے اور جب تک کسی محکم بندرگاہ یا مرسیٰ پر نہ پہنچ جائے ایسے ہی حالات سے سابقہ پڑتا ہے۔ ہماری پریشاں خیالیوں کا دائرہ اس لیے وسیع ہوا کہ اول کوئی مستقل تصور اب تک ذہنوں میں پیدا نہیں ہوا کہ ہم کیا چاہتے ہیں دوسرے احوال و ظروف کی درستی کے لیے اب تک جتنی کوششیں ہوئیں وہ بظاہر مثمر نظر نہیں آتیں۔ دعا کا وقت ہے اور ایسے اوقات بھی آجاتے ہیں جب دعا کے سوا کوئی چارہ نہیں رہتا۔ اب سنیے:

۱۔ آپ نے غالباً ۱۲ منہ پوچھا تھا جس حد تک میرا ذہن مساعدت کرتا ہے۔ ۱۲۔ یب کا قائم مقام (ی + ب) دونوں کے عدد ۱۲ ہوتے ہیں۔ یب ''یہ بھی'' کا مخفف ہے۔ منہ کے معنی ہیں اسی سے یعنی مصنف کی طرف سے۔ مطلب یہ کہ یہ بھی مصنف ہی کی طرف سے ہے۔ یہ اس جگہ لکھا جاتا تھا، جہاں مصنف اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرنا چاہتا تھا۔

۲۔ موتمر سے مراد ہے وہ مجلس جس میں باہم مشورہ کیا جائے۔ عربی میں یہ بہ معنی کانفرنس یا بہ معنی کانگریس مستعمل ہے۔ مثلاً موتمر اسلامی، موتمر خلافت۔

۳۔ لطائف الحیل، لفظی معنی ہیں حیلوں اور تدبیروں کی خوبیاں اور اچھائیاں۔ یہ ترکیب ایسے موقع پر استعمال کی جاتی ہے جب کوئی شخص اچھی اور عمدہ تدبیروں یا عمدہ حیلوں کے ذریعے سے کوئی مطلب پورا کرنا چاہے۔ فلاں نے بہ لطائف الحیل یہ کام پورا کر لیا۔ یعنی حیلے تو ضرور اختیار کیے مگر وہ اچھے اور عمدہ طریق پر اختیار کیے گئے۔

۴۔ رپورتاژ۔ اس کا مطلب تو رپورٹ ہی ہے مگر ہمارے ہاں خصوصاً اخبار نویسی میں اس

Marfat.com

سے مراد ایسی تحریر ہے جو صرف رپورٹ نہ ہو یعنی محض واقعات کی روداد نہ ہو بلکہ اس میں لکھنے والا اپنے تاثرات اور گردوپیش کے احوال بھی رپورٹ میں شامل کرتا جائے۔ یہ میرا خیال ہے- خدا جانے ارباب کار اس سے کیا مراد لیتے ہیں۔

۵۔ نفح الطیب (۳) علامہ مقری۔ اندلس کے متعلق مشہور تاریخ ہے۔ اس کا ایک نہایت عمدہ انگریزی ترجمہ پبلک لائبریری میں ہے۔ مترجم کوئی ہسپانوی تھا۔ اس نے کمال یہ کیا کہ اصل کتاب کے ترجمے کے علاوہ ہر واقعے کے متعلق اندلس کی دوسری عربی تاریخوں کے اقتباسات حواشی میں جمع کر دیئے۔ گویا ایک کتاب کو متعدد کتابوں کا نچوڑ اور عصارہ بنا دیا۔

اب عشاء کی اذان ہو رہی ہے اور فطرت متقاضی ہے کہ میں اندر جا کر لیٹ جاؤں کچھ کھاؤں اور سو رہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۲۶

۱۔ سورہ طٰہٰ آیات نمبر ۲۵ تا ۲۸ ترجمہ: ''اے میرے رب میرا حوصلہ فراخ کر دیجیے۔ اور میرا کام آسان کر دیجیے اور میری زبان پر سے بستگی (لکنت) ہٹا دیجیے تاکہ لوگ میری بات کو سمجھیں۔''

۲۔ یہ بھی سورۃ طٰہٰ کی آیت نمبر ۱۱۴ کا ٹکڑا ہے۔ ترجمہ: ''اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجیے:

۳۔ نفح الطیب کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے- از مولوی محمد خلیل الرحمن سرادھوی- مطبوعہ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ علیگڑھ ۱۹۲۴ء- اردو کے دیباچہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی مترجم کا نام Pascual de Gayangos تھا اور ترجمے کا نام The History of the Mohammadan Dynesties in Spain ہے۔

(۲۷)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم!

دیکھیے میں کسی بھی معاملے میں اجازت (۱) کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اگر کسی مقدس و متبرک کلام کا اعادہ موجب ازدیادِ برکات ہے تو بہر حال خواہ کوئی مجاز ہو یا نہ ہو البتہ صوفیہ نے قیام سلاسل کے بعد اس قسم کے تقیدات پیدا کر لیے جس طرح اہل علم میں بھی پیدا ہوئے۔ مثلاً اب تک سمجھا جاتا ہے کہ رسماً کسی استاد سے پڑھنا ذاتی مطالعے کے مقابلے میں زیادہ مفید ہوتا ہے اور حدیث کی سند کے لیے شائقین ایک ایک واسطے تک پہنچتے رہے۔ اس کی کوئی نظیر کسی علم میں کوئی قوم پیش ہی نہیں کر سکتی۔

آیت فاسئلوا اهل الذکر ...... الخ میرے محدود علم کے مطابق قرآن مجید میں دو جگہ آئی ہے اول سورہ نمل آیہ ۴۳، دوم سورہ انبیاء آیہ ۷۔ دونوں جگہ الفاظ تک یکساں ہیں اور صریح مراد اہل ذکر سے یہود و نصاریٰ ہیں یعنی اہل کتاب۔ البتہ علماء نے اس کی عمومی حیثیت پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ غیر اہل علم کو اہل علم سے پوچھ لینا چاہیے۔ آیت خاص ہو یا عام لیکن اخذ کردہ مسئلے سے اختلاف کی کوئی وجہ نہیں۔ لازماً بے علم جاننے والے ہی سے پوچھے گا۔ لیکن اس کا یہ مطلب کیوں کر ہو گیا کہ ذکر اذکار کے لیے بھی ضرور کسی سے اجازت لینا ضروری ہے۔ قرآن مجید سے بڑھ کر تو اس دنیا میں کوئی شے نہیں جو ''ذکر'' کی مستحق ہو بلکہ اس کا نام ہی ''ذکر'' ہے کیا اس کی تلاوت کے لیے کسی سے اجازت کو کسی نے ضروری قرار دیا ہے؟ پھر علم میں بھی مدارج ہیں۔ آپ کو ایسے اصحاب بے شمار مل جائیں گے جو ایک ایک معاملے کے متعلق آیات و احادیث بے تکلف سناتے جائیں گے۔ مگر ان سے آپ عرب کا جغرافیہ یا تاریخ پوچھیں گے تو خاموش ہو جائیں گے۔ ایسے آدمی بے شمار ملیں گے جنھوں نے تاریخ، جغرافیہ، فلسفہ وغیرہ خوب رٹ لیا ہے۔ مگر نہ قرآن کبھی پڑھا، نہ حدیث دیکھی نہ حقائق دین پر غور کیا۔ ظاہر ہے کہ یہاں اہل ذکر کا تعین سائل کے سوال کی حیثیت کے مطابق ہوگا۔ اگر سوال تاریخ و جغرافیہ سے متعلق ہے تو عالم حدیث و تفسیر محض بے کار ہوگا۔ اگر سوال تفسیر و حدیث کے متعلق ہے تو تاریخ دان اور جغرافیہ دان کو اس سلسلے میں ''اہلِ ذکر'' ماننا درست نہ ہوگا۔

اس میں تفصیلات بہت ہیں جو ملاقات پر موقوف رکھتا ہوں۔

آپ نے ری کنسٹرکشن (۲) کے ترجے پر جو اعتراض کیا ہے، میرے نزدیک تو وہ نظر

Marfat.com

ثانی کا محتاج ہے۔ جس شے کو بھی آپ لے لیں، وہ کسی نہ کسی شکل میں ضرور موجود ہوگی۔ اب اس کی از سرِ نو تعمیر کی جا سکتی ہے، قوم بھی بہر حال موجود تھی، اگرچہ اس کا طریق تعمیر دوسرا تھا جسے تعمیر نہیں کہا جا سکتا اس کے احیاء کو اگر تعمیر نو سے تعبیر کر لیا جائے تو یہ غلط نہیں۔ ''ری کنسٹرکشن'' کا ترجمہ اس کے سوا کوئی ذہن میں نہیں آتا۔ اس میں سرسری تبدیلیاں بھی شامل ہیں اور وسیع تغیرات پر بھی یہی لفظ عائد ہوگا۔ آپ عمارت کا محض روکار بدلیں یا پوری عمارت از سرِ نو بنالیں۔ دونوں کے لیے تعمیر نو بالکل صحیح ہے۔

میں مولانا کے پاس بالاہتمام گیا۔ ایک گھنٹہ تلاش جاری رکھی، ''شفاء العلیل'' کے متعلق کچھ نہ مل سکا۔ سب کتابیں اس بارے میں خاموش ہیں۔ ابوالفتح محمد درویش خاں بہادر کے متعلق بھی کوئی چیز معلوم نہ ہو سکی۔ تلاش جاری ہے۔ دیکھیں کچھ معلوم ہوتا ہے یا نہیں۔ ''میخانہ'' (۳) مولانا نے نہیں چھاپا تھا یونیورسٹی نے چھاپا تھا۔ اب بہت کمیاب ہے۔ کوئی سیکنڈ ہینڈ نسخہ مل جائے تو مل جائے۔

والسلام علیکم! میں نے عجلت میں خط پہنچتے ہی سطریں لکھ دیں ہفتے کا دن میں زیادہ تر باہر رہتا ہوں۔ خیال ہوا کل لکھنا مشکل ہوگا۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۲۷

۱۔ گزشتہ مکتوب میں مولانا نے ازدیادِ حافظہ کے بارے میں رب زدنی علما کا وظیفہ لکھا تھا۔ اس سلسلے میں معلوم کیا تھا کہ اس کے لیے کسی صاحب عمل کی اجازت ضروری ہے کہ نہیں۔ اس ضمن میں فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کا حوالہ دیا تھا۔ یہ اس کے جواب میں ہے۔

۲۔ یہ اعتراض B.N.R. (بیورو آف نیشنل ری کنسٹرکشن) کے اردو ترجمہ (ادارہ تعمیر نو) پر کیا گیا تھا۔

۳۔ میخانہ میں شعرائے متقدمین و متاخرین کے ۱۰۲۸ ہجری تک کے ساقی نامے جمع کیے گئے ہیں اور یہ محمد عبدالغنی فخر الزمانی قزوینی کی تالیف ہے جسے مولانا محمد شفیع نے ایڈٹ کیا اور میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلیشرز انارکلی لاہور نے ۱۹۲۶ء میں شائع کیا۔ بحمداللہ مجھے یہ نسخہ ۴ دسمبر ۱۹۷۴ء کو دستیاب ہو گیا۔ معلوم ہوا ہے کہ میخانہ ایران سے بھی عرصہ ہوا طبع ہو چکا ہے۔

Marfat.com

(۲۸)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۲رجنوری ۱۹۶۲ء

ساڑھے آٹھ بجے شب

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! میں اس وقت مجبور ہوں نہ کتاب دیکھنے کی فرصت اور نہ لکھنے کے لیے وقت۔ (۱)

آپ لطفاً ''بادشاہنامہ'' عبدالحمید لاہوری اور ملا صالح کمبوہ کی تاریخ ''عمل صالح'' دیکھ لیں۔ اس میں بیشتر حالات مل جائیں گے، اس کی سزائے موت کا واقعہ جدوناتھ سرکار دہلی ''اورنگ زیب'' میں مل جائے گا۔ اگر ذکاء اللہ مرحوم کی تاریخ ''اسلامیان ہند'' (۲) کی وہ جلدیں دیکھ لیں گے جو شاہ جہاں اور عالمگیر سے متعلق ہیں تو سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔ اس سے زیادہ حالات ملتے نہیں۔

شہزادہ مراد بخش سب سے چھوٹا بیٹا تھا۔ اور بڑا لاڈلا تھا۔ بلخ کی مہم پر بھیجا گیا گھبرا کر بلا اجازت چلا آیا۔ پھر اسے گجرات کا گورنر بنا دیا گیا۔ یہیں اس نے شاہ جہاں کی بیماری کا حال سن کر بادشاہی کا اعلان کر دیا کیونکہ اس کے تصور کے مطابق شاہ جہاں مر چکا تھا۔ پھر عالمگیر کے ساتھ مل کر دھرمات اور سموگڑھ کی لڑائیوں میں بہادری کے جوہر دکھائے۔ اس کی بہادری میں کلام نہیں۔ اس کے نیز شجاع، دارا اور اورنگ زیب کے کردار کے متعلق رقعات عالمگیری میں دو تین فقرے ہیں۔ مگر بڑے ہی جامع ہیں۔ وہ دیکھ لیں۔ بہشتی شیرازی نے جنگ برادراں کے حالات مراد کی سرپرستی میں ''آشوب ہند'' کے نام سے لکھے تھے بڑی عجیب مثنوی تھی اب بالکل کمیاب ہے۔

امید ہے آپ بخیر ہوں۔ میں دس کاموں میں گھرا ہوا ہوں سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

Marfat.com

مہر

حواشی خط نمبر ۲۸

- یہ عریضہ ایک عزیز کی فرمائش پر معرض تحریر میں آیا جس نے شہزادہ مراد بخش کے حالات پر مآخذ دریافت کیے تھے۔
- اس کتاب کا نام "تاریخ ہندوستان" ہے۔ جو تیرہ جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں مولانا ذکاءاللہ مرحوم نے بہت سی فارسی کتابوں کے مکمل اردو تراجم شامل کر دیے ہیں۔ یہ کتاب مطبع انسٹیٹیوٹ علی گڑھ سے طبع ہوئی جو ۷۶۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۲۹)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۱۲ر جنوری ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیزی! وقت کم، کام زیادہ فرصت ناپید، اطمینان مفقود۔ کیا کہوں؟ کیا لکھوں؟ آپ کی محبت کا شکریہ۔ (۱) غلطیاں یقیناً ہوں گی۔ میں ابھی اسے پڑھ بھی نہیں سکا۔ دراصل کتاب کی چھپائی میں جو مراحل پیش آتے ہیں، ان کا اندازہ آپ کو نہیں۔ اول کاتب کا لکھنا پھر درستی۔ کاتب اگر بیچ میں سے کوئی غلطی چھوڑ جائے تو اس کا پتا نہیں چلتا۔ پروف دیکھے جاتے ہیں، مگر بعض اوقات منسا زتساہل کرتے ہیں اور تمام غلطیاں نہیں بناتے۔ خاص اس سلسلے میں قرآن مجید کی آیات کا پڑھنا حافظ سے متعلق تھا۔ افسوس کہ خود دیکھنے کا اہتمام نہ کر سکا۔ ایک آدمی کیا کیا کرے؟ اپنی بساط ہمت معلوم۔ رفاقت سے یک قلم تہی دامن ہوں۔ آدمی موجود ہیں مگر اہتمام کی وہ روح کیوں کر پیدا کی جا سکے، جو قدرت کی موہبت و بخشش ہے تلقین و تاکید اس باب میں بالکل بے سود بنتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب چھپ جاتی ہے تو مہینوں اسے نہیں دیکھتا۔ کیونکہ طبیعت کو کوفت ہوتی ہے۔ غلطیوں پر نظر پڑتی ہے تو دل پر تیر لگتے ہیں۔ مگر کیا کیا جائے؟ رفیقوں سے شکوہ بے سود اور شکوہ اپنے دل کا بخار نکالنے کا ذریعہ تو بن سکتا ہے اس سے غلطیاں تو درست نہیں ہو سکتیں۔ جو مسئلہ آپ نے پوچھا ہے اس کی تفصیل مذاکرے پر موقوف ہے لکھ نہیں سکتا کیونکہ ہاتھ مساعدت نہیں

Marfat.com

کرتے تھکا ہوا ہوں۔ کھانا کھا کر لیٹ جانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ پھر شام تک خاصا لمبا کام درپیش ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حاشیہ خط نمبر ۲۹

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے قرآن مجید کی تفسیر پارہ نمبر ۱۸ کی سورہ نور تک مکمل کی تھی۔ جو ''ترجمان القرآن'' کے نام سے دو جلدوں میں چھپ گئی۔ بقیہ تفسیر مکمل نہ ہو سکی یا چھپ نہ سکی۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے مولانا آزاد کے رسائل ''الہلال، البلاغ'' وغیرہ سے ان آیات وسور کو مع ترجمہ وتفسیر الگ کر لیا جو مولانا آزاد نے اپنے مضامین میں ضمناً استعمال کی تھیں۔ اور ان کو ''باقیات ترجمان القرآن'' کے نام سے مرتب کر دیا۔ یہ مجموعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے ۱۹۶۱ء میں شائع کر دیا۔ میں جو نسخہ خرید کر لایا اور مطالعہ کیا اس میں خاصی کتابت کی غلطیاں پائیں۔ یہ مکتوب انہی غلطیوں کی نشان دہی کے جواب میں لکھا گیا۔

اس ضمن میں یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ اسلامی اکادمی اردو بازار لاہور نے ۱۹۸۲ء میں انہی باقیات کو ''ترجمان القرآن جلد سوم'' کے نام سے مولانا آزاد کے نام سے شائع کر دیا۔ البتہ اس میں اہتمام یہ کیا گیا ہے۔ کہ تسلسل قائم رکھنے کے لیے بقیہ آیات کا ترجمہ و تفسیر از شیخ الحدیث والتفسیر مولانا محمد عبدہٗ شامل کر لیا گیا ہے۔

(۳۰)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

۲۲ جنوری ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اس عاجز کا عذر مصروفیت پسندیدہ معلوم نہ ہوا۔

کردہ ام توبہ واز کردہ پشیماں شدہ ام

Marfat.com

بھائی! کیا یہ ضروری ہے کہ مصروفیت کی تصریح کی جائے اور جب تک تصریح نہ ہو، اس عذر کو ''عذر بارد'' تصور فرمایا جائے، میری مصروفیت تو کسی تصریح کی محتاج ہی نہیں، مجھے بیشتر اوقات ایسے کام انجام دینے پڑتے ہیں جو کسب معاش کے سلسلے میں بہ ظاہر ایک وسیلہ و ذریعہ ہیں۔ دل ان کاموں میں ہو یا نہ ہو مگر انجام دیے بغیر انسان کھائے کہاں سے؟ پھر میرے جیسا آدمی جس پر بفضل اللہ ایک وسیع کنبے کا بار کفالت ہے اور وسائل محدود بلکہ فرومایہ و ناکافی۔ پھر جب کسی قدر اطمینان ہو جاتا ہے تو اپنے ذوق کے کاموں کے لیے یا تو تیاری کرتا رہتا ہوں یا انھیں بقدر استطاعت پورا کرتا ہوں۔ بارہ تیرہ سال میں جو کچھ لکھا اسی طرح لکھا۔ آخر یہ سب کچھ مصروفیت کے بغیر کیوں کر پورا ہو سکتا ہے؟ میرے پاس لکھوانے کے لیے اکثر آدمی رہے، آج کل دو ہیں، کیونکہ بعض ضروری چیزیں نقل کرانی تھیں۔ انہیں نقل کے لیے چیزیں دینا ضروری ہے اور جب تک تھوڑا سا وقت مطالعے کے لیے نہ ملے انہیں نقل کے لیے کیا دوں؟ پھر احباب کی ملاقاتیں اور احباب دور دور سے آجاتے ہیں، بہر حال وقت نکالنا ہی پڑتا ہے۔ وقتاً فوقتاً مضامین کے لیے فرمائشیں آتی ہیں۔ میں نے سیاسیات کو فی الجملہ تحریرات سے خارج کر رکھا ہے بلکہ سیاسیات پڑھتا بھی نہیں اور سب کے مضامین نہ لکھتا ہوں نہ لکھ سکتا ہوں تاہم بعض دوست ایسے ہوتے ہیں کہ لکھے بغیر چارہ نہیں رہتا۔ یہ چیزیں میری مصروفیات کا ایک اور پہلو ہیں۔ سب سے آخر میں خط۔ بلاشبہ میں حقیر سا گوشہ نشیں ہوں اور حقیقۃً قلیل الاحباب تاہم عمر بھر سیاسی دائرے میں کام کرتے رہنے کے باعث ایک حد تک ''بدنام'' ہوں، اس لیے اکثر خطوط آتے رہتے ہیں اور بیشتر استفسارات ان کے لیے بھی وقت نکالنا ہی پڑتا ہے۔ آپ سوچیں کہ جس شخص کو صبح سے شام تک لکھنے کے سوا کوئی کام نہ ہو، اس کے لیے لمبی اور پر پیچ تحریرات کے لیے خاصا یا بقدر ضرورت وقت نکالنا کتنا مشکل ہے۔

پھر بعض سوالات ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب چند لفظوں یا فقروں میں ممکن نہیں ہوتا۔ صفحات بھی سیاہ کر دیے جائیں تو مختلف پہلو رہ جاتے ہیں اور معلوم نہیں مخاطب اس تحریر سے مطمئن بھی ہو یا نہ ہو یہ بھی ممکن ہے کہ جو پہلو رہ گئے ہوں انھیں میں اس کا دل اٹکا ہو۔ ایسے حالات میں یہی عرض کرنا پڑتا ہے کہ بھائی باتیں کریں گے تاکہ توضیح بقدر خواہش اطمینان بخش ثابت ہو، ورنہ محض لکھنے سے کیا فائدہ؟ بالکل ایسی ہی چیز وہ تھی جس کا تعلق شہزادہ مراد بخش سے تھا اس کے پورے حالات سامنے نہ تھے، یکجا کہیں نہیں ملتے۔ سب کی فراہمی مختلف کتب و اسفار سے رجوع کی

Marfat.com

محتاج تھی چنانچہ عرض کیا کہ وقت نہیں آپ فلاں فلاں چیزیں دیکھ لیں۔ اب اگر میں یہ حالات مرتب کرنے بیٹھتا تو ظاہر ہے کہ دو چار گھنٹے ضرور لگ جاتے اور میرے دوسرے کاموں میں یقیناً رکاوٹ پیدا ہوتی۔ میں نے بے تکلف عرض کیا کہ آپ فلاں کتابیں پیش نظر رکھ لیں۔

جو مسئلہ آپ نے پچھلے خط میں پوچھا تھا کیا آپ سمجھتے ہیں اس کا جواب چند لفظوں میں دیا جا سکتا تھا؟ ضروری تھا کہ پہلے آپ کی خدمت میں اصل حقیقت پیش کرتا پھر آراء کا معاملہ سمجھاتا۔ ان کے حدود بتاتا پھر یہ عرض کرتا کہ آپ کے استفسار کا بنیادی نکتہ کیا ہے اور اسے کیوں کر حل کرنا چاہیے۔ ممکن ہے یہ سب کچھ میری کم علمی اور کوتہ نگہی کا نتیجہ ہو مگر بھائی میں تو بہ ہر حال ہر شے کو اپنے ہی نقطہ نگاہ سے دیکھوں گا شاید ایسے ہی کسی موقع کے لیے حافظ نے کہا تھا:

چو بشنوی سخن اہل دل مگو کہ خطاست

مگر بھائی نہ میں اہل دل اور نہ آپ نے میری کسی بات کو غلط قرار دیا یہ تو ایک سرسری بات ہے۔ مجھے نواز صاحب (۱) نے ہفتے کے روز بتایا تھا کہ آپ سے کتاب کی تبدیلی کے لیے عرض کیا گیا ہے۔ آپ وہاں کتاب بھیجیں گے تو پھر بھی وہ میرے پاس آئے گی۔ آپ کو جس میں سہولت ہو وہی کریں۔ میں نے آپ کے پہلے ارشادات کے مطابق اپنے نسخے میں تصحیح کر لی۔ حقیقت یہ ہے کہ بیشتر غلطیاں قرآن کا رسم الخط ملحوظ نہ رکھنے کی وجہ سے پیش آئیں۔

جو مقامات تشریح طلب ہیں اگر ان کا جواب زیادہ مفصل نہ ہو تو ضرور لکھیں، اگر جواب مفصل ہو تو ملاقات کے لیے عرض کیے بغیر چارہ نہ ہوگا۔

''مستند'' سے میری مراد یہ تھی کہ خود مولانا نے چھپوایا یا ان کے ایما و اجازت سے چھپا، غلطیاں ان نسخوں میں بھی تھیں اور بعض کے متعلق میرے نسخے پر نوٹ موجود ہیں۔ ایک مرتبہ مولانا سے عرض کیا تو فرمایا کہ فرصت کے وقت دیکھیں گے ''غیر مستند'' سے مراد وہ ''ترجمان'' ہیں جو ان کی اجازت کے بغیر چھاپے گئے۔

اب شیخ غلام علی اینڈ سنز والوں نے جو نسخہ چھپوایا ہے اس میں بیشتر تصحیحات کر دی گئی ہیں۔ غلطیاں پھر بھی رہ گئیں۔ مگر وہ غالباً جزوی ہوں گی، مولانا کے چھاپے ہوئے نسخوں کا ملنا مشکل ہے۔ یقیناً آپ ''ترجمان'' خصوصاً جلد دوم کو بالاستیعاب دیکھیں گے تو فہم قرآن کے بارے میں ایک عجیب انشراح خاطر اپنے اندر پائیں گے۔ یقیناً مولانا نے دنیا کو قرآن پر غور و فکر کا ایک نیا نقطہ نگاہ دیا اور وہ نقطہ نگاہ بھی خود مسنون ہے اور اس کے حدود بھی تمام شرعی مصلحتوں کو ملحوظ

Marfat.com

رکھ کر معین کیے گئے ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں اگر میری کسی گزارش سے دل مکدر ہو تو ایک مخلص خادم سمجھ معاف فرما دیجئے گا۔

ما برائے وصل کردن آمدیم
نے برائے فصل کردن آمدیم

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

دعا گو

مہر

حاشیہ خط نمبر ۳۰

۱۔ ملک رب نواز صاحب منیجر ادارہ سے راقم الحروف کی شناسائی اس وقت سے ہے جب موصوف مشہور ناشر کتب ملک دین محمد اینڈ سنز اشاعت منزل بل روڈ لاہور سے منسلک تھے۔ ملک صاحب ہمہ فن مولا تھے۔ بالخصوص شعبہ طباعت میں تو انہیں تخصص کا درجہ حاصل تھا۔ اپنے کام میں انہماک کا یہ عالم کہ ادھر کاتب کو الفاظ کی نشست و برخاست اور نوک پلک کی درستی کے بارے میں ہدایت دے رہے ہیں تو دوسری طرف ڈیزائنر سے موزوں رنگوں کے انتخاب اور ان کے تناسب پر اظہار خیال فرما رہے ہیں۔ ادھر پروف کی کاپیوں کے نقائص سے مشین مین کو اس کی ذمہ داری کا احساس دلا رہے ہیں تو دوسری طرف ادبا و مصنفین کتب سے ان کے مسودوں کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔ ادھر پروف ریڈنگ کے متعلق میری گزارشات پر کان ہیں۔ ٹیلیفون کو ہر دم مصروف رکھنے والے دیگر دفتری امور کی انجام دہی اس پر مستزاد ہے۔

(۳۱)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN ۴ فروری ۱۹۶۲ء

LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! آپ کیوں ایک ایک بات کو ایک خاص رنگ میں لے جاتے ہیں (۱) میرا ایک طریق فکر و نظر اور ایک اسلوب اظہار خیال ہے۔ آپ یقین کریں کہ میں چاہوں بھی تو سے

Marfat.com

چھوڑ نہیں سکتا۔ میرے لیے خردی و بزرگی کے امتیازات بے معنی ہیں عزیزداری اور اجنبیت کے رشتے کوئی حقیقت نہیں رکھتے جب لکھوں گا، اپنے ہی انداز میں لکھوں گا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عمر کے اس مرحلے پر پہنچا ہوا ہوں جہاں بنے ہوئے اور پختہ واستوار سانچے ٹوٹ سکتے ہیں مگر جھک نہیں سکتے۔ ان میں لچک پیدا نہیں کی جا سکتی۔ بہتر یہی ہے کہ آپ مجھے یونہی چلنے دیں اور تکلفاً راستے سے ادھر ادھر نہ ہٹائیں۔

پھر اس میں وہ پہلو بھی یقیناً نہیں جس کا وہم آپ کو ہوا۔ میرا طریقہ اس اعتبار سے بھی بہتر ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں ایک تعلیمی وتبلیغی پہلو ہے اور اس میں تو کلام کی گنجائش ہی نہیں کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو یا اتفاقیہ کوئی ایسی بات زبان قلم پر جاری ہو جائے جس کے لیے کوئی محکم بنیاد موجود نہ ہو تو اس کے لیے تاویلات کی دام آرائی کے بجائے اعتراف بہ ہر حال احسن طریق ہے اور یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ غلطیوں کے لیے عفو طلبی صرف خردوں ہی کا کام ہے؟

شکر گزار ہوں کہ آپ نے محنت اٹھائی گویا میرے حصے کا کام کر دیا اور مجھے یقین ہے کہ مجھ سے بہتر طریق پر کر دیا ہوگا۔ کتاب (۲) ابھی میرے پاس نہیں آئی آئے گی تو دیکھ کر بالتفصیل شکریہ ادا کروں گا۔

میں نے اس اثنا میں تہیہ کر لیا ہے کہ مولانا رحمہ اللہ کی چند اور چیزیں جلد سے جلد مرتب کر دوں۔ مثلاً سیرۃ طیبہ ﷺ (۳) پر جو کچھ انھوں نے مختلف اوقات میں لکھا اسے ترتیب دے دوں اسی طرح سیرۃ ابراہیمی اور سیرۃ انبیاء کرام (۴) کتابی شکل میں آجائیں۔ ایک خیال یہ ہے کہ مولانا رحمہ اللہ نے آخری وقت تک جہاں جہاں تفسیر کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے تمام ذخیروں میں سے چن چن کر حسن ترتیب سے یکجا کر دوں۔ یہ کام کل کون کرے گا؟ ہو سکتا ہے کہ مجھ سے یہ بقدر بایست پورے نہ ہو سکیں، مگر ایک خاکہ تیار ہو جائے گا اور اس میں دوسرے اہل علم و کاوش رنگ بھر سکتے ہیں۔

اس حق ناشناس سرزمین میں کوئی کام للٰہی انداز میں انجام دینے کی بھی گنجائش بہت کم رہ گئی ہے۔ مثلاً ''باقیات'' چھپی اور ایک صاحب نے مقدمہ الگ کیا چند صفحے بہ طور خود لکھے اور پوری کتاب حرفاً حرفاً چھاپ کر ابتداء میں دوستوں کی اعانت کا شکریہ ادا کر دیا۔ پھر دیانت کا یہ عالم کہ اس کا نام ''ترجمان'' کی تیسری جلد (۵) رکھا مگر اس کا نتیجہ یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان جن چیزوں کو ضروری سمجھتا ہے ان کا خیال چھوڑ دے یا اپنے عزائم سے دست بردار ہو جائے۔

Marfat.com

آپ نے جو کچھ دریافت فرمایا ہے کتاب آئے گی تو مجھے اس کا علم ہوگا۔ اس کے بعد ہی کچھ عرض کرسکوں گا۔ میں ضروری معاملات سے نہ گریز کرتا ہوں اور نہ جواب میں توقف کا قائل ہوں، مگر بعض اوقات کاموں کی کثرت، مشغولیتوں کی فراوانی اور رات دن لکھنے لکھوانے کی مصروفیت جس میں ذاتی ذوق کے لیے لازماً زیادہ گنجائش نہیں ہوتی (کیونکہ بعض چیزیں معاش کی ضرورت کے پیش نظر کرنی پڑتی ہیں) پریشان کردیتی ہیں اور ہر چیز سے طبیعت ابا کرتی ہے جیسے کوئی بیٹھے بیٹھے بیمار ہو جائے ظاہر ہے کہ معاملات میں طلب عفو کے سوا چارہ نہیں رہتا۔

آپ نے جو کچھ دریافت کیا ہے وہ تو خیر جب سامنے آئے گا دیکھ لوں گا لیکن تجاویز کے باب میں یقیناً مضطرب ہوں۔ اگر تجاویز ایسی ہیں کہ ان سے مولانا رحمہ اللہ کی خدمت گزاری میں سہولت ہو اور زیادہ چیزیں بہ آسانی مرتب ہوسکیں تو لطفاً مجھے آگاہ فرمایئے تاکہ میں ان پر غور کر سکوں اگر یہ نہیں تو خیر زحمت کی ضرورت نہیں اور میں کتاب کا انتظار کروں گا یا بقول غالب انتظار کھینچوں گا۔

اگر شراب نہیں انتظار ساغر کھینچ

میرے نزدیک انتظار کرنے سے انتظار کھینچنے میں تحمل مشقت کا پہلو ابھرا ہوا ہے۔

دیکھیے طبیعت مضمحل تھی اور میں دفتر سے اٹھ کر اندر لیٹ جانا چاہتا تھا۔ آپ کی محبت کے جذبے میں چار صفحے لکھ گیا اب اجازت چاہتا ہوں یا بقول اہل حیدر آباد ''حاضر ہوتا ہوں''۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

دونوں خط اکٹھے بھیجتا ہوں۔

حواشی خط نمبر ۳۱

۱۔ آپ نے گزشتہ مکتوب گرامی کے اختتام پر لکھ دیا تھا ''اگر میری کسی گزارش سے دل مکدر ہو تو ایک مخلص خادم سمجھ کر معاف فرما دیجیے گا''۔ اس فقرہ سے ذہنی کوفت ہوئی تھی کہ ایسی بات تو خردوں کو بزرگوں کے حضور اپنی کوتاہی کے سلسلے میں معذرت خواہانہ انداز میں کہنا چاہیے نہ کہ بزرگوں کو میں نے اپنے جذبات کا اظہار کیا تو اس گرامی نامے کا صدور ہوا۔

۲۔ ''باقیات'' ترجمان القرآن (جلد سوم) مرتبہ مولانا غلام رسول مہر میں کتابت کی غلطیوں کا ذکر ہے

Marfat.com

جو دوران مطالعہ میرے علم میں آئیں۔ میں نے آپ کے ارشاد پر کتاب کا ایک نسخہ موصوف کے لیے درست کر کے شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز کے منیجر ملک ربنواز صاحب کے سپرد کر دیا تھا۔

۳۔ چنانچہ مولانا نے سیرۃ طیبہ کے مختلف گوشوں پر مولانا ابوالکلام آزاد کے مقالات جو ان کے رسائل ''الہلال''،''البلاغ'' اور دیگر تصانیف میں بکھرے پڑے تھے انہیں یک جا کر لیا اور جو گوشے تشنہ رہ گئے تھے یا جن موضوعات پر مولانا آزاد خامہ فرسائی نہ کر سکے اس کی کو مولانا مہر نے از خود مقالات لکھ کر پورا کر دیا۔ اس طرح یہ کتاب سیرۃ کے تمام اہم پہلوؤں پر محیط عالم وجود میں آگئی کتاب کا نام ''رسول رحمت ﷺ'' تجویز ہوا۔ یہ کتاب ۱۰۵ مقالات پر مبنی ہے جس میں ۴۵ مقالات مولانا آزاد کے قلم سے ۵۷ مولانا مہر کے قلم سے اور بقیہ تین دونوں صاحبوں کے مشترک ہیں۔ مولانا مہر کو اپنی اس تالیف پر ناز تھا اور اکثر اس کا ذکر تحدیث نعمت کے طور پر کیا کرتے تھے مگر افسوس کتاب زیر طباعت تھی کہ آپ کو پیغام اجل آ پہنچا اور آپ اس کی حسرت دل میں لیے دار فنا سے دار بقا کو رخصت ہو گئے اِنا لِلّٰہِ وَاِنَآ اِلَیہِ رٰجِعُون ''رسول رحمت ﷺ'' کی عبارت اس قدر دل نشیں اور دل پذیر ہے کہ ایک دفعہ مطالعہ شروع کر لیا جائے تو اسے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔ دونوں بزرگوں کی تحریر میں اتنی مماثلت ہے کہ بقول مولانا عبدالماجد دریابادی (مدیر صدق جدید لکھنؤ) قاری کو دورانِ مطالعہ اس بات کا مطلق احساس نہیں ہوتا کہ مولانا آزاد نے کہاں چھوڑا اور مولانا مہر نے کہاں سے اٹھایا۔

۴۔ ''رسول رحمت ﷺ'' کے بعد مولانا آزاد کے مقالات کا دوسرا مجموعہ ''انبیاء کرام علیہم السلام'' شائع ہوا اس کے ناشر بھی شیخ غلام علی اینڈ سنز ہیں۔ مولانا مہر نے یہ کتاب اسی زمانے میں مرتب فرمائی تھی جب وہ ''رسول رحمت ﷺ'' کی تدوین و ترتیب میں مصروف تھے ان کی خواہش تھی کہ کتاب ''رسول رحمت ﷺ'' کے بعد منظر عام پر لائی جاتی کیونکہ مرحوم اسے سیرۃ طیبہ کا ضمیمہ ہی گردانتے تھے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور کتاب ''رسول رحمت ﷺ'' کے بعد ہی اشاعت پذیر ہوئی۔

۵۔ باقیات ترجمان القرآن (جلد سوم) قرآن مجید کی مختلف آیات و سورہ کا ترجمہ مع تفسیر و تشریح ہے جو مولانا آزاد کی تحریرات و تصریحات پر مشتمل ہے اسے مولانا مہر کی ترتیب اور بسیط مقدمہ کے ساتھ ۱۹۶۱ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز نے چھاپ دیا تھا مولانا کا اشارہ ''مکتبہ اشاعت ادب'' نیو انارکلی لاہور کے اس ایڈیشن کی طرف ہے جسے مکتبہ نے جعل سازی سے بجنسہٖ چھاپ دیا تھا۔

Marfat.com

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۷۔فروری ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! میں جواب لکھ چکا تھا ابھی بھیجا نہ تھا کہ کل کتاب میرے پاس آگئی۔ میں نے اس ..... میں آپ کی محنت و دیدہ ریزی کے شواہد ثابتہ و محکمہ جا بجا دیکھے اور دل سے آپ کے لیے دعا نکلی، یقین کریں کہ میں خود بھی اس سے بہتر تصحیح نہیں کر سکتا تھا۔ خصوصاً متن قرآن کی۔ کیونکہ قرآن کے متعلق میرا علم متن، رسم الخط وغیرہ کے متعلق بہت کم ہے پہلے آپ (د) کے متعلق میری گزارشات (ا) ملاحظہ فرمائیں۔

ا۔ کالڈیا اور میڈیا (عربی میں جنھیں کلدانیہ اور مادہ کہتے ہیں) اب کسی نقشے پر آپ کو نہ ملیں گے ان کے لیے جغرافیہ قدیم کی کسی اٹلس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

کالڈیا کے بارے میں سرسری طور پر کہا جا سکتا ہے کہ عراق زیریں کا پرانا نام تھ جس کا بڑا شہر بابل تھا حضرت ابراہیمؑ کا شہر ''اور'' یا ''ار'' (بہ معنی شہر و مدینہ) بھی اسی میں تھا بالائی حصے کو دوآبہ کہتے تھے، کیونکہ وہ دجلہ و فرات کے درمیانی علاقے پر مشتمل تھا اسی ''دوآبہ'' نے یونانی میں Mesopotamia کی شکل اختیار کی۔ یہ نام پورے عراق کے لیے پچھلے دنوں تک مستعمل رہا۔

(ب)۔ مادہ یا میڈیا، وہ علاقہ تھا جس کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ ایران کے صوبہ آذربائیجان کا پرانا نام تھا اس کے جنوب میں پارس یا فارس یا بہ لسان یونانی (Persis) تھا سائرس یا بہ زبان شاہنامہ خسرو (خسرو عربی خورس عبرانی اور سائرس یونانی ہے) اصلاً مادہ یا میڈیا کا بادشاہ تھا۔ پھر اسے فارس مل گیا اور مادہ و فارس دو مملکتیں یکجا ہو گئیں۔ اس طرح سائرس ذوالقرنین بنا (ترجمان جلد دوم سورۃ کہف کے آخری نوٹ سے آپ کو تفصیلات معلوم ہو جائیں گی)

(ج)۔ آپ نے ایک جگہ افیسس (Ephesus) پر بھی استفہام کا نشان لگایا ہے یہ ایشیائے کوچک کے ساحل کا پرانا شہر تھا۔ قدیم عجائب میں سے ڈائنا کا مندر اسی شہر میں تھا پھر مسیحیوں کا ایک مشہور گرجا یہاں بنا جو ابتدائی دور کے کلیسا ہفت گانہ (سات کلیساؤں کو مرکزی حیثیت حاصل تھی) میں سے ایک تھا۔

Marfat.com

۲۔(۔نوامیس'' کا واحد'' ''ناموس'' ہے جس کے متعدد دوسرے معانی میں سے ایک معنی قاعدے اور ضابطے کے بھی ہیں۔

ب۔اقنوم (الف مضموم ون مضموم) اقانیم کا واحد ہے اقنوم کے معنی اصل شے ہے۔ یونانیوں کے ہاں اصل چیزیں تین تھیں۔ وجود، حیات اور علم مسیحیوں نے ''اب'' (باپ) ابن (بیٹا) اور روح القدس بنایا اس طرح اقانیم ثلاثہ یعنی تین اقنوم تیار ہوئے۔قرآن کہتا ہے لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثہ (۵:۷۳)۔اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔

اب بعض دوسری چیزیں لیجیے:

مقدمہ: ۴۔اپنی نظیر آپ۔ص ۸: دروبارحہ استعمال میں ہم معنی ہیں اور لفظاً بارحہ کے معنی شب گزشتہ کے ہیں۔ص ۱۱: صحیح لفظ کہا'' ہے ص ۱۶ ''منی'' صحیح ہے۔ص۔۴۳: ''بھیس'' ٹھیک ہے ص ۶۴ ''افیسس'' جس کی تفصیل پیش کر چکا ہوں۔ میں غلط فہمی سے بچنے کے لیے اسے ''انی سوس'' لکھتا ہوں۔

متن ص ۱۰: صحیح فطری وجدان ہے۔ص ۳۹ جو کا نادرست کاٹا۔

اب دیکھا تو حوالوں کی بھی بہت سی غلطیاں ہیں اور الفاظ بھی مثلاً ص ۹۶ (متن) آخری دوسطروں میں ''اقدار'' کی جگہ ''انداز'' چاہیے اور تکبر کی جگہ ''تدبر''۔

تفصیل پوری کتاب دیکھ کر عرض کرسکوں گا۔ یا آپ نواز صاحب سے میری تصحیح کردہ کتاب لے کر تصحیح فرمالیجیے گا۔

آپ کا مکرر دلی شکریہ۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

حاشیہ خط نمبر ۳۲

۱۔ گرامی نامہ مذکورہ گزارشات کے جواب میں ہے۔

(۳۳)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! اجازت کا سوال تو ایک طرف چھوڑیے مصیبت یہ ہے کہ لوگ ذہانت سے بالکل بے پرواہو گئے ہیں۔ میں نے جو آیتیں جمع کی تھیں۔ میرے اندازے کے مطابق وہ تیسری جلد کی آیات کا بہ مشکل ایک تہائی ہوں گی۔ میں نے ''باقیات'' نام رکھا۔ ناقل صاحب نے جو کتاب چھاپی اس کا نام انتہائی بے تکلفی سے ترجمان کی تیسری جلد یا جلد سوم رکھ لیا۔ گویا مولانا رحمہ اللہ کا مسودہ خاص انہیں مل گیا۔ جس ملک وقوم میں اخلاق کا یہ عالم ہو وہاں کسی اچھی چیز کی توقع رکھنا سراسر حماقت ہوگا۔

بھائی مجھے یہ تو معلوم ہے کہ آدینہ (۱) ارائیں تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ وہ ہوشیار پور کے کسی گاؤں کا تھا جالندھر کے پاس شرق پور کوئی گاؤں تھا۔ مجھے اس کا علم نہیں جالندھر اور ہوشیار پور کے اضلاع شہر جالندھر سے چند میل پر مل گئے ہیں۔ اغلب ہے وہ گاؤں ہوشیار پور کے ضلع میں ہو۔

تاریخی سند کے اعتبار سے پروفیسر شجاع الدین صاحب کو محترم ڈاکٹر باقر پر ترجیح ہے۔ آدینہ کے ارائیں ہونے میں کلام نہیں۔ ایک مرتبہ میاں شفیع صاحب مدیر ''اقدام'' نے آدینہ کے خلاف مقالے لکھے تھے مجھے یاد ہے کہ میں نے ان سے یا کسی دوسرے صاحب سے کہا تھا کہ کاش انھیں معلوم ہوتا آدینہ ارائیں تھا میاں شفیع بھی ارائیں ہیں اور ان کا وطن ضلع جالندھر ہے۔

اندلس (۲) کے گورنر کا نہیں اسلامی خلافت کے مغربی صوبوں کے گورنر کا نام موسیٰ بن نصیر (ن مضموم اور ص مفتوح) تھا۔ وہ اسلام کے مشہور سالاروں میں شمار ہوتا ہے۔ اسی نے مغرب اقصیٰ کو فتح کیا تھا یعنی دوبارہ پہلی مرتبہ تو عقبہ بن نافع فتح کر چکا تھا۔ جس کے متعلق اقبال رحمہ اللہ نے اس مصرعے میں اشارہ کیا ہے:

بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

اندلس بھی موسیٰ ہی کے زیر ہدایت فتح ہوا تھا۔ طارق کا مربی بھی یہی تھا۔ افسوس سلیمان نے جوشِ عداوت میں موسیٰ طارق، محمد بن قاسم اور مسلم بن عقبہ کو ہدف عتاب بنا کر فتوحات کے بہترین مواقع برباد کر دیے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں۔ میں عجلت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۳۳

۱۔ آدینہ بیگ کے متعلق گزارش کی تھی کہ ''نقوش'' لاہور (شمارہ ۹۲ برائے فروری ۱۹۶۲ء) میں پروفیسر شجاع الدین نے اسے شرقپور نزد جالندھر کا باشندہ لکھا ہے جبکہ ڈاکٹر باقر صاحب نے لاہور پاسٹ اینڈ پریذنٹ (انگریزی) میں آدینہ بیگ کو شرقپور تحصیل لاہور کا باشندہ قرار دیا ہے۔ استفسار اس سلسلہ میں تھا کہ دونوں میں سے .... کس کا بیان مرجح ہے۔ ولیم بیل کی ''بائیوگرافیکل'' ڈکشنری میں اسے شرقپور نزد لاہور کا باشندہ ہی لکھا ہے۔ برادرم نصرت نوشاہی کی اطلاع کے مطابق آدینہ بیگ کے محل کے کھنڈرات اب بھی شرقپور (لاہور) میں موجود ہیں اس لحاظ سے ڈاکٹر باقر صاحب کا بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔

۲۔ نقوش کے لاہور نمبر میں آپ کا مضمون ''چند خونچکاں مناظر'' چھپا تھا مکتوب گرامی کا بقیہ حصہ مذکورہ مضمون سے متعلق اٹھائے گئے بعض سوالوں کے جواب پر مشتمل ہے۔

(۳۴)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! میں نے تو ابھی پوری کتاب نہیں دیکھی۔ اس کے جستہ جستہ حصے دیکھے اور وہ بھی آپ کی نشان دادہ غلطیوں کے سلسلے میں۔ کتاب کی واپسی میں وقت لگے گا کیونکہ مجھے اور چیزیں سرسری نظر میں مل گئیں اور چاہتا ہوں کہ ایک نظر پھر مختلف جلدوں اور کتابوں کو دیکھ جاؤں۔ اغلب ہے مزید چیزیں مل جائیں۔

۲۔ جہالت تو کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ ''جاہلیت'' ایک اصطلاحی لفظ بن گیا ہے جو رسول اکرم ﷺ سے پیشتر کے دور کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کی مختلف توجیہات لوگوں نے کی ہیں۔ اکثر لغت نگار کہتے ہیں کہ وہ لوگ پڑھے لکھے نہ تھے زیادہ واقف کار لوگوں کا خیال ہے کہ خدا و رسول ﷺ اور نبوت سے بے بہرہ تھے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ وہ عقل و ہوش اور فکر و بصیرت کے بجائے ذاتی قوت و اقتدار کے بل پر اپنی بات منوانا چاہتے تھے۔ قرآن کریم اور سیرت سے

Marfat.com

یہی مستفاد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۳۔ ''گڈوئی'' کا لفظ میں نے وادین میں لکھا تھا۔ معلوم نہیں مطبوعہ مقالے میں وادین قائم رہے یا نہیں اس لیے کہ یہ لفظ اردو نہیں پنجابی ہے اور یہ سکھوں کی مروجہ اصطلاح تھی، جو غالباً ہندوؤں سے لی گئی جس ظرف کو پنجابی میں ''گڈوا'' یا ''گڈوی'' کہتے ہیں، اس کے لیے اردو میں ''گڑوا'' یا گڑوی ہے یعنی ''ڈ'' کے بجائے ''ڑ'' مگر گڑوئی کوئی لفظ اردو میں کم از کم مجھے نہیں ملا۔ پنجابی میں ''گڈوئی'' سے مراد ہے گڈوی یا گڑوے والا جس طرح صبح کے وقت اسلامی گھرانوں کے خاص ملازم ''نواب صاحب'' یا ''میاں صاحب'' کے وضو یا حوائج یا منہ ہاتھ دھونے کے لیے پانی آفتابوں میں رکھتے تھے، اسی طرح ہندوؤں اور سکھوں کے ہاں یہ کام ''گڈویوں'' سے متعلق تھا۔ ''گڈوئی'' سے مراد ہے وہ شخص جو علی الصباح مہاراجہ کے لیے پانی لے جاتا تھا۔

۴۔ ''قرابین'' بندوق نہ تھی بندوق کی ایک قسم تھی جو غالباً آج کل مروج نہیں۔ اس کی نالی لمبی نہیں ہوتی تھی اور منہ چوڑا تھا گویا یہ پستول اور بندوق کے درمیان کی ایک چیز تھی۔ سید احمد شہید رحمہ اللہ کی جنگوں میں قرابین کا ذکر بہ کثرت آتا ہے کیونکہ اس زمانے میں یہ مروج تھی رفتہ رفتہ اس کا رواج گھٹ گیا۔ اب تو شاید دیکھنے کو بھی بہ مشکل مل سکے۔ اسی طرح زنبورک شاہین وغیرہ اسلحہ تھے میں نے ایک مرتبہ ایک زنبورک اسمت میں دیکھی تھی جو سید رحمہ اللہ کے مجاہدین کا آخری مرکز تھا۔ اور اب بھی ہے مگر سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔

۵۔ اس شخص کا نام Smythe (سمائتھ) تھا وہ ۱۸۴۵ء کی صلح کے بعد لاہور پہنچا اور جو حالات لوگوں سے سنے مرتب کر دیے آپ کو غالباً معلوم نہ ہو کہ سکھوں (خصوصاً حکمران خاندان) کی اخلاقی حالت حد درجہ خراب تھی، مثلاً رنجیت سنگھ کے دادا نے اپنی بیوی کو اس وجہ سے خود قتل کیا کہ اس کا چلن اچھا نہ تھا۔ رنجیت سنگھ نے اپنی ماں کو اسی وجہ سے قتل کیا۔ یہ تو سب کو معلوم ہے کہ اس کے بڑے بیٹے کھڑک سنگھ کے سوا کوئی بھی جائز اولاد میں سے نہ تھا اور اس بارے میں رانی جنداں یعنی چند کور نے شرافت اور ذمہ داری کی تمام حدیں توڑ دی تھیں سمائتھ نے اس کی پوری داستان ابتدا سے انتہا تک لکھ دی ہے یعنی یہ کہ وہ کون تھی؟ کیسے رنجیت سنگھ کے محل میں پہنچی؟ کہاں کہاں رہی؟ پھر بچہ کس کا تھا (دلیپ سنگھ) کی پیدائش کے بعد اس کی حالت کیا ہو گئی؟ اچانک حالات نے اس کے فرزند کو مسند پر بٹھا دیا اور وہ پنجاب کی مہارانی بن گئی۔

اب وہ کتاب کہاں ملے گی؟ ۱۸۴۷ء میں انگریز فوجی افسروں کے چندے سے چھاپی

Marfat.com

گئی تھی۔ بس اس زمانے میں جو نسخے چھپ گئے چھپ گئے پھر اس پر کسی نے توجہ نہ کی یا مصلحتاً اس کا چھاپنا روک دیا گیا، ممکن ہے پبلک لائبریری میں مل جائے مجھے ٹھیک یاد نہیں۔

سکھوں کے متعلق معلومات کا ایک اور نہایت اچھا ذخیرہ کنہیا لال کی ''تاریخ پنجاب'' (۱) ہے اب تک اس کے غالباً تین ایڈیشن چھپ چکے ہیں مجھے پہلے ایڈیشن کی ضرورت تھی اب تک نہ مل سکا اور لائبریری میں بھی موجود نہیں۔ دوسرا ایڈیشن میرے پاس ہے تیسرا اکثر کے پاس ہے دوسرے ایڈیشن سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے ایڈیشن کے بعض حصوں پر سکھوں نے سخت اعتراضات کیے تھے مصنف خود لکھتا ہے کہ بعض حصے نکال دیے گئے اور دوسرا ایڈیشن چھاپا گیا جو پہلے سے کسی قدر مختلف تھا مگر اس ایڈیشن کو بھی دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ سکھوں کی حالت کس درجہ خراب تھی۔ میں نے اقتباسات میں بعض مقامات پر نقطے لگا دیے کیونکہ اصل بیان نا قابل اندراج تھا مثلاً یہ کہ ہیرا سنگھ اور پنڈت جلا کی بے سر لاشیں لاہور کے انبار ہائے غلاظت پر پڑی سڑتی رہیں کسی کو جرأت نہ تھی کہ انھیں دفن کر دے سکھ تو بے تامل بر سر عام ان پر پیشاب کرتے اور چلے جاتے ساتویں آٹھویں دن رات کے وقت کسی نے اٹھا کر انہیں دفن کیا۔

ہمارے ایک دوست کہا کرتے تھے کہ پنجاب کے مسلمانوں نے خدا جانے کیا گناہ کیا تھا جس کی پاداش میں ان پر سکھ مسلط کیے گئے اس سے بڑی سزا شائد ہی کسی خطے کو دی گئی ہو۔ میرے نزدیک یہی کیفیت مرہٹوں کی تھی یہ تو آپ کو ہر تاریخ میں ملے گا کہ لڑائی مثلاً ہلکر والی اندور اور سندھیا والی گوالیار کے درمیان ہوئی تھی اور دونوں ایک دوسرے سے لڑنے کی بجائے ایک دوسرے کے علاقے کے بے کس کسانوں پر چھاپے مارتے ان کے گھر لوٹتے فصلیں جلاتے اور مکان برباد کرتے کیا آپ کو معلوم ہے کہ ایسے ہی مقامی حکمرانوں نے ہندوستان (پاک و ہند) کے عوام کو انگریزوں کے خیر مقدم پر مجبور کر دیا تھا؟ ان غریبوں کے لیے زندگی اجیرن ہو گئی تھی۔ ایک ایسی تاریک رات ان پر چھا گئی تھی جس کی کوئی صبح نظر نہیں آتی تھی۔ انگریز آئے تو انھوں نے حکمرانی کے اس پہلے گُر کی نمائش میں بڑا اہتمام کیا کہ عوام امن کی زندگی بسر کریں۔ دولت لوٹنے جھوٹ بولنے اور بدعہدیاں کرنے میں وہ بھی کم نہ تھے مگر عوام کو مقابلتاً امن و راحت سے شاد کام کیا۔ عوام کو امن کے سوا اور کیا چاہیے تھا؟

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

Marfat.com

مہر

حاشیہ خط نمبر ۳۴

ان تین ایڈیشنوں کی تفصیل اس طرح ہے۔ طبع اول مصطفائی پریس لاہور ۱۸۷۷ء طبع دوم ۱۸۸۱ء طبع سوم نیوا مپرس پریس لاہور ۱۸۸۷ء البتہ اب اس کتاب کے دو اور ایڈیشن ایک ہی سال ۱۹۸۹ء میں منصۂ شہود پر آ چکے ہیں ایک ایڈیشن مجلس ترقی ادب لاہور نے چھاپا جسے کلب علی خان فائق نے مرتب کیا جبکہ دوسرا ایڈیشن سنگ میل پبلی کیشنز لاہور نے شائع کیا اول الذکر کی بنیاد پہلے ایڈیشن پر رکھی گئی ہے جبکہ آخر الذکر دوسرے ایڈیشن کی عکسی طباعت پر مشتمل ہے۔

(۳۵)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE.

۲۰-مارچ ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! پیغام عید مل گیا تھا، حقیقت یہ ہے کہ میری طبیعت کو ان ''مراسم'' سے کوئی بھی مناسبت نہیں رہی اور مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ اپنے تصور کے مطابق ضروری کاموں سے فرصت نکال کر مراسم کی بجا آوری میں صرف کر سکوں۔ مدت سے عزیزوں اور دوستوں نے میری طبیعت کا اندازہ کرتے ہوئے اس بارے میں میری کوتاہیوں کو از راہ نوازش معاف کر رکھا ہے، اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ نے بھی معاف فرما دیا ہوگا۔

اس قسم کے پیغامات کا تبادلہ اہل یورپ میں رائج تھا دوسرے مراسم کی طرح یہ رسم بھی مسلمانوں نے اس پیمانے پر اختیار کر لی کہ اس میں گوناگوں جدتیں پیدا کی گئیں۔ عید کے موقع پر بڑی آرائشوں اور زیبائشوں سے مزین عید کارڈ وغیرہ چھپنے لگے بلکہ اس عید کے علاوہ دوسری عید میں بھی عید کارڈ فروخت کرنے والوں اور ڈاک خانے کو خاصی مالی منفعت حاصل ہوتی ہے اور مسلمانوں کی جیبوں سے روپیہ نکل کر ایک ایسی رسم میں صرف ہوتا ہے جس کی کوئی بھی حیثیت نہیں حالانکہ اگر صرف ایک سال کے لیے یہ رقم محفوظ کر لی جائے تو ایک ہسپتال کی عمارت بن سکتی ہے۔

Marfat.com

میں جس زمانے میں اخبار نویس تھا یہاں سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں میں بڑے مخلص اور پُر جوش کارکن موجود تھے۔ میں نے ان سے کئی مرتبہ کہا کہ شہروں میں جلسے کرنے کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اخباروں میں رودادیں شائع ہوں اور مقرروں کے نام ابھریں۔ اگر عوام کی خدمت منظور ہے تو اس کا طریقہ میں بتاتا ہوں۔ ہر کارکن ایک ایک دو دو گاؤں سنبھال کر بیٹھ جائے اور دو تین سال وہاں صرف اس کام میں گزارے کہ خوشی اور غمی کی رسموں پر جتنا روپیہ خرچ ہوتا ہے وہ خرچ نہ ہو اور جمع کیا جائے۔ اس طرح دو تین سال میں اتنی رقم جمع ہو سکتی ہے کہ ایک گاؤں کا واجب الادا قرض اتر جائے پھر دو تین سال میں ایک ایسا بنک قائم ہو جائے جو گاؤں کے ضرورت مندوں کو بہ طور قرض حسنہ روپیہ دے۔ مگر میری بات کسی نے نہ سنی۔ خود مجھے اس قسم کے کاموں سے طبعی مناسبت نہ تھی اس لیے کچھ نہ کر سکا۔ جب اس کا ارادہ کر رہا تھا تو تقسیم کے عمل نے پورا نظام دیہات تلپٹ کر ڈالا اور مختلف جمعیتیں بکھر گئیں۔ والقصہ بطولہا۔

بہ ہر حال میری نالائقیاں کتنی ہی افسوسناک کیوں نہ ہوں مگر خدا کا شکر ہے کہ بعض نالائقیوں سے میں محفوظ ہوں۔ دوست ہر سال خاصے دلکش کارڈ بھیج دیتے ہیں میرے نزدیک وہ رسم کی حیثیت رکھتے ہیں اور خاموش رہتا ہوں۔ اگر آپ کے پیغام کا جواب نہ دیا تو وجہ یہی تھی آپ کو اس سے رنج پہنچا ہو یا آپ نے اسے محسوس کرتے ہوئے میری کوتاہی پر حمل کیا ہو تو معافی مانگتا ہوں۔

اپنی سالگرہ پر میری طرف سے ہدیہ تبریک اور دعائے خیر قبول فرمائیے۔ بھائی میں کیا پیغام دے سکتا ہوں میری زندگی میں مختلف دور آئے۔ ابتداء میں خوش عقیدہ اور تنگ نظر مسلمان تھا اور جو عقائد و اعمال مجھے ورثے میں ملے تھے حق انھیں میں محصور سمجھتا رہا۔ کالج میں پہنچا اور فلسفہ پڑھا تو خیالات میں ''آزادی'' پیدا ہوئی، جس پر اب غور کرتا ہوں تو وہ ''آوارگی'' نظر آتی ہے اور کچھ مدت کے لیے نماز سے بھی محروم رہا فروری ۱۹۱۵ء میں کہ بی اے کے امتحان میں تین مہینے باقی تھے بیٹھے بیٹھے یکا یک خیال آیا کہ میں سخت گنہگار ہوں اور نماز شروع کر دی خدا کا شکر ہے کہ اب تک اس میں خلل نہیں آیا ممکن ہے بے وقت بھی نمازیں پڑھی ہوں بعض اوقات جمع بھی کیں مگر اپنی یاد کی حد تک قضا کوئی نہیں کی صرف آٹھ روز کی مدت ایسی ہے کہ میں سخت بیمار ہو گیا تھا اور بڑی حد تک بے ہوش سا رہا۔ یہ یاد نہیں کہ ان دنوں میں بھی نماز پابندی سے پڑھی گئی یا نہیں۔

میرا ایمان ہے کہ نماز سے بڑھ کر بابرکت عمل کوئی نہیں مجھے جب کبھی مشکل پیش آتی

Marfat.com

ہے نفل پڑھتا ہوں اور خدا کی بارگاہ میں دعا کرتا رہتا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ عبادت دکانداری اور تجارت تو ہے نہیں کہ ادھر دعا کی اور ادھر جھولی مطلوب شے کے لیے کھول کر کھڑے ہو گئے۔ مل گئی تو سبحان اللہ، نہ ملی تو بیزار ہو کر الگ ہو گئے۔ میں نے دعا کبھی ترک نہیں کی اگر مطلوب صورت پیدا نہ ہوئی تو سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت میں وہ شے جو مطلوب ہے حقیقۃً میرے لیے مفید نہیں اور قرآن مجید نے یہی بتا دیا ہے۔ کہ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وّھو خیرٌ لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شرٌّ لکم (۱) ہم مآل کار کے اندازہ داں نہیں یہ اندازہ صرف ہمارے خالق و فاطر کو ہے لہٰذا جو کچھ پیش آتا ہے اس کا شکر ہی ادا کرنا چاہیے۔ یہی میرا طریقہ رہا اور میں اس پر مطمئن ہوں۔ الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (۲) کے معنی یہی ہیں۔ قرآن مجید عجیب و غریب کتاب ہے میں تو اسے چنداں سمجھ نہیں سکتا مگر جتنا بھی سمجھا اس پر ایمان استوار و مستحکم ہو گیا رسول اکرم ﷺ کی سیرۃ طیبہ عجیب چیز ہے اس پاک زندگی کے ایک ایک واقعے میں انسانیت کے لیے ایسی بصیرتیں ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتیں جب انسان یہ طے کر لے کہ اسے ایک وسیع برادری کے رکن کی حیثیت میں زندگی بسر کرنی ہے اور اس زندگی کے اصول و مقاصد پر بطور خود غور کرے تو اس پر آشکار ہوتا جائے گا کہ کنبے، محلے، شہر یا دیہہ، تحصیل، ضلع، صوبے، ملک اور ممالک عالم کے تعلق میں اس کے فرائض کیا ہیں ان تمام فرائض کو سامنے رکھ کر وہ سیرۃ طیبہ پر غور کرے گا تو اس وقت معلوم ہو گا کہ لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ (۳) کے معنی کیا ہیں۔

غرض قرآن و سیرت کا مطالعہ اور نماز میرے نزدیک یہ بنیادی چیزیں ہیں۔ تمام اسلامی اعمال درجہ بہ درجہ آتے ہیں۔ طبیعت میں کشائش، فراخی بلکہ آفاقیت پیدا ہوتی ہے اور خود میں نے فارسی اور اردو کے بعض بلند منزلت اساتذہ کے کلام سے بھی آفاقیت کو تقویت پہنچائی۔ مثلاً غالب، عرفی، نظیری، حافظ، سعدی، مولانا روم، اس سلسلے میں اصل شے "محبت" ہے۔ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

یقیں محکم، عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

میں نے بے غور و فکر اپنے تاثرات کاغذ پر پھیلا دیے منضبط تحریر کا نہ وقت ہے اور نہ اس وقت طبیعت ادھر رجوع کرتی ہے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا گو مہرؔ

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۳۵

۱۔ (ترجمہ) قریب ہے کوئی بات تمہیں بری لگے اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو۔ اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وہ تمہارے حق میں بری ہو۔'' (۲:۲۱۶)

۲۔ (ترجمہ) ''اور یہ یاد رکھو کہ یہ اللہ کا ذکر ہی ہے جس سے دلوں کو چین اور قرار ملتا ہے۔ (۱۳:۲۸)

۳۔ ترجمہ: بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔ (۳۳:۲۱)

(۳۶)

GULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

۱۴-اپریل ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم۔ سعدی کا ایک شعر بہت مشہور ہے:

گہے برطارم اعلیٰ نشینم
گہے بر پشتِ پائے خود نہ بینم

سعدی کا مفہوم دوسرا ہے لیکن ایک لحاظ سے یہ شعر میرے بھی حسب حال ہے۔ بلا شبہ مجھے بقدر شوق و آرزو بہت کم فرصت میسر آئی۔ جو کچھ لکھتا رہا، ہجوم مشاغل ہی میں بہ حالت اضطرار لکھتا رہا اور اکثر دل و دماغ نے مساعدت کی۔ مگر کبھی ایسا بھی ہوا کہ دماغ ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوا، بہ تکلف کچھ لکھا اور اسے چھوڑ دیا۔ اکثر بے تکلف صفحوں کے صفحے لکھ ڈالے۔ اب طبیعت کی بے لطفی اور نامساعدت عنان گیر ہے، میں کیا کروں؟ عفو خواہ ہوں۔

کل آپ کا نامہ محبت ملا تھا تو بے اختیار سیرۃ (۱) پر لکھنا شروع کر دیا۔ تیسرے صفحے پر پہنچا تو سوچا کہ اس طرح صرف مطلب دس پندرہ صفحوں میں ادا کیا جا سکے گا۔ اتنی فرصت کہاں سے لاؤں؟ سیرۃ کے متعلق بیشتر مباحث ایسے ہیں کہ زبانی گفتگو کیے بغیر چارہ نہیں، اس لیے کہ جو کچھ میرے ذہن میں ہے، اس کی تشریح مثالوں کے بغیر ہو نہیں سکتی، اور خط میں مثالیں دینا شروع کروں تو ظاہر ہے کہ تحریر خط کے حدود سے نکل کر رسالے کے حدود میں پہنچ جائے گی اور میرے موجودہ حالات ایسے ہیں کہ اتنا وقت نکال نہیں سکتا۔ روزانہ کچھ وقت دینے سے مضامین و مطالب

Marfat.com

میں انقطاع ہو جاتا ہے اور سلسلۂ افکار ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک ہی فرصت میں تحریر ختم کرنے کی سعی کرو تو ضروری کاموں میں رکاوٹ پیدا ہوگی اور معاملہ صرف میری ذات کا نہیں ایک اور آدمی کا بھی ہے بلکہ دو کا، جنہیں بعض چیزوں کی نقل اور املا کے لیے مقرر کر لیا، بہتر یہ ہے کہ کسی وقت تھوڑی سی فرصت نکال کر لیں تا کہ اس باب میں چند ضروری باتیں عرض کرسکوں۔

میرے علم کے مطابق اُردو میں سیرت کی کوئی بھی کتاب ایسی نہیں جو ایک حد تک اطمینان قلب و دماغ مہیا کر سکے۔ مولانا قاضی سلیمان منصور پوری کی ''رحمتہ للعالمین'' (۲) (جلد اول) بڑی اچھی کتاب تھی مگر قاضی صاحب مرحوم کو تورات و انجیل پر عبور حاصل تھا اور وہ جا بجا ان کتابوں کے اقتباسات دیتے گئے، جن سے میرے اندازے کے مطابق اس نہایت عمدہ کتاب کی خوبیوں کو گزند پہنچا۔

مولانا شبلی مرحوم کے لیے ایک عمدہ سیرت مرتب کر دینے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔ مالی امداد کی طرف سے وہ بڑی حد تک بے نیاز ہو گئے تھے، مگر ان کی تمام تصانیف یا اکثر تصانیف کی طرح سیرۃ میں بھی ان کا ''دودلا پن'' برابر قائم رہا۔ ایک طرف اسلام کی سادگی، بے تکلفی، خلقِ خدا کے لیے رحمت ہونے کا احساس، دوسری طرف مسلمان فرمانرواؤں کا جاہ و جلال، فتح و تسخیر، فوجی اقدامات کے عدیم المثال ہنگامے یا تخت طاؤس، تاج محل، الزہرا، الزاہرہ وغیرہ کارنامے۔ وہ دونوں میں سے کسی ایک کو اصل واساس نہ بنا سکے۔ اس وجہ سے جو کچھ مرتب ہوا، وہ معیاری نہ تھا (کم از کم میرے نزدیک) پھر قدرت نے انھیں مہلت نہ دی اور بے چارے پہلی جلد بھی مکمل نہیں کر سکے تھے کہ عالمِ بقا کو سدھارے۔ نیز انھیں سرسید کی طرح یہ بھی خیال تھا کہ اسلام اور سیرۃ کو اہلِ فرنگ کے اعتراضات سے محفوظ کر دیں۔ یہ امر بجائے خود بالکل ضروری تھا، مگر اس سلسلے میں بعض حقائق کی حقیقی صورت کچھ سے کچھ ہوگئی اور ایک رُخ کو صاف کرتے کرتے، دوسرے رُخ یا رُخوں پر کئی دھبے پڑ جانے کا دروازہ کھل گیا۔

سب سے آخر میں یہ کہ جغرافیائی معلومات میں ان کا سرمایہ حد درجہ مضحکہ خیز تھا۔ اس کی مثالیں آپ مجھ سے سُنیں گے تو متحیر رہ جائیں گے۔

میرے محدود علم کی حد تک ایک فرد تھا، جسے سیرۃ کے ضروری پہلوؤں کا صحیح احساس تھا یعنی ہمارے مولانا مرحوم و مغفور (۳) مگر انھیں کوئی چیز مسلسل لکھنے کی مہلت نہ ملی۔ سیرۃ کے سلسلے میں بعض مبانی کی توضیح کے لیے میں نے یہی مناسب سمجھا کہ ان کے متفرق افادات کو مرتب کر دوں۔ چنانچہ بہت سی چیزیں نقل کرائیں اور اب چند روز میں ان کی ترتیب شروع کروں گا۔ اس

Marfat.com

ہے کم از کم اتنا ضرور ہو جائے گا کہ سیرۃ کے مبانی واضح ہو جائیں گے اور اہلِ علم ونظر کو موقع مل جائے گا کہ وہ بہ طور خود مختلف وقائع کو صحیح روشنی میں دیکھ سکیں۔ اسی طرح سیرۃ ابراہیمؑ (۴) کے مختلف اجزا نقل کرائے انہیں بھی مرتب کرنا ہے سب سے آخر میں مختلف انبیاء کی سیرتوں کے متعلق مختلف بیانات اکٹھے کروں گا۔

میں تفسیری نکات اکٹھے کرنے کے لیے مضطرب تھا اب پہلے یہ کام کروں گا، اگر زندگی کے اوقات میں کچھ مہلت ہے تو تفسیر بھی ضرور مرتب کروں گا۔ ''باقیات'' میں کچھ اضافے بھی ہوئے اور غلطیاں بھی درست کیں۔ ابھی وہ کتاب زیرِ نظر ہے اُمید ہے کہ ان شاء اللہ طبع ثانی میں وہ بدر جہا بہتر ہو جائے گی۔

آپ نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے ممکن ہے وہ نظر سے گزری ہوں مگر مطالب ذہن میں محفوظ نہیں اور کتابیں بھی ہیں۔ مثلاً مولانا دانا پوری کی ''خیر البشر'' (۵) عربی میں بھی فی الحال کوئی اچھی کتاب پیشِ نظر نہیں۔ پرانی کتابوں میں بعض اچھی چیزیں مل جاتی ہیں ان میں سب سے بہتر حافظ ابن قیم کی ''زاد المعاد'' (۶) ہے مگر اس میں اسلامی احکام کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سیرت بیان کی گئی ہے اور بعض معارف یقیناً نادر ہیں۔ خود میں بھی اپنی کم فرصتی کے باعث اس سے پوری طرح مستفید نہیں ہو سکا۔ کتاب میرے پاس ہے۔

خواجہ غلام السیدین کی کتاب (۷) میں نے نہیں دیکھی۔ اگر آپ کی مہربانی سے دیکھ سکا تو ممنون ہوں گا۔ مگر اس میں عجلت ضروری نہیں۔ مصروف ہوں۔ آپ جب کبھی تشریف آوری کے لیے وقت نکال سکیں۔ مثلاً کسی اتوار کو بعد دوپہر تو ساتھ لیتے آئیں۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں محبت کے لیے شکر گزار ہوں اور اس لیے بہ طور خاص شکر گزار کہ آپ کے نیک اور پاکیزہ خیالات، سچی دینداری، میرے ذوق فکر ونظر کے لیے ہمیشہ مہمیز ثابت ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ان محاسن کو ترقی دے اور راہ رضا پر قائم رکھے:

از دست فقیر بے نوا ناید ہیچ
جز ایں کہ بہ صدق دل دعای بکند

آج صبح نماز کے بعد چائے کے انتظار میں چارپائی پر بیٹھ گیا تو آزاد بلگرامی کی مآثر الکرام (۸) پاس پڑی تھی، وہی اُٹھائی اور کھولی تو بیدل عظیم آبادی کے کلام کا انتخاب سامنے آ گیا۔ دو شعروں نے بہت متاثر کیا۔ آپ بھی ان سے لطف اندوز ہوں!!

ہر کہ رفت از خود بہ داغ تازہ ام ممتاز کرد

Marfat.com

آتش این کاروانها جملہ برجانِ من است
گویند بہشت است و ہمہ راحت جاوید
جائے کہ بہ داغے نہ تپد دل، چہ مقام است

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۳۶

۱- میں نے سیرۃ النبی ﷺ پر اپنے کتب خانہ میں موجود چند کتب کا تعارف کروایا تھا جن کے مطالعے سے میں مطمئن نہ تھا اور درخواست کی تھی کہ سیرۃ پر مستند کتب کی نشان دہی فرمائیں جنہیں میں کام میں لاسکوں۔ مکتوب اسی استفسار کے جواب میں موصول ہوا تھا یہ ابتدائی دور کا ذکر ہے اب تو الحمد للہ میرے کتب خانے میں خاصی معتبر اور مستند کتب کا ایک قابل قدر اور قابل فخر ذخیرہ موجود ہے۔

۲- سیرۃ پر اُردو میں مشہور کتاب تین جلدوں میں متعدد بار لاہور سے چھپ چکی ہے۔ مصنف کا انتقال حرمین شریفین سے واپسی پر بحری جہاز میں مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو ہوا۔ مولانا غلام رسول مہر مرحوم بھی اس جہاز میں سوار تھے۔ انہوں نے مرحوم کے تفصیلی حالات ایک مکتوب کی صورت میں قلمبند کروائے تھے۔ یہ مکتوب روز نامہ ''انقلاب'' لاہور ۲۳ جولائی ۱۹۳۰ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ جس کا عنوان ہے ''مصنف رحمۃ للعالمین آغوشِ رحمت میں'' اور اب یہ مکتوب مولانا مہر کے سفر نامہ حجاز مرتبہ ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری میں شامل ہے جسے مکتبہ اسلوب کراچی نے ۱۹۸۴ء میں شائع کیا۔

۳- مراد ہے مولانا ابوالکلام آزاد (یہ وضاحت موجودہ خطوط پر نظر ثانی فرماتے وقت مولانا مہر نے کی)

۴- مجوزہ ''سیرۃ ابراہیمی'' نہ ہی چھپی اور نہ ہی اس مسودہ کا سراغ لگ سکا۔

۵- ''خیر البشر'' نہیں بلکہ ''اصح السیر'' جیسا میرے استفسار پر اگلے گرامی نامہ میں تصریح کر دی گئی۔

۶- یہ کتاب اپنی افادیت اور معنویت کے لحاظ سے واقعی زاد المعاد (توشہ آخرت) ہے۔ عربی زبان میں ہونے کے سبب اس سے اُردو داں طبقہ محروم تھا، خدا بھلا کرے نفیس اکیڈمی کراچی والوں کا جنہوں نے اس کا ترجمہ سید رئیس احمد جعفری سے کرا کر ۶۳-۱۹۶۲ء میں چار جلدوں میں شائع کیا۔

۷- اس سے مراد Moulana Azad's Contribution to Education مطبوعہ بڑودہ ہے۔ کتاب ہذا مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۶۲ء کو مولانا کی نذر کر دی گئی۔

۸- یہ کتاب دو دفتروں پر مشتمل ہے۔ دفتر اول مشاہیر صوفیائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے۔ جبکہ دفتر ثانی ''سروِ آزاد'' شعرائے کرام کے حالات پر مشتمل ہے یہ کتاب کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن

Marfat.com

سے ۱۳-۱۹۱۰ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔

(۳۷)

GULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۵- اپریل ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- عذر خواہ ہوں کہ عرضِ جواب میں تاخیر ہو گئی- حقیقت یہ ہے کہ میری حالت بعض اوقات قابلِ رحم ہو جاتی ہے، مگر تفصیل غیر ضروری بھی ہے، بے کیف بھی اور بے سود بھی، بے کیف اس لیے کہ جن معذوریوں کا عموماً اظہار کرتا رہتا ہوں یعنی وقت کی تنگی اور مشاغل کی وسعت و پہنائی، ان میں نئی چیز کیا ہے؟ یہ رونا تو عمر بھر روتا رہا اور جب تک زندہ ہوں شاید ہی اس سے فراغت نصیب ہو- بے سود اس لیے کہ اس کے باوجود عزیزوں اور دوستوں سے تعلقات تو زندگی کی مینا میں بادۂ صافی کے تموج کی دلیل ہیں، ان سے احتراز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، البتہ اپنی بے بسی قائم ہے اور اس پیش پا افتادہ وفرسودہ عذر کو بار بار دہرانے کے سوا چارہ کار بھی کوئی نہیں کیونکہ ہر کوتاہی کا موجب یہی امر ہے-

ہاں بھائی، داناپوری مرحوم سے مراد مولانا عبدالرؤف کی ''اصح السیر'' ہی ہے

''سیرۃ ابن ہشام'' کا جو ترجمہ مولانا اسماعیل صاحب نے چھاپا ہے، میں نے دیکھا ہے۔ اس میں سے اشعار حذف کر دیے اور اشعار ہی کی وجہ سے سیرۃ لکھی گئی اگرچہ بے شمار اشعار بے تعلق ہیں- شیخ نیاز صاحب (۱) مع اشعار ترجمہ چھاپ رہے ہیں جو زیرِ طبع ہے مگر اس سے تفصیلات یقیناً معلوم ہوں گی- سیرۃ کا کیف و سرور موجود نہیں- وقائع کے حقائق و معارف سے وہ کتاب میرے محدود علم کے مطابق خالی ہے-

کتاب مل گئی تھی (۲) اس کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں- میں اب تک صرف چند صفحے دیکھ سکا - ان شاء اللہ پوری دیکھ لوں گا تو واپس کر دوں گا - اس میں کوئی خاص چیز نہیں-

بہت سی باتیں سیرت کے متعلق کرنے کی ہیں، آپ کبھی فرصت پا کر اطمینان سے تشریف لائیں گے تو بیٹھیں گے اور باتیں کریں گے-

Marfat.com

میں شرمندہ ہوں کہ بعض اوقات نادانستہ تاخیر ہو جاتی ہے آپ نے میری کوتاہیاں بارہا بہ نظر عفو دیکھی ہیں۔ اُمید ہے کہ اسی طرح مجھے نوازتے رہیں گے۔ بھائی سچی بات یہ ہے کہ محبت کی تڑپ کا مقابلہ دنیا میں کوئی چیز نہیں کر سکتی۔

نظیری کیا خوب کہہ گیا ہے:

جز محبت ہر چہ بردم سود در محشر نہ داشت

دین و دانش عرضہ کردم، کس بہ چیزے بر نہ داشت

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۳۷

۱- شیخ نیاز احمد صاحب (مہتمم شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور) نے اس سال (۱۹۶۲ء) میں ''سیرت ابن ہشام'' کا اُردو ترجمہ چھاپ دیا تھا۔ جس کے مترجم عبدالجلیل صدیقی صاحب ہیں اور نظر ثانی و ترتیب مولانا غلام رسول مہر کی ہے۔ ''سیرۃ ابن ہشام'' کے اُردو میں بعض اور تراجم کا بھی پتا چلا ہے جن میں سے بعض یہ ہیں۔ ۱- مولانا انشاء اللہ خاں ایڈیٹر ''اخبار وطن'' لاہور۔ بہ معاونت مولوی عبدالحکیم ردولوی- ۲- سید یٰسین علی نظامی دہلوی- ۳- دارالطبع عثمانیہ حیدرآباد دکن- ۴- شیخ محمد اسماعیل پانی پتی- ۵- مقبول اکیڈمی لاہور (ترتیب محمد احسان الحق) ۶- مقبول اکیڈمی حکیم امین الدین-

2- Moulana Azad's Contribution to Education by shri K. G. Saiyidain Maharaja Sayajirao Uinversity of Baroda.

(۳۸)

GULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

۱۵- اپریل ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

Marfat.com

عزیز مکرم: آپ کے جواب میں افسوسناک تاخیر ہوئی۔ میں بے حد مصروف تھا آپ کو علم نہیں کہ ''لاہوری'' جماعت مرزا غلام احمد کو نبی نہیں مانتی، صرف مجدد مانتی ہے۔ بلکہ انہیں اصرار ہے کہ مرزا صاحب صرف مجدد تھے، اور رسول ﷺ کے بعد کسی کو نبی ماننا موجب کفر ہے۔ مرزا صاحب کو مجدد ماننے کا معاملہ بھی میرے نزدیک تفصیل کا محتاج ہے۔ مرزا بشیر احمد (ابن مرزا غلام احمد) نے بھی ایک سیرت لکھی ہے جو مکمل نہیں ہوئی وہ مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں مگر آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ نفس واقعات اور متعلقہ مباحث کے اعتبار سے وہ کتاب بھی اچھی ہے البتہ مولانا محمد علی لاہوری کی طرح اس کتاب کا اسلوب بھی اچھا نہیں اور پیغمبر ﷺ کی سیرت میں داعیانہ انداز کا ہونا بھی ضروری ہے اس لیے اصل مقصود محض بیان نہیں ہے بلکہ ایسا بیان ہے جو دل میں اتر جائے۔

پھر سیرت کے خاص مباحث ہیں، ان سے یہ دونوں کتابیں بھی خالی ہیں اور افسوس کہ مولانا شبلی مرحوم کی سیرت میں بھی ان کا سراغ نہیں ملتا۔

ہاں ایک گروہ کا خیال یہی ہے کہ ابرہہ کی تباہی کا موجب ایک وبا تھی (ا) مگر آپ جانتے ہیں کہ تاویل، انکار نہیں، اقرار کی دلیل ہے اور اس سلسلے میں بہت سی نئی باتیں تاریخ کی روشنی میں آ گئی ہیں۔ اسی طرح قرآن مجید میں لوہے کے متعلق حضرت داؤد علیہ السلام کا جو شرف بیان ہوا ہے۔ اس کی تفصیلات بھی بروئے کار آ گئی ہیں۔ تفصیل زبانی ہی عرض کر سکتا ہوں لکھ نہیں سکتا۔ میرے نزدیک تو یہ تاریخی حقائق موجب ازدیاد و پختگی ایمان ہیں اور قرآن مجید کی تصدیق و توثیق مزید۔ ضروری نہیں کہ اس بارے میں صرف مفسرین کی توجیہات پر اکتفا کیا جائے، جنہیں صحیح حالات معلوم نہ تھے بلکہ خود پیشتر کے مورخوں کو بھی معلوم نہ تھے۔

آپ نے آخر میں ایک مصرع لکھا ہے:

جان من از فیض جانان ہست اکنوں کامیاب

مجھے معلوم نہیں اس کا دوسرا مصرع کیا ہے، میرے نزدیک یہ شعر نہیں، نثر منظوم ہے اور یقین ہے کہ یہ کسی شاعر کا شعر نہیں ہو سکتا، کسی ناظم کا ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ شعر کا معاملہ نازک ہے اور ہر منظوم کلام کو شعر قرار دے لینا میرے نزدیک مناسب نہیں۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں اور کوتاہی کو اضطراری سمجھیں گے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

Marfat.com

مہر

حاشیہ خط نمبر ۳۸

۱- مصنف ''سیرۃ خیر البشر'' نے خانہ کعبہ پر ابرہہ کے لشکر کو چیچک کی وبا سے تباہ ہونے پر محمول کیا ہے- سرسید احمد خاں نے ''خطبات احمدیہ'' میں بھی اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے-

(۳۹)

GULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۶- جون ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، آپ اپنے تصورات و تاثرات کی بنا پر متوقف ہو جائیں (۱) تو ظاہر ہے کہ میرے لیے غالباً مناسب نہ ہوگا کہ آپ کو لکھنے پر مجبور کروں- میری طرف سے تو ایسا اشارہ تک بھی کبھی نہیں ہوا- میں آپ کے توقف کی بنا پر یہ سوچنے لگا تھا کہ غالباً مجھ سے کوئی قصور سرزد ہو چکا ہے-

ایک معاملے میں البتہ میری طبیعت پر اک گونہ پہلوتہی کی سی کیفیت طاری رہی یعنی ایسے معاملات کا تحریری جواب دینے میں تامل، جن کی پوری تشریح تحریر کے بجائے گفتگو میں زیادہ مناسب طریق پر ہو سکتی تھی اور تحریر وقت طلب تھی- مگر میں نے تو آپ سے کبھی کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی، فرصت نہیں ہوتی تھی تو بے تکلف عرض کر دیتا کہ مجبور ہوں- اس لیے کہ مدت سے آپ کو اپنا عزیز خاص سمجھتا ہوں، جہاں تکلف اور بناوٹ کا پہلو پیدا ہی نہیں ہو سکتا- میں ویسے بھی فطرۃً تکلف اور بناوٹ میں اناڑی ہوں یعنی کوشش بھی کروں تو اس سلیقے سے مناسبت پیدا نہیں کر سکتا-

سیرۃ ابن ہشام کا رنگ دوسرا ہے- وہ دراصل مختلف واقعات کے متعلق، جن کا تعلق سیرۃ یا متعلقات سیرۃ سے ہے، اشعار کا مجموعہ ہے- سیکڑوں اشعار اس میں موجود ہیں- واقعات میں نہ ویسی ترتیب ہے اور نہ خاص معارف کا معاملہ پیش نظر رکھا گیا ہے البتہ کہیں کہیں ایسا جز مل جاتا ہے جس سے کسی خاص واقعے کا پس منظر سامنے آ جائے- آپ دیکھنا چاہیں تو ضرور دیکھ لیں مگر میرے نزدیک اس کے انتظار میں رہنا ضروری نہیں اور نہ بھی دیکھیں تو معمولات عامہ پر کوئی خاص اثر نہیں پڑے گا- یہ میری رائے ہے، ممکن ہے دوسرے کی رائے کچھ اور ہو-

Marfat.com

سیرۃ طیبہ ﷺ کے واقعات کی ہر ممکن تفصیل جاننا یا جاننے کا شوق رکھنا تقاضائے ایمان ہے، مگر میں سیرۃ کے مطالعے پر اس خیال سے زور دے رہا ہوں کہ زندگی کے بنیادی حقائق میں اس ''سراج منیر'' سے کسب ضیا کیا جائے - اس دنیا میں انسان کو زندگی کے اندر مختلف مراحل پیش آ سکتے ہیں، جن کے لیے اسے خاص روشنی درکار ہوگی - سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس کائنات کے بہترین انسان کی سیرۃ ہمارے لیے کیسی روشنی مہیا کرتی ہے، ایسی ہی روشنیوں کی بنا پر اس ذات پاک کو سب سے ارفع واعلیٰ مقام حاصل ہوا - دوسرے لفظوں میں اس مقدس ترین انسان اور داعی حق کا صراط مستقیم کیا تھا، جس پر چل کر انسان اس کائنات کی بہترین خدمت انجام دے سکتا ہے، اگر اس کے نشان مل جائیں تو سمجھنا چاہیے کہ سیرت ﷺ کا مطالعہ فائدہ مند ہوا - ورنہ ایک انسان کے سوانح یا متعلقہ تاریخی حقائق کو محض جان لینے سے علم میں کتنا ہی اضافہ ہو جائے مگر عمل واعتقاد کو کیا فائدہ پہنچا؟ اقبال نے جب کہا تھا:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

تو اس کے پیشِ نظر میرے تصور کے مطابق یہی حقیقت تھی اور ہم جو از روئے قرآن اس اُسوہ حسنہ کی پیروی پر مامور ہیں تو مدعا قطعاً یہ نہیں کہ ان تمام واقعات کا اعادہ بالاہتمام بہ تکلف اپنے اوپر کریں جو طبعاً رسول اللہ ﷺ کو پیش آئے - اس ماموری کی بنیاد و اساس یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حیاتِ طیبہ میں مختلف امور کے متعلق جو طرزِ عمل اختیار فرمایا، ہم بھی اسی طرزِ عمل کو اپنا مدار و محور بنائیں -

میں مولانا رحمہ اللہ کے مختلف مقالات و افادات کو (جن کا تعلق سیرت سے ہے) جمع کر رہا ہوں تو یہی غرض ہے کہ وہ حقائق نمایاں ہو جائیں جو ایک سچے مسلمان اور متبعِ سنت کی زندگی کا مرکز ہونے چاہییں - اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو، راہ مرضات پر استوار رکھے اور علم کی دولت سے ہمیشہ سرفرازی بخشے -

مولانا اشرف علی مرحوم تھانوی (۲) کی سیرۃ ﷺ میں نے نہیں دیکھی اس لیے کچھ عرض نہیں کر سکتا -

امید ہے آپ بہ خیر ہوں - اگر میری طرف سے کوئی ایسا اثر آپ کے قلب صافی پر ہوا جو مانع تحریر تھا یا ورود تحریر پر تاثر ناخوشی کے باعث سمجھا گیا تو بھائی معاف فرما دیں - میرے قصد و نیت کو اس سے کوئی بھی تعلق نہ تھا - واللہ علی ما اقول شہید (۳) اور انما الاعمال

Marfat.com

بالنیات (۴)

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۳۹

۱- اب کے خاصے دنوں کے توقف پر عریضہ سپردِ قلم کیا- یہ گرامی نامہ اس عاجز کے ساتھ ان کے محبت بھرے جذبات واحساسات کا عکاس ہے اور میرے لیے سرمایۂ افتخار ہے-

۲- اشارہ ہے ''نشر الطیب'' کی طرف-

۳- ترجمہ ''اللہ تعالی میرے قول پر شاہد ہے-''

۴- صحیح بخاری باب اول ''کیف بدؤ الوحی'' کی پہلی حدیث ہے- جس کا ترجمہ ہے ''اعمال کا دارومدار نیت پر ہے-''

(۴۰)

GULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TQWN
LAHORE

۲۵- جون ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، گرمی بے حد بڑھ گئی ہے یا سمجھ لیجیے کہ میرا جسم بہ تقاضائے سن کمزور ہو جانے کے باعث زیادہ حساس ہو گیا ہے یعنی گرمی محسوس زیادہ ہوتی ہے- بہر حال اگر کوئی دوست شام کے وقت آ جائے اور زیادہ وقت اس سے باتوں میں گزر جائے تو بعد مغرب اندر بیٹھا نہیں جاتا اور خط لکھنا مشکل ہو جاتا ہے، آپ کے جواب میں دوروز اسی طرح تاخیر ہوتی رہی-

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱) پہلے حیدرآباد میں تھے یا وہاں سے وابستہ تھے- وہ سلسلہ درہم برہم ہوا تو یہاں آئے، مگر فضا سازگار نہ دیکھی اور پیرس چلے گئے- جو دوست یورپ سے آئے انہوں نے بتایا کہ وضع قدیم کے علماء کی زندگی بسر کر رہے ہیں- ایک چھوٹا سا کمرہ کرائے پر لے رکھا ہے، خود ہی معمولی سا کھانا پکا لیتے ہیں اور سارا وقت کتب خانوں میں یا تحریر نگارش میں

Marfat.com

گزارتے ہیں- اخباروں اور رسالوں کے لیے مقالات بھی لکھتے ہیں اور کتابیں بھی مرتب کرتے ہیں- پچھلے دنوں قرآن مجید کا فرانسیسی ترجمہ ایک فرانسیسی کی اعانت سے مکمل کیا ہے-

ان کی کتابیں خاصی عمدہ معلومات سے لبریز ہوتی ہیں- میرے نزدیک ''عہد نبوی کے میدانِ جنگ'' سب سے بہتر ہے یعنی معلومات ونقطہ نگاہ کے لحاظ سے شاید آپ نے دیکھی ہو- مولانا شبلی مرحوم یا کسی دوسرے سیرۃ نگار نے غزوات کی صحیح کیفیت بیان کرنے پر توجہ ہی نہ کی اور مولانا شبلی مرحوم کی کتاب تو جغرافیائی نقطۂ نگاہ سے حد درجہ فرومایہ ہے، یہی کیفیت ان کی دوسری کتابوں کی ہے- ڈاکٹر حمید اللہ نے یہ کمی شایاں طریق پر پوری کر دی اور ابھی اس سلسلے میں خاصا کام باقی ہے-

مجھے ڈاکٹر صاحب ممدوح کا پتا معلوم نہیں ان سے تعارف بھی نہیں مگر مولانا محمد شفیع کے ادارے میں ان کا پتا موجود ہے کیونکہ دائرۃ المعارف کے لیے وہ مقالے لکھتے رہتے ہیں- ادھر جاؤں گا تو پتا لیتا آؤں گا-

سیرۃ (۲) لفظ عام ہے خاص نہیں اس لیے اس کے استعمال پر پابندی کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی- فرض کیجیے کہ مسلمان ایسا کر بھی لیں تو جو غیر مسلم عربی پڑھتے ہیں یا ان کی مادری زبان عربی ہے، وہ کیوں اس پابندی کو قبول کریں گے؟ میں تو اس طریق فکر ونظر کو درست نہیں سمجھتا باقی رہا مقام سیرۃ تو ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا مقام دوسرے شخص کے مقام سے اتنا بلند ہے کہ فصل کی پیائش کا سوال بھی خارج از بحث ہے- نیز سیرۃ سے محض سوانح نہیں بلکہ شخصیت کا پورا اخلاقی و مذہبی وطبعی نقشہ مقصود ہے-

مولانا محمد قاسم مرحوم کی کتاب (۳) نہ میں نے دیکھی اور نہ مجھے اس کا علم ہے- اگر آپ کو اس کا پتا مل سکے تو لطفاً مجھے بھی بتایئے مولانا کی اکثر کتابیں میرے پاس ہیں-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں اور فی الحال اس تحریر کو جو انتہائی عجلت میں لکھی گئی، اپنے اس دعاگوئے قدیم کی طرف سے قبول فرمائیں گے-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی

۱- ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس) کی کتب ..... ان کا پتا دریافت کیا- وہ اپریل ۱۹۹۲ء میں حکومت پاکستان کی دعوت پر تشریف لائے تھے اور کراچی، اسلام آباد، اور لاہور میں بعض تقریبات سے خطاب

Marfat.com

کیا- لاہور میں ان کا یہ خطاب ۱۳۰ پریل کو الحمرا میں تھا- جس کا موضوع تھا ''سیرت طیبہ ﷺ کا پیغام عصر حاضر کے نام'' اس میں انہوں نے اسلام میں عورت کے سربراہِ مملکت ہونے کے جواز پر بھی اظہارِ خیال کیا- ڈاکٹر صاحب تو پاکستان سے رخصت ہو گئے لیکن ان کے اس فتوے پر پاکستان کے اخبارات میں کافی دنوں ایک ہنگامہ بپا رہا- عورت کے سربراہِ مملکت ہونے کے جواز یا عدم جواز پر متعدد مقالات و مضامین اخبارات میں شائع ہوئے جس میں روزنامہ ''جنگ'' لاہور نے سب سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا- اس بحث کا آغاز جسٹس ریٹائرڈ جاوید اقبال نے کیا- (جنگ ۱۳ مئی ۱۹۹۲ء)

۲- مولانا کے جواب سے انشراح صدر ہوا- وگرنہ میں اس لفظ کو صرف آنحضرت ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے ہی مخصوص سمجھتا تھا-

۳- مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب کا نام ''آبِ حیات'' ہے- زبان ادق اور فلسفیانہ موشگافیوں سے مملو ہے- عوام کی سمجھ سے بلکہ اکثر علماء کی بھی سمجھ سے بالا ہے- اس کا پہلا اور آخری ایڈیشن غالباً مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۹۰۵ء میں چھپا- (۱۳۸۶ھ - ۱۹۶۷ء) میں اس کا بہت خوبصورت ایڈیشن مع شرح مطبوعات مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند سے چھپا اور تقریباً دس سال قبل ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان نے اس کو شائع کیا- (ارشد مدیر الرشید لاہور)

(۴۱)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

۵- جولائی ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- محبت میں بعض اوقات ایسی باتیں زبان پر آجاتی ہیں، جن میں معقولیت کم ہوتی ہے اور زندگی کے حقائق ایسے ہیں کہ عقل و فکر کو رفیق و پاسبانِ محبت بنائے بغیر چارہ نہیں میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا ایک خاصہ یہ بھی تھا کہ کبھی محبت کو عقل سلیم کے ضوابط سے باہر نہ ہونے دیا- ہماری محبت بھی بے قید اور مغلوب الجذبہ نہ ہونی چاہیے، کیونکہ اس معاملے میں ایک خاص دائرے سے تجاوز نہیں کر سکتے۔ دیکھیے رسول اکرم ﷺ کی ذات بابرکات سے بڑھ کر اس دنیا میں مسلمان کی محبت کا مرکز و مرجع کیا ہے- خود آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''کوئی فرد اس قت تک صاحب ایمان ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک مجھے اپنے باپ، اولاد اور تمام نسانوں سے محبوب تر نہ مان لے-'' بایں ہمہ یہ بھی فرمایا کہ مجھے اس طرح بڑھا کر پیش نہ کرنا جس

Marfat.com

طرح نصارٰی نے مسیح علیہ السلام کو بڑھا کر پیش کیا- پھر قرآن میں واضح طور پر فرمایا گیا ''انما انا بشر مثلکم ''(۱) اور کلمۂ شہادت میں رسول اللہ ﷺ کی عبدیت کو رسالت پر مقدم رکھا-

اشهد ان محمداً عبدهٗ و رسوله-

سیرۃ عربی کا لفظ ہے- اس کے معنی کسی فرد کے تعلق میں مخصوص نہیں ہو سکتے اور یہ امر منافی حُب رسول اللہ ﷺ نہیں کیونکہ معیار حب وعشق کسی خاص لفظ کا خاص طریق پر استعمال نہیں بلکہ دوسرا ہے پھر راہ حق میں قربانیوں کا معاملہ آتا ہے- اس میں بھی مسلمان کا جذبۂ قربانی محض محبت کا کرشمہ نہیں- جس کا تعلق صرف جذبات سے ہے بلکہ حق کی ایک خاص صورت کے قیام وتحفظ میں عزم کا کرشمہ ہے جس کا تعلق عقلِ سلیم سے ہے-

یہاں حدود کا معاملہ بہت نازک ہے اور اس پر ٹھنڈے دل سے غور کیے بغیر حقائق سمجھ میں نہیں آسکتے -توازن بے حد ضروری ہے اور یہی توازن دراصل معیار ایمان حقیقی ہے-

میں ''آب حیات'' (۲) کو ضرور دیکھوں گا- مولانا محمد قاسم مرحوم کے متعلق سنا اور پڑھا کہ بہت بڑے داعی تھے- تقریر وتحریر دونوں میں بلند مقام حاصل تھا- خصوصاً مناظروں میں کوئی شخص ان کے مقابل ٹھہر نہیں سکتا تھا، میں ان کے جذبہ اسلامیت سے ہمیشہ متاثر رہا، مگر تحریر میں مولانا رشید احمد مرحوم گنگوہی کو برتر سمجھتا ہوں- مولانا (۳) کی بہت سی کتابیں ہیں- مثلاً حجتہ الاسلام، قبلہ نما، ہدایتہ الشیعہ، مختلف مباحثے ہیں- میں نے جب کبھی انہیں پڑھا، زیادہ پیچیدہ اور کم تاثیر پایا، ممکن ہے یہ میری کم علمی کا نتیجہ ہو، ورنہ مولانا کی قدر ومنزلت میرے دل میں بہت زیادہ ہے-

بدایونی کی کتاب ''منتخب التواریخ'' اب کمیاب ہے، ترجمہ میں نے نہیں دیکھا- اصل فارسی کتاب جو بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں طبع ہوئی تھی، میرے پاس ہے- میرے نزدیک تو ایسی کتابوں پر روپیہ نہ صرف کرنا چاہیے- ایک نظر دیکھ لینا کافی ہے- جن کتابوں پر روپیہ خرچ ہونا چاہیے، وہ اس کتاب سے مختلف ہیں- اس میں ہندوستان کے اسلامی دور کی مختصر تاریخ ہے- اکبر کے عہد کے حالات نسبتاً زیادہ ہیں- پھر ایک جلد میں اکابر علماء، مشائخ، شعراء وغیرہ کے حالات دیے ہیں- یہ معلومات ہر جگہ سے مل سکتی ہیں- بدایونی کو شہرت مولانا ابوالکلام رحمہ اللہ اور مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم (۴) نے دی، کیونکہ اس میں سے ایسے بیانات اکبر کی مذہب سے بے اعتنائی کے متعلق شائع کیے، جو میرے نزدیک مبالغہ آمیز بھی تھے اور نقطہ نگاہ کے لحاظ سے بھی حد سے بڑھے ہوئے تھے- ہاں اصل فارسی کتاب مل جائے تو اس لیے خریدی جاسکتی ہے کہ ایک کمیاب

Marfat.com

شے ہے- ترجمہ کیا خریدیں گے-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی کا املا مستشرقین اور دوسرے اہل یورپ کے ہاں مختلف پایا گیا- آپ نے "Mohd" بھی لکھا یہ دراصل اسم مبارک کے بجائے اس کا ایک خلاصہ پیش کیا ہے انگریزی میں ایسی تلخیصات عام ملتی ہیں- اب امریکہ نے پورے ناموں کے بجائے صرف ناموں کے ابتدائی حروف ہی کو ملا کر ایک مستقل نام بنانے کا سلسلہ جاری کر دیا ہے- مثلاً سنفرنریٹی آرگنائزیشن کے بجائے ''سنٹو'' وغیرہ-

صحیح املا "Muhammad" (۵) ہے جو عربی نام کو ٹھیک پیش کرتا ہے-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- میری طبیعت پچھلے دنوں دو مرتبہ جادۂ اعتدال سے منحرف ہوئی- اب بحمد اللہ قدرے بہتر ہوں- اگرچہ دواؤں کے چکر سے باہر نہیں نکل سکا-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہ

حواشی خط نمبر ۴۱

۱- سورہ کہف آیت نمبر ۱۱۰ ترجمہ میں بشر ہی ہوں تمہاری طرح-

۲- مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ کی کتاب ''آب حیات'' کی طرف اشارہ ہے-

۳- مولانا سے مراد مولانا محمد قاسم نانوتوی ہیں، رحمہ اللہ تعالیٰ-

۴- مولانا مناظر احسن گیلانی مشہور دیوبندی عالم دین جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں شعبہ دینیات سے منسلک رہے اور ۱۹۴۹ء میں ریٹائر ہوئے- ریٹائرمنٹ کے بعد اپنے وطن گیلان چلے گئے تھے- وہیں ۶۴ برس کی عمر میں ۵ جون ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا- مختلف علوم وفنون پر متعدد کتابیں اور سیکڑوں مضامین سپردِ قلم فرمائے جوان کی قوت اجتہاد مطالعہ کی وسعت اور فہم وذکا کی بلندی پر دال ہیں موصوف کی چند اہم کتابوں کے نام یہ ہیں: النبی الخاتم- تدوین حدیث- حضرت امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی- تذکرہ شاہ ولی اللہ- نظامِ تعلیم وتربیت- مقالات احسانی-

۵- محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحیح ہجے یہی ہیں اور یہی ہجے حکومتِ پاکستان نے اختیار کیے ہیں اور ایک فرمان کے ذریعہ سرکاری دفاتر میں بھی یہی ہجے اختیار کرنے کو کہا گیا ہے-

Marfat.com

(۴۲)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- سمجھ میں نہ آیا کہ ''عبد'' اور ''عبدہٗ'' کی تفریق سے آپ نے کیا ثابت کرنا چاہا؟ رسول اللہ ﷺ کے رُتبہ کی انتہائی بلندی اور بے مثال علو؟ اس سے انکار کس نے کیا؟ ایسا انکار تو کبھی میرے خواب وخیال میں بھی نہیں آیا- فرض کر لیجیے کہ آپ کے ارشاد کے مطابق ''عبد'' اور ''عبدہٗ'' میں بہت فرق ہے-مگر کیا اس سے رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات مقام عبدیت سے باہر نکل جاتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو میرے نزدیک یہ منافی تعلیمات حقہ اسلام ہے- اگر ایسا نہیں اور مقصود محض مقام کی بے نہایت بلندی ہے تو اس سے میری گزارش پر کیا اثر پڑا؟ حضرت علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ کے منقولہ اشعار اس سے زیادہ کچھ ثابت نہیں کرتے، اگرچہ آپ جانتے ہیں کہ شعرا کے اسلوب بیان میں لچک زیادہ ہوتی ہے- ابہام کی فراوانی کے بغیر کلام میں زور اور لذت پیدا نہیں ہوتی، مگر اصل معاملہ صرف اتنا ہے کہ منزل عبدیت سے کچھ باہر نہیں اور یہ بھی حرفاً حرفاً درست ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مگر یہ ساری بندگی، ساری کرامت اور ساری برتری مقام ''عبدیت'' میں ہے اس سے باہر نہیں-

خود قرآن مجید پر ایک نظر ڈال لیں تو بے شائبہ ریب رسول اللہ ﷺ کے لیے ''عبدہٗ'' اور ''عبدنا'' کے الفاظ موجود ہیں- مثلاً سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً (۱)- انزل علی عبدہ الکتاب (۲) نزل الفرقان علی عبدہ، (۳) فاوحی الی عبدہ مااوحی (۴)- مما نزلنا علی عبدنا (۵)- ''عبدنا'' کے الفاظ حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے لیے بھی آتے ہیں- مثلاً واذکر عبدنا داؤد (۶) واذکر عبدنا ایوب (۷)، کذبت قبلھم قوم نوح فکذبوا عبدنا (۸) (القمر) عبدہ، حضرت زکریا علیہ السلام کے لیے موجود ہے دیکھیے ''سورہ مریم'' ذکر رحمت ربک عبدہ، زکریا- (۹)

Marfat.com

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد رحمہ اللہ نے سب سے پہلے غالباً ۱۹۱۶ء میں یہ نکتہ واضح کیا تھا کہ قرآنِ مجید میں جس پیغمبر کے لیے ''عبدٗ'' کا لفظ آیا اس کے ساتھ نام بھی آیا۔ مثلاً داؤد علیہ السلام، ایوب علیہ السلام اور خود زکریا علیہ السلام، مگر بغیر نام کے ''عبدٗ'' کا ذکر صرف رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات کے لیے آیا، گویا رسول اللہ ﷺ ''عبدیت'' میں ''لاشریک'' تھے مگر عبدیت میں، اس سے زیادہ نہیں۔

اور ''عبدہٗ'' کا مطلب آپ کے خیال کے مطابق خود حضرت علامہ کے نزدیک کیا ہے؟ محض یہ کہ وہ ذات پاک جس کی عبدیت و بندگی کو اللہ تعالیٰ نے امتیاز خصوصی بخشا۔ اس کے سوا اگر کوئی مطلب ہے تو وہ سوچیے اور بتایئے۔ اس میں کسے کلام ہوسکتا ہے؟ پھر امتیاز کی بنیاد کیا ہے؟ یہ کہ عبدیت حقہ و کاملہ کا ایک ایسا نقشہ اس ذات بابرکات نے اس دنیا میں پیش کیا کہ اس سے بہتر نقشہ تصور میں بھی نہیں آسکتا۔ تاہم وہ ''عبدہٗ'' ہی رہے اور ''عبدیت'' ہی ان کی حقیقی شان ہے۔ ''صلی اللہ علیہ وسلم''۔ اگر وہ مقام ''عبدیت'' سے بالا تھے تو عباد اللہ کے لیے اسوۂ حسنہ کیوں کر بن سکتے تھے؟ معلم و داعی کی حیثیت کیوں کر اختیار کر سکتے تھے؟ حضور ﷺ کی ذات بابرکات تو پوری کائنات انسانیت کے لیے قیامت تک رہنمائی کی واحد روشنی اور ہدایت کا یگانہ نور ہے اگر آپ ''عبدٗ'' نہ تھے تو یہ سب کچھ پورا کیوں کر ہوا؟ بے شک حضور ﷺ کی عبدیت کا مقام اتنا بلند ہے کہ ملائکہ بھی اس کی مثال پیش نہیں کر سکتے۔ مگر کیا آپ کو یہ اندازہ نہیں کہ یہ سب انسانیت یعنی عبدیت کا شرف ہے؟ جس ذات پاک نے انسانوں کے لیے قدسیوں سے بھی بالاتر مرتبے کی نشاندہی فرمائی اور اس مرتبے پر پہنچ کر دکھا دیا، اس سے بڑا محسن انسانیت اور ہادی حق اور کون ہو سکتا ہے؟ مگر خود اس ذات پاک نے اپنی تعلیم مقدسہ اور اپنے عمل پاک سے جو کچھ ہمارے سامنے پیش کر دیا، اس سے بال برابر بھی انحراف جائز نہیں۔ لوگوں نے حب رسول ﷺ کا نام لے کر جو انحرافی چیزیں کہیں یا کیں، اس ذات پاک کی تعلیمات سے خارج ہوئیں اور انہیں حقیقی محبت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس محبت کا پیمانہ بھی حضور ﷺ کی ذات بابرکات ہے یعنی حضور کی تعلیمات وارشادات۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بڑھ کر اس ذات مقدس کا شیدائی اور فدائی بھلا کون ہوسکتا ہے؟ جنہوں نے اپنا سب کچھ اس پاک وجود کے ساتھ ہو کر بے دریغ راہ خدا میں قربان کر دیا؟ مگر کیا آپ کو صدیقؓ یا فاروقؓ جیسے بزرگوں کی زبان سے ایک کلمہ بھی ایسا پہنچا جو اس مسلک حق کے عین مطابق نہ تھا؟ میں مجبور ہوں سب کچھ لکھ نہیں سکتا آپ یقین رکھیں کہ ہم

Marfat.com

کلام کی تاویل کر سکتے ہیں، تاویل نہ ہو سکے تو اسے ٹھکرا سکتے ہیں، مگر کسی کلام کو رسول اللہ ﷺ کی ذات بابرکات یا اسلام کی تعلیمات حقہ کے خلاف قبول نہیں کر سکتے چہ جائیکہ اسے دلیل و برہان بنائیں- (۱۰)

طبری سے جو واقعہ نقل کیا وہ بخاری میں موجود ہے اور ہجرت میں پیش آیا- اس میں بتایا گیا ہے کہ ایک غلام بکریاں لیے آ رہا تھا وہ مدینہ یا مکہ کے کسی شخص کا ملازم تھا (دونوں مقاموں کے نام آئے ہیں) حضرت ابوبکرؓ نے پوچھا کہ کسی بکری کے تھنوں میں دودھ ہے؟ وہ ایک بکری پکڑ لایا- حضرت ابوبکرؓ نے اس کے تھن خوب صاف کیے، دودھ نکالا رسول اللہ ﷺ اس وقت محو استراحت تھے، جب آپ بیدار ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ نے تھوڑا سا پانی ملا کر خدمت اقدس میں پیش کیا-

میں نہیں سمجھ سکا کہ اس پر خلش (۱۱) کا سبب کیا ہوا- یہ واقعہ غارِ ثور سے نکلنے کے بعد تیسرے یا چوتھے دن بعد دوپہر پیش آیا، گویا اس غلام سے ملاقات مکہ و مدینہ کے وسط راہ میں ہوئی- کوئی شخص نہیں کہہ سکتا کہ وہ روزانہ بکریاں چرا کر مکہ یا مدینہ لے جاتا تھا، جن کا فاصلہ اس مقام سے کم از کم ایک سو میل ہوگا، بکریاں چرانے کے لیے اسے بھیج دیا تھا بہر حال سب کا دودھ خشک نہ ہوگا اور اسے اجازت ہوگی کہ دودھ خود پیے یا کسی کو پلا دے اور نہیں کہا جا سکتا، اغلب ہے حضرت ابوبکرؓ نے اسے پیسے دے دیے ہوں یا اس غلام نے عرض راہ میں مسافروں کی ضرورت پوری کر دینا مناسب سمجھا ہو- روایت کے ظاہر الفاظ سے قطعاً ثابت نہیں ہوتا کہ اس غلام کو ڈرا دھمکا کر یا جبراً دودھ نکال لیا گیا تھا- جو چیز اس نے خود بہ طیب خاطر دے دی اس پر خلش کیوں ہو؟ ایسے معاملات میں بیشتر اطراف واقعہ بالکل واضح ہوتے ہیں اور ضروری نہیں ہوتا کہ ایک ایک چیز کی تصریح کی جائے- نیز محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو واقعہ جس صورت میں آیا ہے- اسے اسی صورت میں پیش کر دیا جائے- تفصیلات ہم خود سوچ سکتے ہیں- واقعہ بالکل واضح ہے- مولانا شبلی نے سیرت جلد اول میں اس سے حضرت ابوبکرؓ اور رسول اللہ ﷺ کے احساس نظافت کا ثبوت بہم پہنچایا ہے یعنی جب تک بکری کے تھن میل کچیل سے صاف نہ کر لیے، دودھ نہ نکلوایا-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- میری طبیعت اچھی نہ تھی، سخت بارش ہوگئی اور میرا آدمی (جو لکھتا ہے) بھی نہ آیا- اس وجہ سے طبیعت مکدر تھی پھر یہ کہ قلم نے ہر دو سطر کے بعد جواب دینا شروع کیا- میں نے اٹھنے اور قلم بدلنے میں تساہل سے کام لیا- معافی چاہتا ہوں-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

Marfat.com

دعا گو

مہر

ضمیمہ

عزیز مکرم میں آپ کا خط بچے کو دے رہا تھا کہ اندر میری الماری کے اس خانے میں رکھ دے، جس میں عموماً خطوط رہتے ہیں، عین اس وقت ایک فقرے پر نگاہ پڑی تو متعجب رہ گیا۔ یعنی اگر انما انا بشر مثلکم وغیرہ کا ترجمہ محض بشریت اور عبدیت ہی تک محدود رکھیں تو

''ایک عام انسان اور پیغمبر خدا کی شخصیت میں تمیز بہت مشکل ہو جائے گی''

تعجب کا سبب یہ کہ آخر پیغمبر خدا ﷺ بشر نہ تھے تو کیا تھے؟ سب کو معلوم ہے کہ آپ ﷺ حضرت عبداللہ کے بیٹے تھے، حضرت آمنہؓ سے شادی ہوئی، بیٹیاں اور بیٹے پیدا ہوئے، نبوت عطا ہوئی دعوت شروع کی، دکھ اُٹھائے، زخم کھائے، ہجرت کی، لڑائیاں پیش آئیں، آخر جب دعوت آخری منزل پر پہنچ گئی تو آپ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

یہ تمام اوصاف ایک بشر کے ہیں یا غیر بشر کے؟ اگر ان میں کوئی چیز ایسی ہے، جو غیر بشر کی ہو تو فرمایئے؟

اور انسانوں کی ہدایت کے لیے خدا انسان کے سوا کسے مبعوث کرتا؟ کفار تو یہ اعتراض کرتے رہے کہ ہم بشر کو جو ہمارے جیسا ہے داعی حق قبول کر لیں؟ اور آپ بشریت کو بدلنے کی فکر میں ہیں۔ یہ نہایت دلچسپ قصہ ہے۔

یقیناً رسول اللہ ﷺ پوری کائنات بشریت سے افضل و اعلیٰ تھے، مگر اس لیے نہیں کہ غیر بشر تھے۔ اس لیے اور صرف اس لیے کہ بشر ہونے کی حیثیت میں بشریت کے محامد و اوصاف اور فضائل و مکارم اخلاق کا ایک نقشہ پیش فرمایا جو اپنی قدرت و اعجاز کی بنا پر بشریت سے بالاتر معلوم ہوتا ہے۔ اس سے انکار انکار ہدایت ہے، مگر بشریت کے قبول میں تذبذب شرف انسانیت اور اکرام بشریت کے متعلق شک و ارتیاب کی دلیل ہے۔ گویا رسول اللہ ﷺ جو مقصد لے کر اس دنیا میں آئے تھے یعنی بشریت کے کمالات کی نمائش ان میں آپ کو تامل ہے۔ آپ یہ پسند نہیں فرماتے کہ بشریت کی عظمت لامتناہی کے قائل ہو جائیں، یہ پسند فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور عام انسان میں ظاہری فرق یعنی مادی جسم کے فرق پر زور دیتے رہیں۔

بھائی، معاملہ ایسا نہیں۔ آپ اس پر غور فرمائیں میری طبیعت اچھی ہو تو اس پر مزید لکھوں گا۔ ان شاء اللہ۔

Marfat.com

مہر

حواشی خط نمبر ۴۲

۱- سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱ (ترجمہ) پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں۔

۲- سورۂ کہف، آیت نمبر ۱ (ترجمہ) نازل فرمائی اپنے بندے پر یہ کتاب۔

۳- سورۂ فرقان- آیت نمبر ۱ (ترجمہ) اُتارا فرقان اپنے بندہ پر۔

۴- سورۂ نجم آیت نمبر ۱۰ (ترجمہ) پس وحی کی اللہ نے اپنے بندے کی طرف جو وحی کی۔

۵- سورۂ البقرہ- آیت نمبر ۲۳ (ترجمہ) جو ہم نے نازل کیا اپنے بندے پر۔

۶- سورۂ ص آیت نمبر ۱۷ (ترجمہ) اور یاد کرو ہمارے بندے داؤد کو۔

۷- سورۂ ص آیت نمبر ۴۱ (ترجمہ) اور یاد کیجیے میرے بندے ایوب کو۔

۸- سورۂ القمر آیت نمبر ۹ (ترجمہ) جھٹلایا ان سے پہلے قوم نوح نے یعنی انہوں نے جھٹلایا ہمارے بندے کو۔

۹- سورۂ مریم آیت نمبر ۲ (ترجمہ) یہ ذکر ہے آپ کے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر فرمائی۔

۱۰- مولانا نے گزشتہ گرامی نامہ میں آں حضرت ﷺ کی ذات ستودہ صفات کے متعلق بھی بشر اور عبد کے الفاظ کا حوالہ دیا تھا- میں نے جواباً بلا تامل تحریر کیا کہ اگر ہم آں حضرت ﷺ کی ذات بابرکات کے متعلق بھی بشر اور عبد کے الفاظ استعمال کریں گے تو پھر ایک عام انسان اور پیغمبر خدا ﷺ کی شخصیت میں تمیز بہت مشکل ہو جائے گی اور اپنی بات کے جواز میں جاوید نامہ سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے اشعار بطور استشہاد پیش کیے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

عبدہ از فہم تو بالا تر است
زانکہ او ہم آدم و ہم جوہر است

یہ وضاحت اسی سلسلے میں کی گئی بلکہ جب اس وضاحت سے بھی مولانا کی طبیعت مطمئن نہ ہوئی تو انہوں نے مزید وضاحت کے لیے ضمیمہ بھی لکھا جو اس گرامی نامہ کے متعاقب ہے۔

۱۱- واقعہ کا تو مولانا نے اعادہ کر ہی دیا ہے- خلجان یہ تھا کہ چرواہے نے بکری دوہنے کی اجازت خود کس طرح دی جب کہ وہ خود ملازم تھا اور ظاہر ہے کہ مالک کے مال میں اسے تصرف کا حق نہ ہوگا اور نہ ہی آپ ﷺ نے نوش کرتے وقت دریافت فرمایا دودھ کہاں سے دستیاب ہوا- یہ تفصیل اس خلش کے رفع کرنے کو کی گئی۔

Marfat.com

(۴۳)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۴-اگست ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- دو تین مرتبہ وقت نکالنے کی کوشش کی کامیاب نہ ہوا- مبادا آپ کچھ اور سمجھیں یا میری کوتاہی کو کسی اور بات پر حمل کریں یا سمجھیں کہ آپ کا نامہ گرامی نہ ملا، یہ عریضہ لکھ رہا ہوں-

ان شاء اللہ ایک دو روز میں فرصت نکال کر چند سطریں لکھوں گا-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو مہر

جناب محمد عالم صاحب مختار حق
موضع جھگیاں ناگرہ، ڈاکخانہ ڈھولن وال
براہ اچھرہ- ضلع لاہور

(۴۴)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- میں ایک عریضہ پہلے روانہ کر چکا ہوں، اُمید ہے مل گیا ہوگا- آج صبح نوافل ونماز سے فارغ ہو کر بیٹھا تھا تو خیال آیا کہ آپ کو چند سطریں لکھ دوں- پھر اچانک بعض کتابوں کی تلاش میں مصروف ہو گیا اور صبح کا سارا کیف انگیز وقت الماریوں کا گرد وغبار سر و چہرے پر لگاتے رہنے میں گزر گیا-

Marfat.com

آپ نے جن حدیثوں (۱) کا حوالہ دیا ہے، وہ لطفاً اہل علم سے پوچھیں میں ان کے متعلق کچھ عرض نہیں کرنا چاہتا - صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ ''نور'' سے آپ کیا مراد لیتے ہیں؟ یقیناً آپ یہ تو نہیں مانیں گے کہ اس سے رسول اللہ ﷺ کا ''جسم'' مراد ہے جو نور کا نہیں تھا - آپ کھاتے تھے، پیتے تھے، آپ نے زخم کھائے، مشقتیں اُٹھائیں، لڑائیاں کیں، شادیاں کیں، غرض انسانوں کی لیے زندگی کے زیادہ سے زیادہ جامع مناظر بہ طور اسوۂ حسنہ پیش کیے - ''نور'' سے بہر حال مراد فطرت صحیحہ ہے جو سراپا سعادت میں گندھی ہوئی تھی - اس اعتبار سے آپ یقیناً ''نور'' تھے، اس لیے بھی کہ خود چمکے اور قیامت تک چمکتے رہیں گے، پھر جہاں اس نور کا پرتو پہنچا اسے بھی چمکا دیا - اس میں نہ کسی کو کبھی کلام کی گنجائش ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے - کم از کم مجھے تو قطعاً نہیں کیونکہ اپنی ناچیز بساط کے مطابق اس نور کی عالمی کارفرمائیوں سے ایک حد تک آگاہ ہوں - اگر مفہوم یہی ہے تو یہ نہیں اس قسم کی دس ہزار روایتیں لے لیجیے میں بحث کیوں کروں؟ مگر کسی مستند کتاب میں ایسی روایتیں آپ کو ہرگز نہ ملیں گی -

اور آیہ مبارکہ قد جآء کم من اللہ نور و کتاب مبین سے بھی یہی مراد ہے، یعنی اسوۂ حسنہ و سنت مبارکہ اس کے نور ہونے میں بھی کلام نہیں اور آپ کو علم ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی نور کا لفظ آیا ہے - الذی جاء بہ موسیٰ نورا (۲) - قرآن میں ''نور'' کے اور محل بھی ہیں - یہاں تک کہ اللہ نور السمٰوات والارض (۳) بھی ہے -

مخالف تو رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کرتے تھے کہ مال ھذا الرسول یاکل الطعام و یمشی فی الاسواق ؟ (۴) اور ہم حضور ﷺ کو کچھ اور بنانے کی سعی ضروری سمجھتے ہیں، اگر آپ انسان (بہ ظاہر عام انسانوں جیسے انسان) نہ ہوتے تو ہمارے لیے نمونہ عمل کیوں کر بن سکتے ؟ پھر آپ نے ایک ایسی زندگی بسر کی جو ہر انسان کی دسترس میں ہے، بہ شرطیکہ اس میں عزم ہو - باایں ہمہ وہ زندگی سراپا معجزہ ہے - ایسا معجزہ جس کا کوئی جواب بہ ظاہر ممکن ہی نہیں -

آپ یقین رکھیں کہ صحیح پوزیشن وہی ہے جو میں نے عرض کی تھی - واعظین اور قصاصین کے قصوں اور داستاں سرائیوں سے اصل حقیقت بدل نہیں سکتی - محبت وہی ہے جو عین مطابق شریعت اور مطابق فرمودہ ہائے رسول ﷺ ہو جو محبت اس سے متجاوز ہو، وہ محبت نہیں کچھ اور ہے -

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں - میری طرف سے جو تاخیر ہوئی اس کے لیے عفو خواہ ہوں - اب تک حیدر آباد جانے کے لیے پابرکاب ہوں کوئی نہ کوئی معاملہ روزانہ عنانگیر ہوتا رہتا ہے -

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

Marfat.com

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۴۴

۱- میرا اشارہ احادیث نور کی طرف تھا (ا) اول ما خلق اللہ نوری (ب)-انا من نور اللہ و الخلق کلھم من نوری وغیرھم-

۲- سورۂ انعام آیت نمبر ۹۱ (ترجمہ) جسے لے آئے تھے موسیٰ نور تھی-

۳- سورۂ نور آیت نمبر ۳۵ (ترجمہ) اللہ نور ہے آسمانوں اور زمیں کا-

۴- سورۂ الفرقان آیت ۷ (ترجمہ) کیا ہوا ہے اس رسول کو کہ کھانا کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں-

(۴۵)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

۹- دسمبر ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- آج ایک عجیب واقعہ پیش آیا- میں ۲۶ اگست کو حیدرآباد اور کراچی چلا گیا تھا- پرسوں واپس آیا اور جیسا کہ اندیشہ تھا آتے ہی تبدیل آب وہوا اور اختلال اوقات طعام ونشست وبرخاست وغیرہ سے متاثر ہوا- شروع میں محض خراش گلو محسوس ہوئی تھی، مگر میں جانتا تھا یہ نزلے کے مقدمات ہیں، اتفاق یہ کہ ڈاکٹر نے تاکید کی تھی میوہ زیادہ کھاؤ میں نے مختلف چیزیں منگوائیں اور یہ بھی کہہ دیا کہ انگور ضرور لانا، کیونکہ موسم کا میوہ ہے اور مجھے مرغوب ہے- انگور آیا تو میں نے شکل دیکھتے ہی کہا کہ یہ پشاوری ہے، جو پاکستان بن جانے کے بعد اہل لاہور کے لیے بطور خاص ایک مصیبت عظمیٰ بن گیا ہے- اہل سرحد کی خاطر داری کے پیش نظر کوئٹہ کا مال بطور خاص روکا جاتا ہے تاکہ پشاوری مال خوب بک سکے، میں نے چند دانے کھائے تو یقین ہو گیا کہ پشاوری ہے- اور میرے حلق کی نزاکت جس کے لیے وہ معمولی ترشی بھی قیامت بن جاتی ہے، جو دوسروں کو شاید محسوس تک نہ ہو- بہرحال اس کے بعد حضرت نزلہ برق پائی سے تشریف لے آئے- کل اور پرسوں ایسی حالت رہی کہ مجھے نزلے کے دوران میں اس کا شاید ہی تجربہ ہوا ہو- میں نے آج

Marfat.com

ہوئے خطوط دیکھے اور بے خیالی سے مختلف خطوط کھول کر اِدھراُدھر رکھوا دیے- اب اٹھا ذرا طبیعت اچھی ہے- کراچی کے ایک مکتوب کا جواب ضروری تھا- اسے جا بجا تلاش کیا، نہ ملا میں نے دراز کا وہ خانہ نکلوایا جس میں خطوط عموماً رکھتا جاتا ہوں- وہ بھر جاتا ہے تو لفافوں میں ڈال کر ایک طرف رکھوا دیتا ہوں- اسے دیکھا تو سب سے پہلے آپ کا محبت نامہ ملا میں نے سمجھا کوئی پرانا خط ہے- دیکھا تو اس میں لفافہ ہے- حیران ہوا یہ کیا بات ہے؟ خط پڑھا تو اور بھی حیرت ہوئی کیونکہ آخر میں اس پر غالباً ۳ ستمبر کی تاریخ ثبت تھی-

عجیب واقعہ یہ کہ میں نے خط کھولا ضرور، پڑھا یا نہیں پڑھا، کہہ نہیں سکتا، مگر اس کے مضمون کے متعلق کوئی یاد ذہن میں نہ تھی- تعجب کا دوسرا پہلو یہ کہ اگر کراچی والا خط گم نہ ہوتا تو مجھے تلاش کا خیال بھی نہ آتا، آپ کا محبت نامہ خانے ہی میں پڑا رہتا اور دو چار روز میں خطوط کے نیچے دب جاتا- مگر آپ کے جذبہ محبت نے کام کیا اور باوصف ذہول مجھے اس کے مطالعے اور عرض جواب سے محروم نہ رہنے دیا-

بھائی، میں تا حال خاصا پریشان ہوں، نزلے کی وہ کیفیت اب نہیں جو کل تھی- مگر ابھی بہت تکلیف ہے- کھانسی بے اندازہ پریشان کن ہے، سر بھاری ہے اور میں مطمئن نہیں ہوں- لہٰذا اختصار کے سوا چارہ نہیں- مفصل ان شاء اللہ پھر کسی موقع پر:

۱- انتہائی خوشی کی بات ہے کہ آپ کے پاس سیرۃ کا ذخیرہ جمع ہو رہا ہے- سیرت سے شغف وشوق بجائے خود دستاویز ایمان اور سرچشمہ معرفت حق ہے-

وللہ در من قال:

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است (۱)

۲- ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' بہ طور خاص مطالعے کی چیز ہے- ڈاکٹر حمید اللہ نے جو اہم دینی کارنامے انجام دیے میرے نزدیک ان میں سب سے بڑا یہی ہے- اس پر سب سے کم توجہ کی گئی تھی اور ہمارے سیرت نگاروں کو تو جغرافیائی تفصیلات کا سرے سے ذوق ہی نہیں- ان میں سب سے بڑھ کر افسوسناک حالت مولانا شبلی مرحوم کی ہے کہ وہ جغرافیائی تحقیق کی طرف توجہ فرمائی کی نمائش بھی کرتے ہیں اور جو کچھ بتاتے ہیں، وہ غلط ہوتا ہے یا ناقابل فہم- مثلاً غزوۂ موتہ کے آغاز میں فرماتے ہیں ''موتہ'' شام کا ایک مقام ہے جو جابلقا کے اس طرف ہے- ''سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ جغرافیہ میں ''اس'' سے سمت و جہت کی تصریح کس بنا پر جائز ہے؟ پھر

Marfat.com

اعظم گڑھ میں بیٹھے ہوئے اس یا اس سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے؟ اور جابلقا کون سا معروف مقام ہے، جس کو معرفت کا مرکز بنایا گیا؟ سب سے آخر میں یہ کہ جب یہ تحریر مرتب ہوئی شام کئی حصوں میں بٹ چکا تھا- میں نے ایک مرتبہ یاقوت کی معجم البلدان کسی سلسلہ میں اُٹھائی خیال ہوا کہ موتہ بھی دیکھ لینا چاہیے- اس وقت معلوم ہوا کہ مرحوم مولانا شبلی نے اسی کی عبارت اُٹھا کر نقل کر دی یہ خیال نہ فرمایا کہ تیرہویں صدی عیسوی کی کسی کتاب کا حوالہ دے دینا اور اسے کافی سمجھ لینا کس بنا پر مستحسن سمجھا جا سکتا ہے؟

بہر حال اس کتاب کا مطالعہ بار بار کیجیے- میں نے سارے مقامات خود نہیں دیکھے مگر بیشتر آنکھوں کے سامنے ہیں- اگر کہیں پیچیدگی پیدا ہو تو مجھ سے فرمایئے-

۳- مہر (۲) چار سو مثقال سونا تو خارج از بحث ہے- رسول اللہ ﷺ کے پاس اتنا مہر کہاں تھا؟ چاندی ہی ہوگی- مثقال کے وزن کا اب ٹھیک تصور ذہن میں نہیں، مگر مجھے یاد ہے کہ ازواج کے مہر تقریباً یکساں تھے اور وہ ہمارے عہد کے سو روپے سے زیادہ نہیں بنتے تھے- میں آپ کو تفصیل سے بتاؤں گا ان شاء اللہ-

۴- حضرت عمرؓ کے صاحبزادے (۳) کا واقعہ میرے نزدیک سراسر جعلی ہے اور جعل اسی سے ظاہر ہے کہ مر جانے کے باوجود تازیانوں کا سلسلہ جاری رہا، جو قطعاً خلاف شریعت ہے بنانے والے کا کمال یہ تھا کہ اس میں حضرت عمرؓ کی شریعت پروری نمایاں کی حالانکہ اصل حقیقت اس کے برعکس تھی-

۵- مولانا ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی (۴) کا پتا تو اس وقت میرے ذہن میں نہیں مگر وہ آپ کے دفتر سے بہت قریب رہتے ہیں- پبلشرز یونائیٹڈ تو آپ نے دیکھا ہوگا اس کے اور مال کے درمیان عمارتوں کے جو بلاک ہیں انہیں میں سے ایک عمارت کی بالائی منزل میں مقیم ہیں- بہتر ہو آپ میرے حوالے سے مولانا محمد اسحاق (۵) مدیر ''الاعتصام'' شیش محل روڈ لاہور کو ایک خط لکھ دیں، وہ ان کا صحیح پتا تحریر فرما دیں گے-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

حواشی خط نمبر ۴۵

۱- علامہ اقبال- ارمغان حجاز-

Marfat.com

۲- ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مہر کے متعلق استفسار کیا گیا تھا کہ چار سو مثقال چاندی تھی یا سونا۔

۳- حضرت عمرؓ کے صاحبزادے ابوشحمہ پر حدِ خمر لگنے کے متعلق روایت پر سوال تھا۔

۴- مشہور سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب (پیرس) کی عربی کتاب ''**مجموعہ الوثائق السیاسیہ فی العہد النبوی والخلافۃ الراشدہ** قاہرہ سے مطبع لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر'' سے چھپی تھی جس کا اُردو ترجمہ مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (متوفی ۱۶ جنوری ۱۹۶۶ء) نے ''سیاسی وثیقہ جات از عہد نبوی تا خلافت راشدہ'' کے نام سے کیا اور ''مجلس ترقی ادب لاہور'' نے ۱۹۶۰ء میں شائع کیا اور ترجمہ میں مترجم موصوف نے بعض اہم تبرکات نبوی کے عکس، نقشے اور فہرست اعلام وغیرہ حذف کر دی تھیں، جس سے صدمہ ہوا۔ عریضہ میں اسی کا اظہار تھا اور مولانا کا پتا دریافت کیا گیا تھا۔

- مولانا محمد اسحاق بھٹی مشہور صحافی علمی ادبی اور دینی شخصیت۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور کے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۶۵ء تک مدیر رہے پھر ''ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور'' کے جریدہ ''المعارف'' کے مدیر مسئول رہے یوں تو ان کے قلم سے ابن ندیم کی مشہور عربی تالیف ''الفہرست'' کا اُردو ترجمہ اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے مگر میرے نزدیک ان کا مہتم بالشان کارنامہ برصغیر پاک و ہند کے فقہا کا تذکرہ ہے جو تیرھویں صدی ہجری تک کے علماء و فقہا کے سوانح حیات اور ان کی علمی و فقہی خدمات پر روشنی ڈالتا ہے۔ تذکرہ مذکورہ کی ابتدائی سات جلدیں ''فقہائے ہند'' کے نام سے موسوم ہیں جبکہ تین جلدیں ''فقہائے پاک و ہند'' کے نام سے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور کے زیر اہتمام اشاعت پذیر ہوئیں۔ مولانا کی کتاب ''فقہائے ہند'' کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس طرح عربی میں ''نزھۃ الخواطر'' بے مثال کتاب ہے اسی طرح یہ اُردو میں اپنے موضوع پر لاجواب ہے۔ مولانا کی تحریر نہایت شگفتہ اور رواں دواں ہے جس موضوع پر خامہ فرسائی کرتے ہیں قلم کا حق ادا کر دیتے ہیں۔ یوں تو ان کے قلم سے سیکڑوں مضامین نکل چکے ہیں مگر ''مولانا مودودی اور ان کی جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء سے ۱۹۷۹ء تک'' کی چشم دید کہانی کی بات ہی کچھ اور ہے یہ کہانی ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور کے اکتوبر ۱۹۹۱ء کے شمارہ میں اشاعت پذیر ہوئی مولانا کو چونکہ جماعت کے تاسیسی اجلاس میں شرکت کا اعزاز بھی حاصل ہے اس لیے ان کا تجزیہ ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کے زمرہ میں شمار ہو سکتا ہے

Marfat.com

مولانا کی اس مشاہداتی روئداد جسے انہوں نے نہایت دیانتداری سے بلاکم وکاست اور بلاخوف لومتہ لائم سپردِ قلم کر دیا ہے کا انداز اتنا دل نشین ہے کہ ایک دفعہ مطالعہ شروع کر دو تو ختم کیے بغیر طبیعت راضی نہیں ہوتی بلکہ ھل من مزید کا تقاضا کرتی ہے انہیں شخصیت نگاری پر خاص ملکہ حاصل ہے اس سلسلے کی ان کی بعض تصانیف کے نام درج ذیل ہیں:

۱-نقوشِ عظمت رفتہ-۲-کاروانِ سلف-۳- اہلِ حدیث خدامِ قرآن-۴-قافلۂ حدیث-۵-قصوری خاندان-۶-میاں فضل حق اور ان کی خدمات-۷- مولانا محمد احمد جونا گڑھی-۸-صوفی محمد عبداللہ-۹-بزمِ ارجمنداں-

(۴۶)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۴-نومبر ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- میں سمجھتا تھا کہ کسی خطا کے باعث راندا گیا-(۱) آپ کو معلوم ہے کہ میرا حلقہ بہت محدود ہے اور بڑے حلقہ احباب کی ذمہ داریاں اُٹھانا میرے لیے مشکل ہے-(اگرچہ حلقۂ مکاتیب خاصا وسیع ہے) اس وجہ سے کوئی خانہ تھوڑی سی بھی دیر کے لیے خاموش ہو جائے تو دل دھڑک اُٹھتا ہے- میں خود لکھتا، مگر سوء اتفاق سے ایک ایسے مشغلے پر مجبور ہو گیا، جس میں مہینے بھر تک سر اُٹھانے کی بھی فرصت نہ ملی، اس کے باقیات اب تک گلوگیر ہیں، مگر اب اکتوبر کی سی حالت نہیں اور موجودہ مصروفیت بھی ان شاء اللہ چند روز میں ختم ہو جائے گی-

آپ ضرور اندلس (۲) کی سرگزشت تفصیل سے پڑھیں- آپ وہاں کے حالات دیکھیں گے تو اندازہ ہوگا کہ مسلمانوں نے اس دنیا میں کتنی محیر العقول کراماتیں دکھائیں- مشرقی خلافت یعنی دمشق و بغداد کے کارناموں کی ایک حیثیت تھی، مگر مغربی خلافت یعنی اندلسی امویوں کے کارنامے بالکل دوسری حیثیت رکھتے تھے- زوال کسی بھی سلطنت کا گیرائی سے متصف نہیں ہوتا مگر اندلس کی طوائف الملوکی یا ملوک الطوائفی بھی اپنے اندر خاص جذب وکشش رکھتی ہے-

کتابیں بے شمار ہیں، خصوصاً عربی میں- آپ فی الحال مندرجہ ذیل پیش نظر رکھیں:

۱- نواب ذوالقدر جنگ کی تاریخ اندلس مدت ہوئی تین چھوٹی چھوٹی جلدوں میں چھپی

Marfat.com

تھی اور مصور، اب سنا ہے ایک جلد میں طبع ہوئی ہے اس کی حیثیت محض ایک تعارف کی ہے۔

۲۔ ''سکاٹ کی تاریخ سلطنت اسلامیہ ہسپانیہ'' جس کا ترجمہ ''اخبار اندلس'' کے نام سے دو جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

۳۔ ڈوزی کی کتاب۔ نام یاد نہیں۔

۴۔ سفرنامہ اندلس قاضی ولی محمد مرحوم۔

۵۔ سفرنامہ اقصائے مغرب اور

۶۔ ایک کتاب پبلک لائبریری میں بہ زبان انگریزی موجود ہے۔ مصنف کا نام غالباً .P De Gayangas ہے۔ یہ کوئی ہسپانوی ہے اس نے ''نفح الطیب'' مقریزی کا ترجمہ انگریزی میں کیا تھا۔ اس کے وہ حصے چھوڑ دیے تھے، جن میں محض عبارت آرائی کی گئی تھی مگر ہر واقعے کے متعلق مختلف کتابوں سے معلومات اخذ کر کے حواشی کی شکل میں شامل کتاب کر دی تھیں۔ اس طرح کتاب بے حد دلچسپ اور اندلس کی تاریخ کے متعلق ان تمام کتابوں کا جامع خلاصہ بن گئی تھی جو مختلف مصنفوں، خصوصاً اندلسی عربوں نے لکھیں۔ یہ کتاب اب آپ کو ہسپانیہ کی تاریخ کے سلسلے میں ملے گی۔ میں نے ایک مرتبہ اسے محفوظ کرا دیا تھا۔ کیونکہ وہ بڑی قیمتی ہے۔ اگر آپ کو لائبریری سے مل سکے تو لے لیجیے۔ اگر نہ مل سکے تو مجھے مطلع فرمائیے۔ میں لے کر آپ کو دے دوں گا۔ آپ دس بارہ دن میں اسے بخوبی پڑھ لیں گے۔ کتاب پرانی چھپی ہوئی ہے۔ دوبارہ غالباً نہیں چھپی۔

ایک کتاب خالص اندلس کے متعلق دارالمصنفین نے بھی اپنی اسلامی تاریخ میں چھاپی ہے۔ میں نے اسے بالاستیعاب نہیں دیکھا، مگر ضرور صحیح ہونی چاہیے۔

پھر آپ کچھ کتابیں پڑھ لیں اور بنیادی معلومات آپ کے سامنے آ جائیں تو وہاں کے اہلِ علم کے حالات پر توجہ فرمائیے ایسی مثالیں آپ کو کیت و کیفیت میں دوسری جگہ نہیں ملیں گی۔ اسلامی دنیا کی نادرالوجود اور معجز نما شخصیتوں میں سے تین ایسی مانی جاتی ہیں، جیسی کوئی شخصیت نہیں ہوئی۔ یعنی امام بخاریؒ، ابن تیمیہؒ اور ابن حزمؒ ان میں سے ابن حزم اندلس ہی کا تھا اور یقیناً نادرالوجود تھا۔ چار سو تصانیف چھوڑیں، جن میں سے ہر کتاب نادرِ روزگار ہے۔ پھر ابن خلدون بھی اندلسی ہی تھا۔ لسان الدین خطیب، ابن رشد، ماہرین نباتیات میں ابن بیطار، ماہر سرجنوں میں زہراوی جو موجودہ یورپی سرجری کا بانی تھا۔ غرض کس کس کا نام لیا جائے ان سب کا نقطۂ نگاہ وہ نہ تھا جو آج تک مشرقی علماء کا چلا آتا ہے۔

آپ یہ دیکھ لیں تو میں عرض کروں گا کہ چند کتابیں مزید دیکھ لیجیے ان کے نام بھی عرض

Marfat.com

کروں گا اور اگر ضرورت پڑی تو باہم بیٹھ کر مذاکرہ بھی کریں گے۔

اب اجازت چاہتا ہوں اور تاخیر جواب کے لیے عذرخواہ۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۴۶

۱- اب کی دفعہ دو ماہ سے بھی زائد عرصہ بیت گیا اور میں مکروہاتِ زمانہ میں اس طرح اُلجھا کہ مولانا کی خدمت میں نہ از خود حاضر ہو سکا اور نہ کوئی عریضہ ارسال کر سکا بالآخر معذرت نامہ لکھا تو جواباً فرمایا۔

۲- تاریخ اندلس کے مطالعہ کے لیے مآخذ کی گزارش کی تھی مولانا نے جن کتابوں کی اپنے گرامی نامہ میں نشان دہی فرمائی میں ان کی تلاش میں رہا۔ بحمد اللہ اس موضوع پر اب میرے کتب خانہ میں کم و بیش ایک درجن کتابیں موجود ہیں۔

(۴۷)

GHULAM RASUL MIHR B.A

MUSLIM TOWN

LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم۔ اس زحمت کے لیے شکرگزار ہوں میں چند روز میں کتاب (۱) دیکھ کر واپس کر دوں گا۔ آپ کو اطلاع دے دوں گا ان شاء اللہ کہ آدمی بھیج کر منگوا لیں۔ باقی ان شاء اللہ الگ لکھوں گا۔ اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔ میرے پاس یقیناً ابن تیمیہ (۲) کا کوئی نہ کوئی نسخہ نکل آئے گا اور آپ کی نذر کروں گا وہ دراصل ایک ترجمہ شدہ کتاب کا مقدمہ تھا اور اس وقت مجھے امام موصوف کے حالات بالتفصیل معلوم نہ تھے، صرف عقیدت کی بنا پر مقدمہ لکھ دیا اور میں حجاز چلا گیا۔ واپس آیا تو معلوم ہوا کہ مولوی عبدالعزیز مرحوم نے اسے الگ چھاپ دیا ہے۔ غلطیاں بھی رہ گئیں۔ خیر۔

Marfat.com

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۴۷

اشارہ ہے ''آب حیات'' مصنفہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی طرف۔

سیرت امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ مولانا کی سب سے پہلی تصنیف ہے جسے ''الہلال بک ایجنسی'' لاہور نے ۱۹۲۵ء میں چھاپا۔ مولانا نے اسے ''کتاب الوسیلہ'' از ابن تیمیہ کے اُردو ترجمے کے لیے بطور مقدمہ تحریر فرمایا تھا مہتمم و مالک ادارہ جناب محمد عبدالعزیز خان صاحب نے الگ کتابی صورت میں شائع کر دیا کتاب ھذا کا فاضل نسخہ بعد میں مولانا مہر کے کتب خانہ سے تو دستیاب ہوگیا مگر اس کا سرورق مصالحہ خوردہ تھا جسے تبدیل کرنے کی ایک خلش سی دل میں رہتی تھی اچھے سرورق کی ضرورت اس حوالہ سے بھی تھی کہ یہ موجد طرز جدید منشی عبدالمجید پرویں رقم کا مکتوبہ تھا جو برادر بزرگ الحاج محمد اعظم منور رقم کے استاذ محترم تھے۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ کسی صحبت میں میں نے اپنی اس بے چارگی اور اشتیاق کا اظہار جناب مولانا عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ (متوفی ۲، اکتوبر ۱۹۸۷ء) سے کر دیا۔ مولانا نے فرمایا میرے کتب خانہ میں اس کا ایک اچھا نسخہ ہے آپ کسی وقت اپنا نسخہ لے آئیں اور میرے نسخہ سے تبدیل کرلیں'' چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اب مولانا والا نسخہ میرے کتب خانہ کی زینت ہے اس قسم کی ایثار کی مثالیں اس دور میں نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔ مولانا کی خدمت میں جب بھی حاضری کا موقع ملا موصوف نہایت شفقت اور مہربانی سے پیش آئے ان کا شمار علماء اہلِ حدیث کے اساطین میں ہوتا تھا انہیں عربی علم لغت، معقولات، منقولات پر عبور حاصل تھا علم حدیث میں انہیں تخصص کا درجہ حاصل تھا فن رجال سے انہیں خصوصی شغف تھا۔ کئی علمی و تحقیقی کتابوں کے مصنف تھے بہت سی کتابوں پر حواشی و تعلیقات رقم فرمائے۔ ایک نہایت قابلِ قدر اور عظیم کتب خانے کے مالک تھے جسے انہوں نے ''سلفیہ لائبریری'' (شیش محل روڈ) کے نام سے وقف کر دیا'' مکتبہ سلفیہ'' کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ بھی قائم فرمایا جہاں سے نہایت نادر و نایاب کتابیں شائع فرمائیں۔

(مولانا محمد عالم مختار حق سے میرا تعارف مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم رحمۃ اللہ کی وجہ سے ہوا تھا میں ہفت روزہ ''الہلال'' ابوالکلام آزاد (۱۹۱۲ء تا ۱۹۱۴ء) شائع کرنا چاہتا تھا لیکن پہلی جلد کے تین شمارے پورے ملک میں کسی جگہ سے تلاش بسیار کے باوجود نہ ملے۔ حضرت مولانا مرحوم سے ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولانا محمد عالم مختار حق کے پاس الہلال کی مکمل فائل موجود ہے ان کے پاس چلیں گے ان شاء اللہ مطلوبہ شمارے مل جائیں گے اور یوں وہ فائل مکمل شائع ہوئی اور تعلقات

Marfat.com

استوار ہوئے جو بحمدہ تعالیٰ اب مکتوبات مہر کی اشاعت کا باعث ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق کو تادم آخر مضبوط رکھے۔ (مدیر "الرشید" لاہور)

(۴۸)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۳۔ دسمبر ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم۔ ارسال کتاب کے لیے اپنے جذبات سپاس ادا کرنے سے قاصر ہوں۔ میں "آب حیات" کو بھول گیا تھا، مگر آپ نہ بھولے اور کتاب ہاتھ آتے ہی میرے پاس پہنچائی۔ اللہ تعالیٰ جزا دے۔

بزرگان دین کے ایک طبقے نے بعض مسائل و واردات کو خالص فلسفیانہ مصطلحات کی شکل میں پیش کیا ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ بہت بڑا کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ حقیقتاً وہ دین نہیں بلکہ محض زور علم ہے۔ میں نے اونچے درجے کے علماء میں سے دو بزرگ ایسے دیکھے جو دینی مباحث میں حتی الامکان کوئی فلسفیانہ اصطلاح آنے ہی نہیں دیتے۔ ایسے سادہ اسلوب میں بات کرتے ہیں کہ معمولی عربی خواں بھی پورا فائدہ اُٹھا سکے۔ ایک امام ابن تیمیہؒ (۱) اور دوسرے امام ابن حزمؒ (۲)۔ امام ابن تیمیہ کی بعض کتابوں میں اصطلاحات بھی ہیں لیکن وہی کتابیں جن میں خالص فلسفیانہ مباحث ہیں اور فلاسفہ کے مقاصد و اصول کی بے حقیقی واضح کی گئی ہے۔

"آب حیات" بھی اصطلاحات کا ایک عجیب گورکھ دھندا ہے میں تو اصولاً اس موضوع ہی کو سمجھ نہ سکا، جس کے لیے قرآن یا حدیث یا آثار صحابہ میں سرے سے کوئی چیز ملتی ہی نہیں الا یہ کہ ہم آیات کی تاویل و تعبیر اپنے مقصد کے مطابق کرتے جائیں، جیسا کہ ایک مرتبہ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم (۳) نے یہاں ایک تقریر کرتے ہوئے کہا تھا یعنی انک میت وانھم میتون (۴) کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی وفات اور دوسروں کی وفات کو الگ الگ قرار دینے کی دلیل اس آیت کو بنایا تھا۔ ابتدائی دور کے عرب جو مخاطب قرآن تھے، اس قسم کے گورکھ دھندوں کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے تھے، حالانکہ مقاصد قرآن پر ان سے بہتر عامل بعد کے لوگ نہ تھے اور انہوں نے دعوت قرآن کی تکمیل کے لیے زندگیاں وقف رکھیں۔ بعد کے علماء یقیناً مختلف چیزوں سے متاثر ہوئے اور ان کا

Marfat.com

نقطۂ نگاہ دینی معاملات میں کچھ اور ہی ہوگا۔

بہ ہر حال کتاب فارغ ہے، جب چاہیں منگوالیں کبھی کام ذرا کم ہو اور فرصت ملے نیز زحمت نہ ہو تو غریب خانے کی طرف آئیں۔ ابھی نہیں تو ٹھہر کے سہی۔

ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی کتاب میں ضرور نکالوں گا۔ کام زیادہ تھا اور ہے۔ مجھے فرصت نہیں مل سکی ۸، ۹ کو میرا بیٹا (۵) پشاور سے آ رہا ہے دو چار دن مزید مصروفیت رہے گی اس کے بعد یہ نکالوں گا۔ ذوالقدر جنگ (۶) کی کتاب کے لیے انیس روپے صرف کرنا گناہ ہے کتاب میرے پاس ہے۔ وہ ایک نظر دیکھ لینے کی ہے آپ منگوا کر دیکھ لیں۔ میں وہ بھی نکال لوں گا سرسری سی کتاب ہے جس سے مطلوب محض ابتدائی شناسائی اور تعارف ہے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۴۸

۱۔ ابن تیمیہ، احمد نام، ابوالعباس کنیت، تقی الدین لقب، ابن تیمیہ عرف، وفات ۷۲۸ھ محدث، فقیہ، متکلم، مفصل حالات کے لیے ملاحظہ کریں۔ امام ابن تیمیہ۔ افضل العلماء محمد یوسف کوکن عمری مدراس ۱۹۵۹ء یا حیات شیخ امام ابن تیمیہ محمد ابوزہرہ ترجمہ رئیس احمد جعفری اہل حدیث اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء (چند برس قبل ذوالنورین اکیڈمی بھیرہ سے اس کا عکس شائع ہوا (ارشد مدیر الرشید لاہور)

۲۔ ابن حزم علی بن احمد بن سعید بن حزم محدث فقیہ متکلم وفات ۴۵۶ھ مفصل حالات کے لیے ملاحظہ کریں۔ حیات امام ابن حزم محمد ابوزہرہ۔ ترجمہ پروفیسر غلام احمد حریری شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۱۹۸۹ء۔

۳۔ علامہ شبیر احمد عثمانی شیخ الاسلام قرارداد مقاصد کے محرک، محدث، مفسر، شارح صحیح مسلم، قائداعظم کے ساتھی، وفات ۱۳ دسمبر ۱۹۴۹ء۔ آپ کی تفسیر خاصی مقبول ہے پہلا ایڈیشن نہایت آب وتاب سے مدینہ پریس بجنور u.p انڈیا سے ۱۹۳۸ء میں چھپا۔ بعد ازاں تاج کمپنی لمیٹڈ نے بھی بہ صرف زر کثیر اپنی اشاعت کی روایتی پاسداری کرتے ہوئے ایک عمدہ ایڈیشن شائع کیا۔ مرحوم جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان کی تجویز پر اسی کا عکسی ایڈیشن شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلکس مدینہ منورہ نے ۱۹۸۹ء میں چھاپ کر عام کیا۔ یہ ادارہ اشاعت قرآن پاک کا دنیا کا سب سے بڑا ادارہ ہے جہاں سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں قرآن مجید مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر چھاپ کر بلا ہدیہ تقسیم کیے جاتے ہیں۔ حجاج کرام کو بھی تحفتہً دیے جاتے ہیں مگر یہ کتنے دکھ کی بات ہے کہ بعض تنظیمیں بلا ہدیہ

Marfat.com

تقسیم کرنے کے لئے قرآن مجید حاصل کرتی ہیں اور پاکستان میں دام کھرے کر لیتی ہیں ان
کے ۰۰ حضرہ میں افغان مہاجرین بھی ہوتے ہیں۔ افسوس! اندریں شور مسلمانی بمرد۔

۴۔ سورۂ زمر آیت ۳۰ ترجمہ: آپ کو بھی مرنا ہے اور ان کو بھی مرنا ہے۔

۵۔ عبدالسلام اسلم مولانا مہر کے بڑے بیٹے۔

۶۔ محمد شمس الدین متوفی ۸ جنوری ۱۹۶۸ء دکاندار کتب فروش زیر مسلم مسجد لاہور سے پاس یہ کتاب برائے فروخت موجود تھی جس کے انہوں نے ۱۹ روپے طلب کئے تھے۔

(۴۹)

GULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۸- دسمبر ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز محترم! تعجب ہے کہ آپ نے ہفتے کے روز آنے کو چھوڑ دیا۔ ہفتے کا دن یا اس کا بیشتر حصہ میں گھر سے باہر گزارتا ہوں اور میرے لئے تعطیل کا دن اتفاق سے وہ ٹھہر گیا جو یہود کا "سبت" (۱) ہے۔ اوّل آپ آئے تو آپ کے آنے کے ناکام ہونے پر سخت رنج ہوا۔ خدا جانے میں یہ بتانا کیوں بھول گیا کہ ہفتے کو مجھے گھر میں تلاش کرنا بے سود ہو گا۔ بعض اوقات اتوار کو بھی ایسی صورت پیش آ جاتی ہے۔ مثلاً عزیزوں میں کوئی ضروری تقریب ہو یا کوئی کام مختلف ہو۔

اب آپ کل پرسوں (یا جمعہ) جس وقت چاہیں آ سکتے ہیں۔ بہتر ہو کہ بارہ بجے سے پہلے پہنچیں یا تین بجے کے بعد، دوپہر کو میں سو جاتا ہوں۔

آپ نے شہداء کی حیات کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس پر یہاں بحث مناسب نہ ہوگی کیونکہ یہ مذاکرے کی چیز ہے اور آپ جانتے ہیں کہ اول قرآن مجید کے الفاظ میں عند ربھم یرزقون (۲) اپنے رب کے ہاں سے رزق پاتے ہیں اور وہ زندگی دنیوی زندگی سے بہرحال مختلف ہے۔ دوسرے تمام شہداء کی شہادت کے بعد ان کی میراث تقسیم ہوئی اور ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ان کی بیواؤں نے دوبارہ شادیاں کیں اور تو چھوڑیئے ام المومنین حضرت حفصہ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ کے پہلے شوہر شہید ہو چکے تھے۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے خانہ مبارک میں آئیں اور ام المومنین بنیں۔ ایسی اور بھی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں، گویا شہداء کی

Marfat.com

زندگی کی نوعیت وہ نہ تھی، جو اس دنیا کی زندگی کی ہے- پھر انبیاء علیہم السلام کا مقام تو شہدا اور صدیقین سے بھی بلند ہے- یقیناً وہ زندہ ہیں مگر اس زندگی کی نوعیت ہی کا معاملہ تو غور طلب ہے اور یہ کہ ہم انہیں کس وجہ سے زندہ سمجھتے ہیں؟ یہ معاملات طویل مذاکرے کے محتاج ہیں- آپ تشریف لائیں گے تو ان شاء اللہ اس موضوع پر بھی گفتگو کریں گے-

جنوری کا تیسرا ہفتہ بھی کچھ زیادہ دور نہیں- ممکن ہے اس وقت تک میں ایک مرتبہ پشاور کا چکر لگا آؤں-

''آب حیات'' جب چاہیں منگوالیں مگر ہفتے کا دن مستثنیٰ رکھیں- اگر ہفتہ ہی آپ کے لیے وجہ سہولت ہو تو مجھے تحریر فرمادیں، میں کتاب آدمی کے حوالے کر دوں گا وہ آپ کا رقعہ لے کر کتاب آپ کے آدمی کو دے دے گا-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۴۹

۱- سبت تلمیح ہے اس واقعے کی طرف کہ قوم یہود کے لیے سبت عبادت کا دن تھا اور ان پر اس روز شکار کرنے پر پابندی تھی مگر یہ حیلہ جو قوم جمعہ کے دن دریا کا پانی گڑھوں میں بھر لیتے جس میں مچھلیاں بھی آجاتیں اور انہیں ہفتہ کو نکال لیتے اس حیلہ سے کہ یہ تو جمعہ کا کیا ہوا شکار ہے-

۲- سورۂ آل عمران آیت نمبر ۱۶۹ (ترجمہ) اپنے رب کے پاس کھاتے پیتے ہیں-

نوٹ: عجیب بات ہے مکتوب نمبر ۴۸ میں مولانا مرحوم نے علامہ شبیر احمد عثانی پر انک میت وانھم میتون والی آیت کی تشریح پر حیرانگی کا اظہار کیا ہے لیکن مکتوب (۴۹) میں آپ کو بھی انبیاءؑ کی بعد موت زندگی کو شہدا سے بلند کہنا پڑا- اتفاق کی بات کہ ''الاعتصام'' ۲۳ اپریل ۱۹۹۳ء میں سعودی حکومت کے سب سے بڑے عالم شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز کا مضمون ''حج سے متعلقہ سوالات اور ان کے جوابات'' پڑھا جس میں ان کو لکھنا پڑا اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جو

Marfat.com

شہداء کی زندگی سے زیادہ کامل ہے'' (اور شہداء کے متعلق قرآن ناطق ہے
کہ وہ زندہ ہیں رزق دیے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے مسئلہ میں اختلاف کم
ہے لیکن زیادہ بنادیا گیا ہے۔ارشد، مدیر الرشید لاہور)

(۵۰)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۳۰-دسمبر ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم کتاب محفوظ ہے۔ جن امور کا تعلق امور مابعد الطبیعیات سے ہو ان کے مباحث میں فلسفیانہ اصطلاحات کا بہ کثرت استعمال عام شیوہ ہے۔ یہی حضرت مجدد ؒ نے کیا یہی شاہ ولی اللہؒ نے کیا، یہی مولانا محمد قاسمؒ نے کیا۔

ڈوزی کی کتاب کا ترجمہ (۱) میں نے نہیں دیکھا۔ میری درخواست ہے کہ آپ سب سے پہلے وہی کتاب پڑھیں، جس کا میں نے پہلے حوالہ دیا تھا یعنی اس ہسپانوی کی انگریزی کتاب جس میں ''نفح الطیب'' کا ترجمہ بہ حذف زوائد پیش نظر رکھا گیا۔ پھر اس کے اطراف وحواشی میں اسلامی ہسپانیہ کے متعلق تمام ضروری تاریخوں سے اقتباسات فراہم کر دیے گئے۔ اگر آپ ابتدا میں ایک سرسری سرگزشت دیکھ لینا چاہتے ہیں تو بہتر یہ ہو کہ دار المصنفین کی کتاب لائبریری سے لے کر دیکھ لیں، وہ کفایت کرتی ہے۔ میرے پاس ذوالقدر جنگ کی کتاب ہے۔ مگر شدید مصروفیت کے باعث نکال نہیں سکا۔ اب سوچتا ہوں تو وہ اتنی مختصر ہے کہ آپ شاید اس سے لطف اندوز نہ ہو سکیں بہر حال وہ میں نکال لوں گا۔ مگر بہتر یہ ہو گا کہ دار المصنفین کی کتاب ایک نظر دیکھ لیں۔ ہسپانوی کتاب ملنے میں دقت ہو تو مجھے مطلع کر دیں میں نکلوا دوں گا۔ آپ بہ اطمینان دیکھ کر لائبریری کو واپس کر دیں پھر سوچیں گے کہ مزید کیا کچھ دیکھنا ضروری ہے۔

میری بے چارگی کا یہ عالم ہے کہ ۲۰ دسمبر کو خط لکھنا چاہا۔ تین سطریں لکھی تھیں کہ لوگ آگئے اور آج یہ خط پورا کر کے لفافے میں ڈال رہا ہوں یعنی ۳ جنوری ۱۹۶۳ء کو

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

Marfat.com

آپ کا

مہر

حاشیہ خط نمبر ۵۰

۱- ذوزی کی کتاب کا اُردو ترجمہ بنام عبرت نامہ اندلس از مولانا عنایت اللہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن انڈیا سے شائع ہوا تھا جسے بعد ازاں غالباً ۱۹۶۲ء میں مقبول اکادمی لاہور نے شیخ اسماعیل پانی پتی (متوفی ۱۹۷۲ء) کے مبسوط مقدمہ کے ساتھ از سر نو شائع کر دیا تھا۔

(۵۱)

GULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۱ جنوری ۱۹۶۳ء
جمعۃ المبارک

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: جمعہ کی اذان ہو چکی ہے خطیب صاحب وعظ فرما رہے ہیں اور آلہ مکبر الصوت (۱) کے باعث ان کی آواز برابر کان میں پہنچ رہی ہے، اگرچہ یہ پتا نہیں چلتا کہ وہ کیا فرما رہے ہیں۔ بہر حال میں اُٹھ رہا تھا کہ آپ کا محبت نامہ ملا اور دل نے گوارا نہ کیا کہ جواب لکھے بغیر اُٹھوں۔

بے شک ہفتے کے روز میں عموماً گھر سے باہر رہتا ہوں اور بیشتر وقت باہر ہی گزرتا ہے اتوار کا خیال نہ فرمایئے آپ کو سہولت ہو تو تین چار بجے کے قریب آ جایئے۔ چائے یہیں نوش فرمایئے باتیں کریں گے۔ اگر کسی وجہ سے آپ کے لیے آنا مشکل ہو تو مضائقہ نہیں پیر کو آ جایئے۔ تین چار بجے کی قید اس لیے لگائی کہ میں عموماً کھانا کھانے کے بعد سو جاتا ہوں اگر آپ کے لیے پیشتر آنے میں سہولت ہو تو میں استراحت کو جو بہر حال نفس پروری و تن آسانی ہے، بخوشی ترک کر دوں گا۔

کتاب (۲) آپ ضرور ساتھ لائیں میں دیکھ لوں گا۔ اگر ضرورت ہوئی تو چند روز کے

Marfat.com

لیے آپ سے مانگ لوں گا- افسوس کہ ابھی تک ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی سیرت نکالنے کا موقع نہ مل سکا- مجھے یاد ہے کہ میرے پاس ایک یا دو کاپیاں موجود ہیں، چونکہ وہ غیر مجلد ہیں، اس لیے خدا جانے کہاں رکھ دی ہیں- میں ڈھونڈ ہی نہیں سکا- اگر مل گئی تو حاضر کر دوں گا- خدانخواستہ نہ ملی تو پھر پیش کر دوں گا- وہ میرے ذمہ ہے- ذوالقدر جنگ کی تاریخ کی تینوں جلدیں موجود ہیں- آپ کی کتاب بھی محفوظ ہے-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۵۱

۱- آلہ مکبر الصوت، لاؤڈ سپیکر کو کہتے ہیں-(Loud Speaker)

۲- اس سے مراد ہے Chiefs and Families of Note in the Punjab جسے حکومت پنجاب نے ۱۹۴۰ء میں شائع کیا- یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے اور میں نے مکمل سیٹ مورخہ ۲۰ جنوری ۱۹۶۳ء کو ان عقیدت مندانہ الفاظ کے ساتھ مولانا کی نذر کر دیا تھا-

Presented with love & regards to Maulana Mihr Sahib.... my Source of inspiration and initiation

مولانا کی رحلت (مورخہ ۱۶ نومبر ۱۹۷۱ء) کے بعد مرحوم کے کتب خانہ کی فہرست بناتے وقت ان کے چھوٹے بیٹے جناب امجد سلیم علوی صاحب نے یہ سیٹ مورخہ ۸- مئی ۱۹۷۲ء کو بمصداق عطائے تو بلقائے تو مجھے واپس کر دیا-

(۵۲)

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم آپ کی محبت اور زحمت فرمائی کے لیے شکر گزار ہوں-

۱- کتابیں (۱) مل گئیں- ان شاء اللہ چند روز میں دیکھ کر واپس کر دوں گا-

۲- رباعیات (۲) میں دیکھ لوں گا- صرف مقابلہ مقصود ہے- اگر موقع ملا تو ضرور منگوا لوں گا-

۳- منتہی الارب (۳) میرے پاس مکمل ہے- مگر چھاپا اور کاغذ اچھا نہیں-

Marfat.com

۴- ''اعلام الموقعین (۴) حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کی بہترین کتابوں میں سے ہے- اس میں فقہ کے مبانی پر نہایت عمدہ بحثیں ہیں نیز مصالح احکام کی توضیح کا خاص اہتمام کیا ہے- اگر یہ ترجمہ مناسب قیمت پر مل جائے تو ضرور لے لیجیے- اب کتاب کا ملنا سہل نہیں-

۵- اگر رباعیات کا وہ نسخہ لائبریری میں ہے تو میں منگوالوں گا- مولانا شفیع صاحب سے بھی پوچھوں گا-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- کچھ اور لکھنا ہوا تو بعد میں لکھوں گا- آپ کا لفافہ محفوظ رکھ لیا ہے-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

دعا گو

مہر

۲۸-۱-۶۳

منتہی الارب کی ضرورت ہر وقت پیش آتی رہتی ہے- ورنہ ابھی چاروں جلدیں بھیج دیتا اور آپ نقل کرا لیتے- میں کسی موقع پر باہر جاؤں تو آپ کو اطلاع دے دوں گا، آپ کتاب لے جائیں اس اثنا میں ضائع شدہ اوراق کا نقل کرا لینا ممکن ہے-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۵۲

۱- یہ کتابیں ہیں:

ا- ''جنگ آزادی ۱۸۵۷'' از خورشید مصطفیٰ رضوی، مطبوعہ مکتبہ برہان دہلی ۱۹۵۹ء-

ب- ''سن ستاون'' از پنڈت سندر لال، مطبوعہ انجمن ترقی اُردو ہند (علیگڑھ) ۱۹۵۷ء

۲- ''رباعیات سرمد'' مرتبہ فضل محمد اسیری ایم اے مطبوعہ وشوا بھارتی شانتی نکیتن کلکتہ ۱۹۵۰ء-

۳- ''منتہی الارب فی لغات العرب'' مشہور عربی، فارسی لغت ہے مصنفہ عبدالرحیم صفی پوری، اس لغت کا میرے پاس مطبع اسلامیہ لاہور کا ۱۳۲۴ھ کا ایڈیشن ہے- جس کے بعض صفحات ناقص کو مکمل کرنے کے لیے مولانا کے نسخہ کی ضرورت تھی-

Marfat.com

۴- اعلام الموقعین عن رب العالمین کا عربی سے اُردو ترجمہ مولوی محمد بن ابراہیم مدرس مدرسہ و مہتمم دارالحدیث محمدیہ نے بنام ''دین محمدی'' کیا۔ جسے ادارہ اخبارِ محمدی نے دہلی سے ۱۳۵۶ھ میں شائع کیا۔ جلد ششم کے سرورق کے اندرون مولانا ابوالکلام آزاد کے دو خطوط بھی کتاب پر تبصرہ کے حامل چھپے ہوئے ہیں۔ جو مولوی محمد بن ابراہیم کے نام ہیں۔ میں نے دونوں خطوط ہفت روزہ ''چٹان'' لاہور ۲۲۔ فروری ۱۹۶۵ء کے شمارہ میں چھپوادیے تھے۔

(۵۳)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۲۔ فروری ۱۹۶۳ء
(صبح سیر کے لیے نکلنے کے وقت)

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! میرا احساس تو یہ تھا کہ آپ غالباً جلد وقت نکال لیں اور میری کتابیں آراستہ بے شک نہ ہوں لیکن کم از کم ان کی فہرست ہی تیار ہو جائے۔ آراستگی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے، یعنی مزید الماریاں اور کمرے وہ میں ابھی تک بنوا نہیں سکا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو ابھی تک فرصت نہیں مل سکی۔

آپ نے جو کتابیں بھیجی تھیں (اور یہ مجھ پر خاص کرم تھا) وہ میں نے دیکھیں۔ دونوں سے مطمئن نہ ہوا۔ معلوم ہوتا ہے بیشتر اربابِ قلم لکھنے سے پیشتر سوچتے نہیں کہ وہ کیا لکھنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل مقصد و مدعا یا تو واضح نہیں ہوتا یا اس کی قوت اس طرح بکھر جاتی ہے کہ انسان کتاب کتنی ہی مرتبہ پڑھے، سمجھ ہی نہیں سکتا کہ کیا کہا گیا ہے اور کس غرض سے کہا گیا ہے؟ میری طبیعت ایسی ہو گئی ہے کہ اس قسم کی کتابیں بالاستیعاب پڑھ ہی نہیں سکتا۔ بہر حال علم شے بہ از جہل شے'' کے مطابق انھیں ایک نظر سرسری طور پر دیکھ لیا۔ تفصیلات کا علم ہو سکا ہو یا نہ ہو سکا ہو۔ اتنا معلوم ہو گیا کہ ان کی عام حیثیت کیا ہے۔

دیکھیے اس عریضے کے لیے آپ ہی کا لفافہ استعمال کر رہا ہوں۔ آج ہفتہ ہے مجھے جلد سیر کر کے واپس آنا ہے تاکہ تھوڑی دیر کے لیے شہر ہو آؤں۔ رمضان شریف میں بھی شیخ مبارک علی سے ملنے کے لیے جاتا ضرور رہوں مگر بارہ بجے سے پیشتر واپس آجاتا ہوں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

Marfat.com

ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ کتابوں کی فہرست بنانے کے متعلق جو کچھ عرض کیا تو وہ ایک تقریب سخن تھی، مقصود یہ نہ تھا کہ خدانخواستہ اپنی مصیبتوں کو آپ کے ذمے ڈال دوں- حاشاو کلا- مجھے آپ کی محبت وراحت اپنی ہر تنظیم وترتیب سے بدر جہاز یادہ عزیز ہے- اسے یوں اپنی تمناؤں کا بازیچہ بنانے کا روادار نہیں ہوسکتا- واللہ علی ما اقول شہید (۱)

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حاشیہ خط نمبر ۵۳

۱۔ (ترجمہ) اللہ تعالی میرے قول پر شاہد ہے۔

(۵۴)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۹ فروری ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! دیکھیے مجھے فہرست بنوانے کی کوئی خاص ضرورت نہیں۔ جب کبھی کوئی پرانی جلد اٹھاتا ہوں اور کتابوں کو دیکھتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ میرے پاس کب اور کیوں کر آئیں! ایسی ایسی کتابیں ہیں جو کبھی میرے خیال میں بھی نہیں آئیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ میں کتابیں خرید کر پھینکتا گیا اور یہی سمجھتا رہا کہ جب اطمینان سے بیٹھوں گا تو پڑھوں گا۔

میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ ان سب کے نام سامنے آجائیں۔ غالباً بہت سی کتابیں ایسی نکلیں، جن کے نام بھی شاید ہی کسی کو معلوم ہوں۔ نہ عجلت ہے نہ آپ کو زحمت دینا چاہتا ہوں۔ تلاوت قرآن پاک بہر حال بابرکت ہے اور رمضان میں کم از کم ایک دور ضرور کر لیتا ہوں۔ آج غالباً چودھواں روزہ ہے اور میں پندرھواں پارہ ختم کرنے والا ہوں۔ آپ شوق اور اطمینان سے رمضان شریف گزاریں۔ اس کے برکات سے تمتع حاصل کریں۔ پھر طے کرلیں گے کہ کب اور کیوں کر یہ کام شروع ہو، جس میں آپ کو کوئی زحمت نہ اٹھانی پڑے۔ (۱)

کتابوں کا اندازہ مشکل ہے۔ اگر بطور اوسط فی الماری تین سو کتابیں فرض کی جائیں تو

Marfat.com

میرے پاس چودہ بڑی الماریاں ہیں۔ دو الماریوں میں صرف اخبار ہیں۔ (مجلد اور غیر مجلد۔ یہ چودہ الماریوں کے علاوہ ہیں) تین چھوٹی الماریاں ہیں۔ جن میں زیادہ تر رسائل و خطبات اور روداد یں ہیں اور ایک ایک جلد میں کئی کئی۔ پھر آپ نے دیکھا ہو گا کہ لائبریری والے کمرے کی میز کتابوں سے پُر ہے، آتش دان پر کتابیں ہیں ایک بڑی میز الگ پڑی ہے۔ جس پر کتابوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ گھر میں صندوق کے اندر کتابیں ہیں ایک میز کے خانوں میں بعض نوادر موجود ہیں۔ میرا سرسری اندازہ دس ہزار تک کا ہے مگر آٹھ ہزار سے کیا کم ہوں گی؟ بیشتر رسائل الماریوں کے اوپر ہیں۔

میں زیادہ تفصیل نہیں چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ کتاب، مصنف، زبان، فن کے علاوہ سنہ طباعت اور مطبع ضرور درج ہو کیونکہ میرے پاس ایسے مطابع کی چھپی ہوئی کتابیں ہیں، جن کا نام بھی آج شاید ہی کسی کو معلوم ہو۔ اس طرح مطابع کے بارے میں معلومات کا ایک اچھا ذخیرہ فراہم ہو جائے گا۔

السنہ کے اعتبار سے فارسی کی کتابیں کم ہوں گی، صرف دواوین ہوں گے یا تاریخ کے مستند دفتر۔ انگریزی اردو اور عربی کی کتابیں زیادہ ہیں۔ روشنی کا انتظام میرے ذمے ہے۔ جہاں بلب نہ ہو لگایا جا سکتا ہے اور اگر لیمپ سٹینڈ کی ضرورت ہو تو ایک سٹینڈ میرے پاس ہے یا اور بھی لا سکتا ہوں، بلکہ کسی روز لائبریری جاؤں تو وہاں ایک دستی لیمپ ہوتا ہے پلگ میں سوئچ لگا کر جہاں چاہیں روشنی کر سکتے ہیں۔ میں ایسا لیمپ لے آؤں گا۔ وہ بہ آسانی پکڑا جا سکتا ہے۔ الماری کے اندر بھی اسے استعمال کر سکتے ہیں۔ اتوار کا دن اس کام کے لیے مقرر فرمائیں تو میرے بچوں میں سے بھی ایک دو آپ کی امداد کے لیے موجود ہو سکتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ "مقراۃ" (۴) کیا چیز ہے۔ تھوڑی سی فرصت پاؤں تو دیکھ کر عرض کروں۔

امید ہے آپ بخیر ہوں۔

والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

آپ کا

مہر

حواشی خط نمبر ۵۴

Marfat.com

۱۔ مولانا کے کتب خانہ کی فہرست سازی کا ذکر ہے۔ میں نے پیش کش کی تھی کہ یہ سعادت میرے حصے میں آئے مگر اسی دوران رمضان المبارک کا مہینہ آگیا تو میں نے ماہ مقدس میں اپنے مخصوص و معمول کے پروگرام کے تحت معذرت چاہی تھی یہ گرامی نامہ اس کے جواب میں ہے۔

۲۔ میرے پاس ایک نہایت ہی نادر الوجود حمائل شریف ہے جس کے کاتب سید محمد علی رضوی ہیں۔ یہ حمائل شریف ۱۲۹۰ھ کی مطبوعہ ہے غالباً بمبئی کی اس میں خاص اہتمام اس بات کا کیا گیا ہے کہ ہر صفحہ ختم آیت پر ختم ہوتا ہے۔ حمائل شریف کے بعض صفحات کے حاشیہ پر لفظ مقرا چھپا ہوا ہے جو ہمارے یہاں مروج نہیں ہے۔ مولانا سے استفسار کیا اس وقت تو انہوں نے معذوری کا اظہار کیا مگر یہ بات میرے نہاں خانہ دماغ سے ایسی اتری کہ پھر ان سے دریافت نہ کر سکا۔ واضح رہے کہ اس اہتمام (ہر صفحہ ختم آیت پر ختم ہو) کے حامل مزید تین ایڈیشنوں کا علم ہوا۔ (۱) مصحف بخط حافظ عثمان مصر ۱۳۱۲ھ۔ (۲) تاج کمپنی لمیٹڈ پاکستان (۳) الرئاستہ العامہ لادارت البحوث العلمیہ والافتاء والدعوۃ والارشاد الریاض (سعودی عرب) ۱۴۰۴ھ۔ اب یہی ایڈیشن شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ کی جانب سے چھپ کر ہر سال لاکھوں کی تعداد میں حاجیوں میں تقسیم ہو رہا ہے۔

(۵۵)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۱۲۔ فروری ۱۹۶۳ء
جمعتہ المبارک

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! یہ آپ نے تکلفات کا کیا سلسلہ شروع کر دیا؟ میرزا غالب کی مدح ایک صاحب نے کی تو جواب میں لکھا کہ بندہ پرور! اور نہ لکھیے ورنہ بندے کو خدائی کا دعویٰ کرنے میں بھی تامل نہ ہوگا (او کما قال)

مگر اس ''عالمتاب'' نے ایک پرانا قصہ یاد دلا دیا جس پر مرور زماں کی تہوں کے بہت سے پردے پڑ چکے ہیں۔ میں نیا نیا کالج سے نکلا تھا۔ اس زمانے میں شعر گوئی کا زور تھا اور بلا شائبہ خود ستائی میرا احساس یہ تھا کہ خدا نے مجھے شعر گوئی کے لیے پیدا کیا ہے۔ انگریزوں کی ملازمت سے نفرت تھی اور عقل کی کوتاہی کا یہ عالم تھا کہ ہر اسلامی ریاست کو آزاد سمجھتا تھا۔ فیصلہ کیا کہ حیدر آباد میں ملازمت اختیار کرنی چاہیے۔ چنانچہ ایک دوست کے ساتھ حیدر آباد چلا گیا۔ اگر چہ

Marfat.com

ملازمت بھی میں نے بادلِ ناخواستہ کی تھی۔ فیصلہ یہی تھا کہ اخبار جاری کروں، مگر جنگ یورپ چھڑی ہوئی تھی اور یہاں حالات بہت نازک تھے۔

بہرحال میں حیدرآباد پہنچا، سفر حیدرآباد کی ایک منزل اس زمانے میں منماڑ (۱) تھی۔ یہ بمبئی کا راستے کا ایک جنکشن تھا، جہاں سے حیدرآباد پہنچا، سفر حیدرآباد کی ایک منزل اس زمانے میں بڑی لائن بھی بن گئی۔ ہم منماڑ کے مسافر خانے میں حیدرآباد جانے والی ٹرین کا انتظار کر رہے تھے۔ وہاں ایک اور صاحب مل گئے۔ وہ بھی حیدرآباد جا رہے تھے۔ ان کے وہاں کچھ روابط تھے۔ چنانچہ میں ان کے دوست کی وساطت سے مہاراجہ کشن پرشاد (۲) کے پاس پہنچ گیا۔ میں نے ایک پرزور نظم کہی تھی۔ مگر اس نظم کو سنانے کے لیے خاصا وقت درکار تھا۔ اس کی تقریب کے لیے فارسی میں پندرہ بیس شعر بطور مثنوی کہہ لیے تھے۔ جن میں کچھ اپنا حال اور اپنے افکار واضح کیے تھے۔ میں نے یہ سنائے تو اس وقت مہاراجہ کے ایک مصاحب خاص ترک علی شاہ ترکی قلندر بھی موجود تھے۔ وہ میرے شعروں کی بہت تعریف فرماتے رہے، یہاں تک کہ مہاراجہ سے کہا دیکھیے حضور میرے پنجاب سے جو بھی آئے گا ہیرا آئے گا۔

میرے لیے یہ تعریف بہت زیادہ تھی۔ پھر میں وہاں کے آداب سے بالکل ناواقف تھا، مہاراجہ میرے شعر کی تعریف کرتے اور میں خاموش رہتا یا معمولی سلام کرتا۔ وہاں کا دستور یہ تھا کہ ہر تعریف پر اٹھ کر تین مرتبہ سلام کرو۔ غرض یہ مثنوی میں نے سنائی قصیدہ سنانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ میں پائیگاہ میں ملازم ہو گیا۔ وقت ادھر گزرنے لگا امراء کے درباروں سے مجھے پہلے بھی نفرت تھی۔ اب جانا، اجازت لینا، پھر کچھ سنانا، یہ میری طبیعت کے مطابق نہ تھا۔ مگر اس سلسلے میں ترکی سے گہرے تعلقات پیدا ہو گئے۔ وہ عجیب و غریب بزرگ تھے۔ رہنے والے نورمحل ضلع جالندھر کے تھے جو ہمارے گاؤں سے صرف آٹھ میل پر تھا۔ ابتدا ہی سے مختلف درباروں میں رہے آخر حیدرآباد پہنچ گئے۔ لمبی عمر پائی، متعدد کتابیں لکھیں۔ دیوان اردو، دیوان فارسی، مردمان چشم دیدہ وغیرہ۔ بڑا قادرالکلام شخص تھا، اس کے ہاں جمعہ کو ایک محفل جمتی تھی جس میں تمام شاگرد جمع ہوتے تھے اور شاگرد بہت زیادہ تھے، ان شاگردوں میں ترکی نے مجھے بھی زبردستی شامل کر لیا۔ حالانکہ میں نے ان کی یا کسی کی شاگردی نہیں کی۔ ابتدا میں صرف اپنے ایک استاد مولانا حکیم محمد سلیم صاحب سلیم (ساکن بستی غزاں) سے اصلاح لی تھی۔ ترکی نے شاگردوں کے مجمع میں مجھے ''مہر عالمتاب'' کا خطاب دیا۔ میں اس زمانے میں بھی غالب کا بے حد شیفتہ تھا اور آج بھی ویسا ہی بلکہ

Marfat.com

اس سے زیادہ شیفتہ ہوں۔ ترکی صاحب ایک مرتبہ میری روش سے تنگ آ گئے اور فرمایا:

غالب مردہ را پرستی؟ حیف!
رخ نیاری بہ غالب زندہ

''غالب زندہ'' سے ان کا اشارہ اپنی طرف تھا، مگر وہی میرزا غالب والی بات تھی جو انہوں (نے) مثنوی ''باد مخالف'' میں کہی، نظیری، عرفی، طالب اور دوسرے اساتذہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

آنکہ طے کردہ ایں مواقف را
چہ شناسد قتیل و واقف را؟

ترکی بڑے اچھے شاعر تھے۔ فن شعر کے زبردست استاد تھے، مگر غالب کا معاملہ دوسرا تھا اور ہم شاعری کی جس ادا پر مٹے ہوئے تھے وہ عرفی، نظیری اور غالب میں اکثر طالب، کلیم اور حزیں میں کمتر ملتی ہے۔

اس داستان سرائی سے غرض یہ تھی کہ مجھے دوسری مرتبہ ''عالمتاب'' سے سابقہ پڑا لیکن بھائی ظاہر ہے کہ اصل شے کارشایاں ہے۔ انسان کا کام یہ ہے کہ اسی کے لیے بقدر استطاعت کوشاں رہے۔ عزیز اور دوست اظہار محبت کے مختلف پیرایے اختیار کرتے ہیں۔ اس کے لیے دل سے صدائے سپاس اٹھتی ہے مگر آخر اسی پر آنا پڑتا ہے:

بنمائی بہ صاحب نظرے گوہر خود را

(معاف کیجیے یہ مصرع لکھ چکا تھا تو احساس ہوا کہ دوسرا مصرعہ نہیں لکھنا چاہیے لہٰذا مصرے ہی پر قناعت کر لی)

میں اچانک بیمار ہو گیا یعنی سینہ جم گیا اور پیٹ کے اعصاب میں کھچاوٹ پیدا ہو گئی۔ اس قسم کے آثار و علائم نمونیے کا پیش خیمہ ہوتے ہیں اور یہاں ایک دو صاحبوں کو نمونیا ہو چکا ہے۔ میں نے احتیاط کی، اب قدرے افاقہ ہے مگر اب بھی خاصی تکلیف ہے۔ زیادہ نہیں لکھ سکتا اور جتنی قوت تحریر تھی وہ ایک پرانا قصہ سنانے میں صرف ہو گئی۔ اقبال نے لکھا تھا:

بہ حرفے می تواں گفتن تمنائے جہانے را
من از ذوق حضوری طول دادم داستانے را

میرا بھی وہی حال ہوا۔ فنون کی علیحدہ فہرستوں کی ترتیب و تہذیب میرے ہاں نہیں

Marfat.com

چلے گی۔ کیونکہ مختلف فنون کی کتابیں ایک جلد میں مجلد ہیں۔ مثلاً مخزن کے انتخاب کی دوسری جلد کے ساتھ ''تقویت الایمان'' (۳) کا انگریزی ترجمہ مجلد ہے جو ایک نادر کتاب ہے اور یہ ۱۸۵۲ء کی چھپی ہوئی ہے بعد میں الگ کیجیے۔ فی الحال اسی طرح لکھ لیجیے۔ دیوانِ شمس تبریز بڑا ضخیم ہے۔ ایران والوں نے اب جو طریق طبع اختیار کیا ہے اس میں اور ضخیم ہوگیا ہوگا۔ آپ کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیے۔ عشق و محبت کے معاملات عجیب ہیں اور آپ دیوان پڑھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ مولانا کے لیے ویسے شعر روزانہ دو دو سو شعر کہہ لینا بھی مشکل نہ تھا۔ اب معافی چاہتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۵۵

۱۔ مولانا نے خطوط پر نظر ثانی کے وقت منماڑ پر ایک حاشیہ قلم بند کر دیا تھا جسے ذیل میں درج کیا جا رہا ہے:

منماڑ (Manmad) یہ جی آئی پی لائن پر ایک سٹیشن ہے۔ بمبئی وہاں سے تھوڑے فاصلے پر ہے قریباً دو ڈھائی سو میل، یہاں سے حیدر آباد کو چھوٹی لائن جاتی تھی۔ جو دولت آباد، اورنگ آباد ہوتی ہوئی ایک دن رات میں حیدر آباد پہنچاتی تھی۔ پھر بڑی لائن بن گئی لیکن یہ لائن قائم رہی۔ دکن اور مغربی ہند میں ایسے کئی مقامات ہیں جو "d" سے لکھے جاتے ہیں مگر اس "d" کی آواز ''ڑ'' کی ہوتی ہے مثلاً Wadi تلفظ ''واڑی'' بہت بڑا جنکشن ہے Bejwada تلفظ ''بجواڑہ'' جی آئی پی سے منماڑ جا کر اتر جاتے تھے اور حیدر آباد کی ریلوے کا انتظار کرتے تھے جس کا نام نظامس گارنٹیڈ ریلوے Nizam's guaranteed Railway ہے۔ یہی ریلوے لائن تھی جس سے حیدر آباد جاتے ہوئے میں نے پورنا ندی سے گزر کر اورنگ آباد سے آگے چاندنی رات میں مٹی کا ایک کوزہ ڈبے سے باہر پھینکنا چاہا تھا۔ مگر نہ، بازو کے پیچھے اکڑ گئے دل پہ چوٹ لگی کہ یہ مٹی کا کوزہ کس گناہ میں چودہ سو میل پہنچ گیا اور ''کوزہ سفال'' نظم لکھی''۔

مولانا نے میری ایک بیاض ''دست گل'' (غیر مطبوعہ) میں جو بیش بہا معلومات اور لطائف نفیسہ کا خزینہ ہے اس نظم کے شان نزول پر جو تعارفی نوٹ لکھا ہے وہ بھی درج ذیل ہے: غالباً ۱۹۱۷ء کا واقعہ ہے کہ میں حیدر آباد دکن جا رہا تھا جہاں سے کچھ عرصہ پایگاہ وقار الامرائی میں انسپکٹر آف سکولز رہا۔ لمبا سفر تھا۔ جالندھر سے دہلی، دہلی سے منماڑ اور وہاں سے چھوٹی لائن پر حیدر آباد جاتے تھے چاندنی رات تھی اور میری ٹرین پورنا ندی سے گزر رہی تھی۔ .. سے پاس مٹی کا ایک کوزہ تھا جس

Marfat.com

میں گھر والوں نے گاجر کا حلوہ بنا کر رکھ دیا تھا کہ کسی وقت کھانا حسب خواہش نہ ملے تو کھا لیا جائے یا ناشتے میں کام دے سکے، کوزہ حلوے سے خالی ہو چکا تھا اور میں اسے کھڑکی کے راستے نیچے پھینکنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ کوزے والا ہاتھ کھڑکی سے باہر نکال کر پھینکنا چاہتا تھا، مگر پھینکا نہ گیا۔ خیال آیا کہ یہ کوزہ ضلع جالندھر کی مٹی سے بنا اور اب میری وجہ سے بارہ تیرہ سو میل پر پھینکا جائے گا اور اس کا کوئی ریزہ پھر اپنے وطن تک نہ پہنچ سکے گا۔ چنانچہ میں نے کوزہ رکھ لیا اور ایک نظم شروع ہو گئی۔ بطور یادگار یہاں لکھتا ہوں۔

کوزۂ سفال

اے کوزۂ سفال غریب الوطن ہے تو
سرگرم نالہ پاشی رنج و محن ہے تو
تاراجِ کاوشِ غم ہجراں ہے گھر ترا
یاد وطن میں چاک ہوا ہے جگر ترا
قسمت نے کر دیا تجھے گیتی خراب درد
معلوم کیا کسی کو ترا اضطراب درد
اس سرزمیں میں آہ! ترے غم میں روئے کون
دُر ہائے اشک تارِ نظر میں پروئے کون
قسمت بگڑ گئی ہے مگر تن کے بیٹھ رہ
پہلو میں مہرِ خستہ کے دل بن کے بیٹھ رہ
ہاں ملک غیر میں دل فریادرس نہ ڈھونڈ
اس کاروانِ خفتہ میں بانگ جرس نہ ڈھونڈ
تو کربلائے یادِ عزیزاں کا ہے شہید
یا مجھ سیاہ بخت کی ٹوٹی ہوئی امید

بیٹھا ہوں آہ! میں بھی تری طرح بے وطن
میرے بھی دل میں درد کا طوفاں ہے موجزن
میری بھی چشم شوق ہے خون نابہ بار آج
میرے بھی صبر کی ہے قبا تار تار آج
سر زیر ظلِ مہرِ عزیزاں نہیں رہا
آ اے اجل کہ زیست کا درماں نہیں رہا
صد جوشِ گل بہ دل رخ گلچیں نہ دیدہ ہوں
''میں موسمِ بہار میں شاخِ بریدہ ہوں''

آ اے ستم نصیب کہ مل کر رہیں یہاں
اک دوسرے سے درد تمنا کہیں یہاں
عزم ستم فروشی گردوں کو توڑ دیں
آئینہ ساز بخت کے افسوں کو توڑ دیں
سرمشقِ کج ادائی اہل وطن ہوں میں
اے کوزۂ سفال غریب الوطن ہوں میں

یہ نظم ''شعرائے پنجاب'' مرتبہ ملک محمد باقر نسیم رضوانی میں بھی شامل ہے جسے گجرات پرنٹنگ پریس

Marfat.com

گجرات نے ۱۹۳۷ء میں شائع کیا۔

۲۔ مہاراجہ سرکشن پرشاد نظام حیدرآباد دکن کے وزیراعظم تھے اردو ادب کے مربی اور اردو و فارسی ہر دو زبانوں میں طبع آزمائی بھی کرتے تھے۔ دیوان اردو، فارسی، زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ایک نعتیہ دیوان بھی ان سے یادگار ہے۔ خواجہ اجمیر حضرت معین الدین چشتی رحمہ اللہ سے بے پناہ عقیدت تھی اسی نسبت سے اپنے بیٹے کا نام خواجہ پرشاد رکھا، علامہ اقبال سے خصوصی مراسم تھے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے دونوں بزرگوں کے تعلقات اور باہمی مراسلت کا مجموعہ شاد اقبال کے نام سے مرتب کر کے ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد دکن کی جانب سے ۱۹۴۲ء میں شائع کیا تھا۔ جس میں اقبال کے ۴۹ اور شاد کے ۵۲ خطوط شامل ہیں۔ بعد ازاں جناب محمد عبداللہ قریشی صاحب نے اقبال کے مزید پچاس خطوط بنام شاد تلاش کر کے نوادر اقبال کے عنوان سے ماہنامہ صحیفہ ''اقبال نمبر'' (حصہ اول مجلہ مجلس ترقی ادب لاہور) بابت اکتوبر ۱۹۷۳ء میں شائع کرا دیے تھے۔ شاد ۱۹۴۰ء میں راہی ملک عدم ہوئے۔

۳۔ ''تقویۃ الایمان'' شاہ اسمٰعیل شہید کی معرکہ آرا کتاب ہے جو پہلی مرتبہ ۱۲۴۳ھ میں چھپی۔ اب تک لاکھوں کی تعداد میں چھپ چکی ہے راقم کے کتب خانہ میں ۱۸۷۰ء کا ایڈیشن ہے جو مطبع دارالسلام دہلی سے طبع ہوا ''تقویۃ الایمان'' کا انگریزی میں ترجمہ میر شہامت علی نے کیا تھا جو رائل ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کے جرنل میں چھپا اور بعدازاں الگ کتابی صورت میں لندن سے ۱۸۵۲ء میں چھپا جس پر مصنف کا نام مولوی اسمٰعیل حاجی لکھا گیا تھا۔ پاکستان میں اس کا جدید ایڈیشن بنام Support of Faith شیخ محمد اشرف کشمیری بازار لاہور نے ۱۹۶۹ء میں شائع کیا ہے۔ جسے ایم اشرف ڈار صاحب نے مرتب کیا مگر اس نسخہ میں مولانا غلام رسول مہر کے مرتب کردہ ''تقویۃ الایمان'' مطبوعہ اہل حدیث اکیڈمی لاہور ۱۹۵۵ء کے مطابق ترمیم و تنسیخ کر دی گئی ہے۔

(۵۶)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲۳ فروری ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! آج ہفتہ ہے اور میرے شہر جانے کا دن۔ ہفتے میں ایک دن جب میں شہر

Marfat.com

گھر میں نہیں رہتا۔ مگر رمضان شریف میں جانے کا سلسلہ تو قائم رہتا ہے البتہ میں زیادہ ٹھیرتا نہیں اور بارہ ایک سے پیشتر واپس آجاتا ہوں۔ چنانچہ آج بھی آگیا۔ رمضان شریف کا یہ آخری ہفتہ تھا۔ آئندہ ہفتے سے پھر صبح جا کر شام کو لوٹنے کا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

میں نے جو واقعہ (۱) بیان کیا تھا وہ بھولا بسرا واقعہ تھا، جو آپ کے انوکھے خطاب نے یاد دلایا اور میں نے تفننا بیان کر دیا۔ اس لیے کہ میری ابتدائی زندگی کا وہ ایک رومانی دور تھا جس میں بزم خود میں ایک شاعر کی حیثیت سے داخل ہوا تھا، اب سوچتا ہوں تو اپنے تصورات پر بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ شعر گوئی سے اس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا کہ معانی کے بھید، ترکیبوں کی تراش خراش کے حسن اور الفاظ کے درو بست، تاثیر اور بہ اعتبار مضمون مناسبت کا ایک حد تک اندازہ ہو گیا۔ اس کے علاوہ یہ کہ اساتذہ کے اشعار کی حقیقی حیثیت ایک حد تک ذہن نشین کر لینے میں مدد ملی۔ مقدر یہ تھا کہ میری زندگی شعر گوئی نہیں بلکہ نثر نگاری میں گزرتی۔ مرزا غالب رحمہ اللہ کی طرح تو نہیں کہہ سکتا کہ

ما نبودیم بدیں مرتبہ راضی غالب
شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما

البتہ اس میں کلام نہیں کہ اگر میں اپنی داستان حیات لکھوں اور نظم گوئی سے نثر نگاری تک کے تمام حالات بے کم و کاست بیان کر دوں تو پڑھنے والے کو یقین ہو جائے کہ نثر نگاری کے میدان میں شوق سے نہیں آیا بلکہ ایک غیر مرئی قوت مجھے زنجیریں پہنا کر کھینچ لائی۔ پھر لطف یہ کہ میری جس تحریر نے پہلے پہل اشاعت پائی (اور اس سے پیشتر کوئی ٹکڑا بھی کبھی نہیں چھپا تھا) وہ زمیندار اخبار (۲) کا افتتاحیہ تھا یعنی لیڈنگ آرٹیکل۔ پھر جو کچھ لکھا وہ بھلا یا برا قومی جدوجہد کا نہایت اہم جزو بنا رہا اور میری دل بستگی بڑھتی گئی۔

لاحول ولا قوۃ۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ جو بیان تفریح و تفنن پر مبنی تھا اسے آپ نے دستاویز بنا دیا۔ برادر عزیز! انسانی محبت و نوازش کا معاملہ عجیب ہے۔ اس میں حدود کی احتیاط عموماً ملحوظ نہیں رہتی، مگر صحیح یہی ہے کہ قدم احتیاط سے غافل نہ ہو اور مقررہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔ ایسی باتوں سے کیا ہوتا ہے؟ نگاہیں ہمیشہ نتائج و عواقب پر رہنی چاہییں۔ غالب کیا خوب فرما گئے ہیں:

کام وہ اچھا ہے جس کا کہ مآل اچھا ہے

میں زیادہ لکھنا چاہتا تھا مگر مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور مجھے اٹھنا چاہیے اس لیے عفو

Marfat.com

خواہ ہوں۔ آپ مجھے لکھیں کہ میری کون کون سی کتابیں آپ کے پاس ہیں۔ (۳) باقی کتابوں میں سے جو نیاز صاحب (۴) نے چھاپیں وہ تو شاید مل جائیں ایک وقت میں نہیں تو مختلف اوقات پر۔ باقی کتابوں میں سے تو خود میرے پاس بھی شاید ایک ہی نسخہ ہو اور میری تصانیف کی تعداد (یعنی ایسی تصانیف جو نصاب کی کتابوں کے علاوہ ہیں) کم و بیش چالیس بلکہ اس سے زیادہ ہوگی اور ان میں سے بعض کتابیں بارہ بارہ سو صفحات کی ہیں۔ بعض اب تک زیر طبع ہیں۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں۔ میرے شوق تحریر میں اچانک ہو رکاوٹ پیدا ہوگئی اللہ تعالیٰ اس کی تلافی بعد میں کر دے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۵۶

۱۔ میں نے فرط عقیدت اور آپ کی مسلسل نوازشوں اور عنایتوں کے سبب گزشتہ عریضہ میں آپ کو "مہر عالم تاب" کے لقب سے مخاطب کیا تھا جس کے جواب میں آپ نے اپنے سابقہ مکتوب گرامی (۵۵) میں مہر عالم تاب کے متعلق ایک قصہ بیان کیا تھا یہ اس کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ یہ افتتاحیہ حکومت سے عدم تعاون کے متعلق تھا اور عنوان تھا "طلوع صبح امید" جو روزنامہ "زمیندار" لاہور میں ۱۸ نومبر ۱۹۲۱ کو اشاعت پذیر ہوا۔

۳۔ اس وقت تک میرے کتب خانہ میں مولانا کی صرف مندرجہ ذیل کتابیں تھیں جن کی اطلاع بعد ازاں فراہم کر دی گئی۔ (۱) خطوط غالب (۲) نقش آزاد (۳) تبرکات آزاد (۴) باقیات ترجمان القرآن (۵) سرود رفتہ (۶) ۱۸۵۷ء کے مجاہد (۷) ۱۸۵۷ء (۸) سید احمد شہید (جلد اول) (۹) انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم (جلد اول)۔

۴۔ مالک و مہتمم شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور۔

(۵۷)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

باسمہ سبحانہ

Marfat.com

عزیز مکرم! آپ نے ایک مشقت خیز کام (۱) اپنے ذمے لے لیا۔ مجھے روکنے کا بھی یارا نہیں اور یہ مشقت آپ کے لیے گوارا بھی نہیں، وہی مشہور طوائف والا قصہ ہے، جس کا گانا نادر شاہ کو اتنا پسند آیا کہ اربوں کے مال غنیمت کے ساتھ اسے بھی ایران لے جانا چاہتا تھا۔ غالباً نورابائی اس کا نام تھا۔ آخر اس نے ایک روز بڑے ہی سوز سے ایک غزل گائی، جس میں اپنا مافی الضمیر بھی پیش کر دیا۔ نادر شاہ نے اسے دہلی میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس غزل کے دو شعر مشہور ہیں۔

من شمعِ جاں گدازم، تو صبحِ دل کشائی
سوزم گرت نہ بینم، میرم چوں رخ نمائی
نزدیکت ایں چنینم، دور آنچناں کہ گفتم
نے تاب وصل دارم، نے طاقت جدائی

اگر آپ میرے خطوط کے تعطل کو نقصان سمجھتے ہیں تو اس کی تلافی کی صورت یہ ہے کہ سوالات لکھ لایا کریں میں جوابات لکھ دیا کروں گا۔

اب اپنے سوالات کا جواب لیجیے:

۱۔ ضربت علیھم الذلة والمسکنة (۲) کا مطلب ہرگز وہ نہیں کہ ایک قوم کو جس کا نام یہود تھا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ذلت و مسکنت کا ہدف بنا دیا گیا اور ان کے لیے اٹھنا قیامت تک ممکن نہ رہا۔ ایسا سمجھنا شدید غلطی کا موجب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے ذلت و مسکنت کی طرح عزت و رفعت کے بھی اصول و قواعد بنا دیے ہیں۔ جو عین انسانوں کی طبعی حالت کے مطابق ہیں۔ جو قوم جس وقت جس قسم کے اصول و قواعد کو اختیار کرے گی، غیر ممکن ہے کہ ان کے نتائج سے فائدہ نہ اٹھائے یا ان کی تعذیب سے بچی رہے۔ جو شخص آگ میں ہاتھ ڈالے گا لازماً جلے گا، کیونکہ آگ کا خاصہ جلانا ہے اور جو شخص بلندی سے نیچے گرے گا لازماً شکستگی و خستگی کا ہدف بنے گا کیونکہ گرنے کا نتیجہ یہی ہے۔ اسی طرح جو شخص حفاظت، عزت، رفعت، برتری وغیرہ کے اصول پر کاربند ہوگا، یقیناً سربلند ہوگا۔

بنی یہود کا ذکر قرآن میں ذلت و مسکنة کے ساتھ آیا ہے وہ اپنے عقائد و اخلاق و اعمال کے بنا پر کسی رفعت و عزت کے مستحق نہیں رہے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اب ان کے اخلاف قیامت تک ان ہی اخلاق و عقائد و اعمال کے رہیں گے۔ بہت سے یہودی مسلمان

Marfat.com

ہوئے اور انہوں نے رفعت میں درجہ کمال حاصل کر لیا۔ بہت سے یہودی یہودی ہی رہے مگر اسلامی حکومتوں میں دولت و برتری کے اوج پر پہنچے۔ یورپ میں بھی ان کے لیے ہر قسم کے حالات پیش آتے رہے۔

اسلامی تاریخ میں مسلمانوں کی ذلت و مسکنت کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً مغلوں کا آخری دور، اندلس میں مسلمانوں کا آخری دور وغیرہ۔

تمام معاملات پر غور کیا جائے تو نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جو فرد یا گروہ جس قسم کے اصول و قواعد پر چلے گا اسی قسم کے نتائج سے دوچار ہوگا، خواہ مسلمان ہو یا یہودی یا عیسائی یا کافر یا مشرک۔ کیا مشرک اور مسیحی مسلمانوں پر مسلط نہ ہوئے اور مسلمانوں کے لیے الا بحبل من اللہ وحبل من الناس (۳) صورت رونما نہ ہوئی؟ کسی تعلیم سے انتساب ہرگز کفایت نہیں کرتا۔ اس تعلیم کے تمام اصول و جزئیات پر عمل لازم ہے۔ اگر مسلمان مسجد میں بیٹھ کر صبح سے شام اور شام سے صبح تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے رہیں اور ان میں اعلیٰ مقاصد کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ راسخ پیدا نہ ہو تو نتیجہ ذلت و مسکنت کے سوا کیا ہوگا؟ اصل کامل کلمہ توحید زبان سے دہراتے جانا نہیں، بلکہ اس کے لوازم و واجبات یعنی تعلیمات اسلام پر عمل لازم ہے۔ بہرحال مفسرین کا دعویٰ نزول قرآن کے وقت سے ان یہودیوں کے لیے تو ٹھیک تھا، جو عرب میں رہتے تھے۔ ہمیشہ کے لیے درست نہیں مانا جا سکتا تھا اور درست نہیں۔ مفسرین نے اپنے مشاہدے کی بنا پر ہمیشہ کے لیے فیصلہ کر دیا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ خود ان پر بھی ذلت و مسکنت کا وہ دور آنے والا ہے، جسے وہ یہود سے مختص سمجھتے تھے۔

۲۔ علی بن حسینؓ سے مراد امام زین العابدین ہیں جن کا نام علی اوسط تھا۔ انہیں سید او سجاد بھی کہتے تھے۔

۳۔ مولانا محمد علی مرحوم (۴) کے متعلق ایک کتاب رئیس احمد جعفری صاحب کی ہے ایک مولانا عبدالماجد دریا بادی کی (میری ڈائری کے چند اوراق) ایک خود ان نے انگریزی میں لکھی تھی "My Life —— A Fragment" ان کے مکاتیب سرور صاحب جامعی نے مرتب کر دیے تھے بعض اور کتابیں بھی ہیں جن سے مولانا کے متعلق معلومات مل سکتی ہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۵۷

۱۔ آپ کے کتب خانے کی نہرست سازی کی طرف اشارہ ہے۔

۲۔ سورہ بقرہ آیت نمبر ۶۱ ترجمہ: اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی۔ مفسرین کرام اس طرف گئے ہیں یہود کی دنیا میں حکومت نہیں ہوگی اور وہ ذلیل وخوار ہوں گے۔ حالانکہ اب یہود کی حکومت قائم ہو جو عالم اسلام کے سینہ پر ایک ناسور ہے۔ وضاحت اسی سلسلہ میں کی گئی۔

۳۔ سورہ آل عمران۔ آیت ۱۱۲ ترجمہ: سوائے دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے۔

۴۔ مولانا محمد علی جوہر پر اس کے بعد جو مزید کتابیں لکھی گئیں ان میں سے بعض کے کوائف اس طرح ہیں

(۱) حیات جوہر، سید محمود آزاد۔ یوسف پبلشرز بنک روڈ راولپنڈی ۱۹۷۹ء۔

(۲) مولانا محمد علی اور ان کی صحافت۔ ابوسلمان شاہجہانپوری ادارہ تصنیف وتحقیق پاکستان کراچی ۱۹۸۳ء۔

(۳) مکتوبات رئیس الاحرار موڈرن پبلیشرز صدر کراچی ۱۹۷۸ء۔

(۴) محمد علی جوہر حمیدہ ریاض اسٹار ٹاؤن ناگپور۔ (ہندوستان)

(۵۸)

عزیز مکرم!

۱۔ میرے نزدیک آپ نے جلدی کی۔ شیخ الہند مرحوم کے ترجمہ میں بھی وہی مرقوم ہے جو میں نے عرض کیا تھا۔ آپ نے اسے توجہ سے نہیں دیکھا۔ بہرحال ربائب سے مراد وہ لڑکیاں ہیں جو بیویوں کے پہلے شوہروں سے ہوں اور دوسرے شوہر کے گھر میں تربیت پائیں۔

۲۔ میرے نزدیک یہ مشہور شعر (۱) خواجہ معین الدین اجمیری رحمہ اللہ کا نہیں کسی اور کا ہے لیکن شاعرانہ مبالغہ سے قطع نظر حضرت داتا گنج بخش رحمہ اللہ خدمت اسلام کے لیے ایثار وقربانی کی بنا پر بے حد احترام کے مستحق تھے۔

۳۔ میرے نزدیک ترجمہ اچھا نہیں۔ (۲)

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۵۸

Marfat.com

۱۔ یہ اس شعر کی طرف اشارہ ہے:

گنج بخش فیض عالم مظہر نورِ خدا

ناقصاں راپیر کامل کاملاں را راہنما

مذکورہ شعر دیوان معین الدین چشتی مطبوعہ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور میں بھی نہیں ہے۔

۲۔ History of Moorish Empire in Europe کے اردو ترجمہ کے متعلق رائے ہے جو محمد خلیل نے کیا۔

(۵۹)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۱۸۔ اپریل ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! میں نزلے، بخار اور انحراف طبع کی مصیبت سے ابھی تک نجات نہیں پا سکا۔ ایک روز طبیعت اچھی ہوتی ہے مگر دوسرے روز باوجود فورِ احتیاط کوئی نہ کوئی غلطی ہو ہی جاتی ہے۔ پھر پکڑا جاتا ہوں اور آپ جانتے ہیں کہ فطرت کی بارگاہ میں ہر غلطی کے لیے مواخذہ ہوتا ہے خصوصاً جب انسان میرے مراحلِ عمر میں ہو، عرفی کیا خوب کہہ گیا ہے:

ایں رہِ عشق است کج گشتن نہ دارد باز گشت

جرم را ایں جا عقوبت ہست استغفار نیست

دیوان باقر (۱) کی تحریر مجھے یاد نہیں اور دیکھنے کی ہمت بھی نہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ قاعدہ فارسی کے مطابق ''زمین'' کے نون کا اعلان بعد اضافت جائز نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ غالب نے ''ناف زمیں ہے یہ نہ کہ نافِ غزال ہے'' ہی لکھا تھا۔ اگرچہ ابتدا سے یہ مصرعہ برابر بہ حذف ''یہ'' چھپتا رہا۔ گویا ایک صورت یہ ہوئی کہ غالب کو ایک مسلم قاعدہ فارسی سے انحراف کا مجرم ٹھہرایا جائے۔ دوسری صورت یہ ہوئی کہ ایک معمولی لغزش کو جو یقیناً کاتب کی ہوگی یا ناقل کی ختم کر دیا جائے یعنی بہ اضافہ 'یہ' باقر چونکہ غالب کے معتقد اور شاگرد تھے انہوں نے دوسرے طریقے کو ترجیح دی جو صاحب حق و انصاف کو یہی کرنا چاہیے۔

Marfat.com

غالب نے ایک اور جگہ بھی خلاف قاعدہ اعلان نون جائز رکھا ہے یعنی:

''فرمانروائے کشور ہندوستان ہے۔''

یہاں بھی ہندوستان بلا اعلان نون ہونا چاہیے مگر بعض نے یہ توجیہ پیش کر دی کہ ہندوستان علم ہے لہٰذا یہاں اعلان نون میں مضائقہ نہیں۔ اس میں شبہہ نہیں کہ یہ چیزیں کانوں کو بری معلوم ہوتی ہیں۔

خود شعر میں کوئی خاص پیچیدگی میرے نزدیک تو ہے نہیں۔ صرف مطلب یہ ہے کہ کعبے کو سیاہ غلاف پہنایا جاتا ہے۔ اور غلاف پہناتے وقت دیواروں پر خوشبوئیں بھی ملی جاتی ہیں اندر خوشبوئیں سلگائی جاتی ہیں۔ غالب نے سیاہی اور خوشبوؤں کی بنا پر اس غلاف کو ''مشکیں'' قرار دیا وہ کہتا ہے کہ کعبے کا لباس صرف حضرت علیؑ کے قدم کی برکت سے مشکیں ہوا ہے۔ یعنی اس میں مشک کی سی جو خاصیت پیدا ہوئی ہے حضرت علیؑ کی بدولت ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کعبہ بے شک ناف زمیں ہے مگر ناف غزال تو نہیں کہ اس میں مشک پرورش پا سکتا۔

لوگوں نے اطراف پر بہت بحثیں کی ہیں۔ مثلاً یہ کہ حدیث میں آیا ہے کعبہ ''ناف زمین'' ہے۔ میں ایسی کسی حدیث سے اب تک واقف نہ ہو سکا اور اگر یہ حدیث ہے تو ناف ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ زمین گول ہے آپ جس نقطے کو خاص جگہ قرار دے لیں اسے ناف کی حیثیت حاصل ہو جائے گی کیونکہ گول چیز کا ہر نقطہ یکساں حیثیت رکھتا ہے اگر فرضی خطوط میں سے خطِ استواء کو عین وسط ارض کا خط مانا جائے تو ناف اس خط پر ہونی چاہیے مگر کعبہ اس سے دور ہے۔ بعض لوگوں نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ کبھی کعبے کو ناف کی حیثیت حاصل تھی اور خط استوا اسی جگہ تھا مگر موسم بدلتے بدلتے خط استوا بھی بدل گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ توجیہ لغو ہے ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت علیؑ کعبے میں پیدا ہوئے تھے۔ میں اس سے بھی ناواقف ہوں ہمارے ایک دوست ہیں جو شیعہ حضرات سے بحثیں کرتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی نے ان کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا تو بے تکلف بولے: کعبہ طواف وعبادت کی جگہ ہے نہ کہ میٹرنٹی ہسپتال (زچہ خانہ)

غالب اپنی شیعیت کا اظہار کرنا چاہتے تھے اور حضرت علیؑ سے منسوب کر کے شعر کہہ دیا۔ بلاشبہہ حضرت علیؑ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے لیکن اراذل خلق مثلاً ابوجہل، ابولہب وغیرہ بھی تو وہیں پیدا ہوئے تھے۔ کسی خاص مقام یا وقت یا تاریخ کی پیدائش کسی کو کچھ نہیں بنا سکتی۔ جس مقام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات بابرکات کے مولد کا درجہ حاصل ہوا۔ اس سے مقدس تر مقام کون سا

Marfat.com

ہوسکتا ہے۔ مگر حضور ﷺ کے بعد بھی وہاں ہر قسم کے آدمی پیدا ہوتے رہے۔ ہر کمال انسان کے ذاتی عقائد و اعمال پر ہے نہ کہ مقام پیدائش یا تاریخ یا وقت پیدائش پر۔ یہی اسلام نے ہمیں سکھایا۔ یہی رسول اللہ ﷺ کی مقدس تعلیم تھی۔

غالب کے شعر پھر کسی وقت لکھوں گا اب طبیعت گھبرائی ہوئی ہے۔ میں نے بہ مشکل یہ سطریں آپ کی محبت کے جوش میں لکھ دیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

میں خط لکھ کر بیٹھا تھا۔ آپ کا لفافہ اٹھا کر ایک حصہ پھاڑا اور شعر لکھنے لگا۔ صاف حصہ ختم ہوا تو سرخی سے لکھے ہوئے حصہ پر لکھتا گیا۔ وہ ختم ہوگیا کاغذ ارسال ہے:

ز آفرینش عالم غرض جز آدم نیست　　بہ گرد نقطۂ ما دورِ ہفت پرکار است

تا نیفتد ہر کہ تن پرور بود　　خوش بود گر دانہ نبود دام را

دمید دانہ و بالید و آشیاں گہ شد　　در انتظار ہما دام چیدنم بنگر

رابے ز کنج دیر بہ مینو کشیدہ ام　　از خم کشم پیالہ و در کوثر افگنم

بمن گرای و وفا جو کہ سادہ برہمنم　　بہ سنگ ہر کہ دہد دل بہ غمزہ چوں نہ دہد

یخ فروشم در تموزو و کلبہ دور از چارسوست　　مے رود سرمایہ از کف تا خریدارے رسد

مے گساراں قحط و ما بے صبر و عسرت مفت کیست　　بادۂ ما تا کہن گردید ارزاں کردہ ایم

اندراں روز کہ پرسش رود از ہر چہ گزشت　　کاش با ما سخن از حسرتِ ما نیز کنند

تو اے کہ محو سخن گسترانِ پیشینی　　مباش منکر غالب کہ در زمانۂ تست

رندِ ہزار شیوہ را طاعت حق گراں نہ بود　　لیک صنم بہ سجدہ در ناصیہ مشترک نخواست

عیار فطرت پیشیاں زما خیزد　　صفائے بادہ ازیں دردِ تہ نشیں پیداست

بہ بادہ گر بودم میل شاعرم نہ فقیہ　　سخن چہ ننگ ز آلودہ دامنی دارد؟

حاشیہ نمبر ۵۹

۱۔ فہرست کتب بناتے وقت دیوان باقر از سید باقر علی شاہ مطبوعہ شمس الاسلام پریس دکن مرتبہ حافظ سید عطا حسین کے صفحہ ۳۲۰ کے حاشیہ پر اتفاقیہ نظر پڑ گئی جس میں غالب کا مشہور شعر:

Marfat.com

مشکیں لباس کعبہ علی کے قدم سے جاں
ناف زمین ہے نہ کہ ناف غزال ہے

کے مصرع ثانی کے متعلق لکھا تھا کہ ''از غلطی کاتب لفظ یہ در کتابت نہ آمد'' پر بحث اسی سلسلے کے متعلق ہے۔

(٦٠)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۱۱/اپریل ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! میرا خیال ہے کہ یہ شوکت میرٹھی کی شرح (۱) ہے جو اپنے آپ کو ''مجدد السنہ مشرقیہ'' کہتے تھے اور ''شحنہ ہند'' میرٹھ ہی سے نکلتا تھا۔ میں نے ابتدائی زمانے میں یہ دیکھی تھی اور میرے پاس تھی۔ مگر ان کتابوں میں رہ گئی جو میرے وطن میں ضائع ہوئیں۔ اب کہیں نہیں ملتی ان شوکت صاحب نے بیدل کے نکات کی شرح لکھی تھی اور ابتدائی زمانے میں ہم اسے پڑھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔ اگر کبھی تھوڑی سی فرصت ملی تو ایک نظر میں بھی اسے دیکھوں گا۔

بھائی غالب کے دیوان کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ میں ان سب سے واقف نہیں۔ حسرت موہانی طباطبائی، نشتر جالندھری، آسی لکھنوی سہا بیخود دہلوی، سرخوش لاہوری اور بھی ہیں۔ ان میں سے بیشتر میں نے دیکھیں ہی نہیں۔ حسرت، طباطبائی، نشتر کی شرحیں میرے علم میں ہیں۔ آغا باقر نے سب شرحوں کا خلاصہ تیار کر دیا تھا۔

یہ سب اردو دیوان کی شرحیں ہیں فارسی کی شرح کوئی نہیں لکھی گئی۔ صرف ''یادگار'' (۲) میں فارسی کے منتخب اشعار کی شرح کی گئی ہے یا بعض مضامین، مجھے دراصل اس بارے میں زیادہ معلومات حاصل نہیں۔

منشی محمد دین فوق مرحوم کا مشہور اخبار کشمیری میگزین ہی تھا۔ کشمیری گزٹ سے میں واقف نہیں۔ لیکن فوق صاحب نے کئی اخبار مختلف اوقات میں جاری کیے تھے۔

میری طبیعت تا حال جادۂ اعتدال سے منحرف ہے۔ یہ سطریں بہ مشکل لکھی ہیں۔ تفصیل ممکن نہیں۔

Marfat.com

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۶۰

۱۔ میرے کتب خانہ میں اردو کلام غالب کی ایک شرح تھی جس کا سرورق غائب تھا۔ البتہ اس کے آخری صفحہ پر اخبار ''شحنہ ہند میرٹھ'' کی مہر ثبت تھی میں نے اس شارح کا نام دریافت کیا تھا اور اس کے ساتھ ہی دیگر شارحین کلام غالب کے اسماء بھی دریافت کیے تھے۔ یہ گرامی نامہ اس کے جواب میں ہے بعد ازاں مذکورہ ''حل کلیات اردو مرزا غالب'' کا مکمل نسخہ کتب خانہ مہتاب علوم کراچی کے مالک جناب محمد بشیر احمد بٹ مرحوم کے کتب خانہ میں دیکھنے کا موقع ملا اور میں نے سرورق نقل کرا کر اپنی کتاب میں چسپاں کرلیا۔ مولانا نے درست فرمایا تھا اس کے شارح کا مکمل نام مولانا حافظ احمد حسن شوکت مالک اخبار شحنہ ہند میرٹھ وطوطی ہند وپروانہ درج ہے۔ یہ شرح مطبع شوکت المطابع میرٹھ سے ۱۳۱۷ھ میں طبع ہوئی۔

۲۔ یادگار سے مراد ہے یادگار غالب یعنی جناب میرزا اسد اللہ خان متخلص بہ غالب دہلوی کی زندگی کے حالات اردو کی اقسام نظم نثر اردو فارسی کا انتخاب اور ہر ایک قسم پر جداگانہ ریمارکس مرتبہ شمس العلماء مولوی الطاف حسین حالی پانی پتی۔ طبع دوم مطبع فیض عام علی گڑھ (س ن)

اس واقعہ کا تذکرہ شاید اس موقع پر بے محل نہ ہو کیونکہ بادی النظر میں اس کا تعلق بھی شرح کلام غالب سے جا ملتا ہے اور وہ اس طرح کہ سید مرتضی حسین فاضل لکھنوی نے کلیات غالب (فارسی) تین جلدوں میں مرتب کی جسے مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۷۶ء میں جشن تاج گذاری محمد رضا پہلوی شہنشاہ ایران وعلیا حضرت فرح پہلوی شہربانوئے ایران کے موقع پر بطور یادگاری ایڈیشن شائع کیا اس کی جلد دوم کے صفحہ ۱۴۹ پر غالب کے ایک قصیدہ کے مندرجہ ذیل اشعار:

از پی مدح تو چوں نقطہ گزارد بورق
خامہ من بغزالی دم احیا ماند
کہ بہ مستی ناز بہ صحرا پوید
وندراں پویہ ازو نافہ بہ صحرا ماند

میں لفظ احیاء پر فاضل مرتب نے مندرجہ ذیل حاشیہ لکھا:

دیوان فارسی طبع دہلی اور کلیات طبع لکھنؤ میں ایک لفظ کی تبدیلی سے عجیب اختلاف ہو گیا ہے دیوان میں دم احیا ماند، کلیات میں دم انشا ماند، ہم نے دہلی والے نسخے کو بہتر سمجھا ہے کیونکہ غزالی کی کتب

Marfat.com

احیاء العلوم وجہ امتیاز ہے نہ کہ انشاء غزالی'' اس حاشیہ پر مولانا مہر نے میرے نسخہ کلیات غالب پر جو حاشیہ لکھا وہ پڑھنے کے لائق ہے اور اسی نظریہ سے ہدیہ ناظرین ہے۔

'' انا للہ یہ غزالی نہیں غزالے ہے اور اگلے شعر سے مل کر معنی پیدا ہوتے ہیں یعنی وہ غزال جو یہ مست صحرا میں دوڑتا ہے اور ہر طرف مشک چھوڑ جاتا ہے اگر غزالی اور احیاوالی تعبیر مان لی جائے تو۔

(۱) خامہ من بہ غزالی دم احیاء ماند کے معنی یہ کرنے ہوں گے۔ میرا خامہ غزالی کی مانند ہو جاتا جب وہ احیاء العلوم لکھ رہے تھے۔ یہ تعبیر کی کون سی صورت ہے۔

(۲) اگلے شعر کا مطلب کیا ہوگا؟

کیا یہ کہ امام غزالی جب احیاء العلوم لکھ رہے تھے تو پھر غزالی میں سیہ مست مے ناز ہو کر صحرا میں کلانچیں بھر رہے تھے اور ہر طرف مشک بکھیر رہے تھے۔

اس سے ملتا جلتا ایک تازہ علمی لطیفہ نذر قارئین کرام ہے۔ پچھلے دنوں اقبال اکادمی پاکستان لاہور نے ایک انگریزی کتاب چھاپی ہے جس کا نام Rumis Impact on Iqbal religious thought ہے اور اس کے مصنف ہیں جناب پرفیسر نذیر قیصر۔ موصوف نے علامہ اقبال کی پیام مشرق کی ایک غزل کے مندرجہ ذیل شعر:

بیا کہ من ز خم پیر روم آوردم
مے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی است (ص ۹۱)

کے مصرع ثانی میں بادہ عنبی کو بادہ غبی پڑھا اور لطف یہ کہ ترجمہ بھی غبی کی مناسبت سے Liquor of Ghabi کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مصنف کے خیال میں غبی کسی شخصیت یا کسی مقام کا نام ہے جس سے شراب منسوب ہے کیوں کہ غبی کا حرف G کیپٹل لکھا گیا ہے جو علامت ہے اسم معرفہ کی۔ اس موقع پر سوائے اس کے کیا کہا جائے کہ

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

اور اگر بالفرض موصوف کا تعلق تعلیم کے شعبہ سے ہے تو پھر یہی کہنا پڑے گا۔

گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد

(۶۱)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۸۔ مئی ۱۹۶۳ء

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! اب یہ یاد نہیں کہ مختلف رسائل میں کون کون سی چیزیں شائع ہوئیں۔ میرا خیال ہے کہ زیادہ تر چیزیں ''آجکل'' دہلی اور ''اردوے معلیٰ'' دہلی میں چھپیں۔ (۱) رسالے دیکھنے سے اندازہ ہو سکے گا۔ اس کے لیے تھوڑی سی فرصت درکار ہے۔ بعض اہم چیزیں علی گڑھ کالج میگزین کے غالب نمبر میں چھپ گئی تھیں، جو سات آٹھ سال پیشتر نکلا تھا یا اس سے بھی پہلے۔

دیکھیے فارسی (۲) میں ''دال'' ہے ''ذال'' نہیں۔ ذال کی جگہ ''زے'' ہے۔ یہی میرزا غالب کا مسلک تھا۔ اسی طرح وہ فرماتے تھے کہ فارسی میں ''ت'' ہے ''ط'' نہیں اس لیے وہ گزشتن کو ''زے'' سے اور طپیدن کو ''ت'' سے لکھتے تھے۔ ہمارے ہاں ان الفاظ کو ذال اور طوے سے لکھنے کا رواج ہو گیا۔ غیاث اللغات کا مصنف محقق نہیں رواج کا پابند ہے۔ وہ رہگزار کو بھی رہگذار لکھے گا۔ اس طریق کو غلط تو نہیں کہیں گے مگر قاعدہ فارسی سے انحراف ہوگا۔ میرا طریقہ یہی ہے کہ جس حد تک ممکن ہو، اصل فارسی کی پیروی کروں۔ چنانچہ میں دل پذیر کو بھی دل پزیر ہی لکھتا ہوں۔ مرحوم اقبال اور مرحوم سالک روش عام کے پیرو تھے اس باب میں انہوں نے عام راستہ نہ چھوڑا۔

لیکن میرزا غالب ہی کا قول ہے کہ غلطیوں میں ہم اساتذہ و اکابر کی پیروی کیوں کریں؟ ہمارے ہاں یہ دستور رہا ہے کہ جب کسی سے غلطی صادر ہوئی تو اس نے اپنی تائید میں اساتذہ کے کلام سے مثال یا مثالیں پیش کر دیں۔ ظاہر ہے کہ یہ طریقہ غلط ہے کون کہہ سکتا ہے کہ کسی استاد نے کن حالات میں ایک غلط لفظ استعمال کر لیا۔ اب عمداً اس بنا پر استاد کی پیروی کرنا اور غلط غلط باندھنا سراسر غلط ہے کہ استاد ایسا کر چکا ہے۔ ہمارے لیے صحیح راہ عمل یہی ہے کہ خود نہ صرف غلطیوں ہی سے بچیں بلکہ مشتبہ الفاظ سے بھی احتراز کریں۔

میرے نزدیک صحیح طریق یہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سلام (۳) ابھی تک اوکاڑہ سے نہیں آیا۔ آج شام تک مراجعت کی اُمید ہے۔ پھر ان شاء اللہ دو یا تین روز ٹھہرے گا۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۶۱

۱۔ غالب کی تصانیف کے بارے میں ذکر ہے جن میں سے بعض مختلف ادبی رسائل میں چھپ گئیں۔

۲۔ مولانا نے ایک گفتگو میں کلیم کاشانی (م۔ ۱۰۶۱ھ) کی غزل کے ان اشعار میں لفظ گذشت کو ''ذ'' سے لکھنا غلط بتایا تھا:

بدنامی حیات دو روزے نہ بود بیش
آں ہم کلیم باتو بگویم چساں گذشت
یک روز صرف بستنِ دل شد باین و آں
روز دگر بکندن دل زین و زاں گذشت

میں نے ''غیاث اللغات'' مولفہ مولوی محمد غیاث الدین رامپوری، ''موارد المصادر'' مصنفہ سید علی حسن خاں سلیم اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ کے کلام سے ''ذ'' کے اثبات میں نظائر پیش کیے تھے۔ یہ تحریر اس کے جواب میں موصول ہوئی۔

۳۔ چودھری عبدالسلام اسلم مولانا مہر کے بڑے صاحبزادے۔

(۶۲)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! غالب کے متعلق یہ روایت (۱) پہلے سے چلی آتی ہے، اگرچہ کبھی اس پر زیادہ توجہ نہ کی گئی مگر ہرگز محل تعجب نہیں۔ میرزا تمام نئی چیزوں سے آگاہ تھے۔ انگریزوں کے ساتھ ان کا میل جول ابتدا ہی سے بڑھا ہوا تھا۔ پنشن کے مقدمے میں کلکتہ پہنچے تو وہاں بھی انگریزوں سے ان کا ربط ضبط خاصا تھا اور دوسرے جن لوگوں سے زیادہ میل ملاپ رہا وہ بھی انگریزی طریقوں سے خاصے واقف تھے۔ اغلب ہے، وہیں فریمیسن بن گئے یا دہلی واپس آ کر کسی فریمیسن لاج سے وابستہ ہو گئے ہوں، مگر آپ جانتے ہیں کہ فریمیسنوں کا شیوہ ہے، گاہ بگاہ لاجوں کی میٹنگ منعقد کرتے رہنا۔ میرا خیال ہے کہ ان میٹنگوں میں شمول کی کوئی مستند روایت اب تک ہمیں نہیں مل سکی۔

یہ بھی ممکن ہے کہ انگریزوں سے وابستگی ہی کو فریمیسنوں میں شمول کا مترادف مان لیا گیا ہو۔

چونکہ فریمیسنوں میں اکثر چیزیں مرموز مانی جاتی ہیں، یہاں تک کہ کسی کو اپنے سلسلے میں

Marfat.com

شامل کرنے کی ابتدائی تقریب بھی خاص اہتمام سے پُر اسرار طریق پر ادا کی جاتی ہے، اس لیے اکثر اہل وطن کا خیال یہی رہا کہ یہ طریقہ مذہب سے خروج پر مبنی ہے۔ مگر اب مدت سے تمام باتیں معلوم ہو چکی ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہے دوسری تحریکات اخوت واعانت کی طرح یہ بھی ایک تحریک ہے جس میں شرکاء کے لیے ایک دوسرے کی امداد واعانت پر بہت زور دیا جاتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ابتدا میں بادشاہ کی وفاداری کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اب غالباً یہ سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ بہر حال اسے مذہب کے منافی سمجھنا میرے نزدیک بالکل بے بنیاد ہے۔

آپ نہ آسکے، اگرچہ انتظار رہا، وجہ معلوم ہوگئی۔ میرا تو دو تین ہفتے سے خیال ہے کہ کم از کم شدت گرما میں اس شغل (۲) کو ملتوی فرما دیجیے۔ ذرا موسم اعتدال پر آجائے گا تو پھر شروع کر دیجیے۔ میرے لیے آپ کی یہ زحمت پہلے ہی خاصی تکلیف دہ ہے، موسم کی حدت میں نا قابل برداشت ہو جائے گی۔ البتہ آپ کا ویسے وقتاً فوقتاً آتے رہنا مطلوب ہے بشرطیکہ آپ کو تکلیف نہ ہو۔ صبح یا شام کے وقت تھوڑے سے لمحے نکال لیجیے۔ ہر ہفتے نہ سہی ایک ایک دو دو ہفتوں کے بعد سہی۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو مہر

حواشی خط نمبر ۶۲

۱۔ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی (م ۱۲ اکتوبر ۱۹۷۲ء) نے ہفت روزہ ''لیل ونہار'' لاہور کی اشاعت ۵ مئی ۱۹۶۳ء میں غالب پر پہلا مضمون رسالہ ''ذخیرہ بالگوبند'' سے نقل کیا جس میں غالب کے فری میسن ہونے کا ذکر تھا۔ یہ وضاحت اسی سلسلہ میں میرے استفسار پر موصول ہوئی۔ فری میسن تحریک کے متعلق ''اردو جامع انسائیکلو پیڈیا'' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشر لاہور ۱۹۸۷ء میں یہ عبارت ملتی ہے۔

''میسن کا لفظی ترجمہ معمار ہے۔ یہ تحریک بنیادی طور پر عہد وسطی کے میسن گلڈ سے مطابقت رکھتی ہے یہ ایک خفیہ سلسلہ اخوت ہے۔ خیرات کرنا اس کے ممبروں کا فریضہ ہے۔ رسوم اور حکومت وقت کی فرمانبرداری اس کے قواعد میں سر فہرست ہے۔ اس نوعیت کی خفیہ انجمنوں کی مخالفت بھی کافی ہوتی ہے۔ اس کے پیروکار دنیا کے بہت سے ممالک میں ہیں۔ جارج واشنگٹن، اور گوئٹے بھی فری میسن تھے۔ پاکستان میں اس تحریک پر مکمل طور پر پابندی عائد ہے۔''

لاہور میں شاہراہِ قائداعظم پر چوک ''چیرنگ کراس'' میں فری میسن ہال تھا جس میں ہر اتوار اس کے ممبروں کی میٹنگ ہوتی تھی۔ اس ہال کو اس کی خفیہ سرگرمیوں کے سبب عرف عام میں لوگ ''جادو

Marfat.com

گھر'' کہا کرتے تھے۔ اس تحریک پر پابندی کے بعد اسے واگزار کرالیا گیا اور اب اس میں ''پنجاب آرٹ کونسل'' کا دفتر قائم ہے۔ کتاب ''افشائے اسرار فریمیسن'' مصنفہ منشی ظہیر الدین ومطبوعہ منشی نولکشور کانپور ۱۸۹۵ء کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ اس تحریک کے ممبر اپنے اسرار خفیہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے یہاں تک کہ سر دے دیں گے مگر سر نہ دیں گے اور یہ کہ فری میسن دوسرے فری میسن کو نادیدہ وناشنیدہ فوراً پہچان لیتا ہے۔ جس کا اثبات راقم الحروف کے اس مشاہدے سے ہوتا ہے:

یہ میری ملازمت کے دوران کا واقعہ ہے کہ ہم انسپکشن کے سلسلہ میں نومبر ۱۹۵۸ء میں ملتان گئے ہوئے تھے۔ ہماری پارٹی کے انچارج جناب محمد عثمان قریشی صاحب تھے وہ اپنے سٹاف سے بڑے فری تھے اور ان میں گھل مل کر رہتے وہ طبعاً خلیق اور ملنسار تھے۔ میں نے ایک روز دریافت کیا کہ قریشی صاحب: آپ کے متعلق یہ شنید ہے کہ آپ فری میسن ہیں کہنے لگے ہاں۔ ابھی کل ہی ملتان میں فری میسن کی میٹنگ تھی صدر صاحب حاضر نہ تھے۔ ممبروں نے مجھے بازار میں دیکھ لیا۔ پکڑ کر لے گئے اور کرسی صدارت مجھے پیش کر دی۔ میں نے پوچھا انہیں کیسے معلوم ہوا کہ آپ فری میسن ہیں؟ کہنے لگے کہ ہم ایک دوسرے کو مخصوص علائم ورموز سے پہچان لیتے ہیں۔ میں نے کہا مثلاً؟ بس اس کا جواب وہ گول کر گئے۔

۲۔ آپ کے کتب خانہ کی فہرست سازی کا ذکر ہے۔

(۶۳)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! آپ کی محبت کے لیے شکر گزار ہوں۔ یقین جانیے کہ میرے لیے آپ کی تشریف آوری بار کیوں کر ہوسکتی تھی۔ جب کہ کام ہو رہا تھا لیکن گرمی یکا یک اتنی بڑھ گئی ہے کہ میں کسی عزیز کے لیے اس میں چند لمحوں کی زحمت بھی گوارا نہیں سمجھ سکتا اور وہ زحمت بھی آپ میرے لیے برداشت فرما رہے تھے۔ آپ پریشان نہ ہوں، دو تین مہینے موسم کی شدت کے ہیں۔ اُشتداد گزر جائے گا تو میں خود عرض کروں گا کہ آئیں اور بقیہ کام پورا کر دیں۔

جنگ والی کتاب (۱) نے بہت پریشان کیا۔ لیکن مسودہ مکمل کر کے دے دیا۔ اب میں کوئی کتاب نہیں لایا بلکہ یہی مناسب سمجھا کہ تھوڑا سا وقت نکال کر اپنے نامکمل مسودے مکمل کر

Marfat.com

دوں۔ چنانچہ چند روز سے انہیں میں الجھا ہوا ہوں۔ گرمی کی تیزی، دھوپ کی تمازت اور ہوا کی سمومیت کے باعث کام کی رفتار گھٹ گئی ہے، بلکہ دوپہر کو بہ اطمینان سونے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ تھوڑی دیر میں آنکھ کھل جاتی ہے۔ مگر جو کچھ ممکن ہے کر رہا ہوں۔ خدا چاہے تو چند روز میں دو مسودے مکمل ہو جائیں۔ تیسرے کا کام لمبا ہے تاہم اسے بھی شروع کر دیا گیا ہے اور بھی کئی چیزیں آج کل سامنے ہیں۔ ذرا معاش مجبور کرے تو تراجم کی طرف متوجہ ہوتا ہوں ورنہ جی نہیں چاہتا کہ اپنے کام چھوڑ کر ادھر یا کسی دوسری طرف جاؤں۔

میرے (۲) نزدیک تو وہی طریقہ صحیح اور موزوں ہے جس کا ذکر آپ نے کیا ہے اور میں اسی پر کاربند ہوں۔ دوسرا طریقہ بھی صحیح مانا جاتا ہے۔ غالباً اول الذکر کو دہلوی طریقہ اور آخر الذکر کو لکھنوی طریقہ کہتے ہیں۔ امید ہے آپ بخیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

حواشی خط نمبر ۶۳

۱۔ جنگ والی کتاب سے مراد ہے۔

The War, a concise history 1939-1945. By Louis L. Snyder Published in New York اس کا اردو ترجمہ جنگ عظیم ۱۹۳۹ء۔ ۱۹۴۵ء کے نام سے مولانا مہر نے کیا۔ اور موسسہ مطبوعات فرینکلن کے اشتراک سے شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا۔ اس موضوع پر یہ کتاب نہایت مستند اور کارآمد معلومات کا خزینہ ہے۔ مولانا نے ایسا رواں دواں ترجمہ کیا ہے کہ اس پر اصل تالیف کا گمان ہوتا ہے۔ مولانا نے بعض مقامات پر حواشی کا اضافہ کر کے اس کتاب کی افادیت بڑھا دی ہے۔

۲۔ بعض لوگ جن مقام پر اسم مونث آتا ہے مصدر بھی مونث بنا دیتے ہیں۔ جیسے جرات کرنی پڑی، بات کرنی پڑی، تعلیم دینی پڑی وغیرہ۔ اس کے درست استعمال کے متعلق دریافت کیا تھا۔

(۶۴)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN

۱۲۔ جون ۱۹۶۳ء

Marfat.com

LAHORE.

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! اتفاق کی بات ہے کہ بعض مشاغل میں دیر ہوگئی۔ اب میں اختصار پر مجبور ہوں۔ عشا کی اذان ہونے والی ہے اور کمرے میں بیٹھنا غیر ممکن ہو رہا ہے۔

۱۔ حارث (۱) حضرت ابوھالہ کے فرزند تھے (حضرت خدیجہ کے بطن سے)

۲۔ عبداللہ بن حذافہ اسہمی صحابہ میں سے تھے، ایک سریہ کے افسر بھی مقرر ہوئے تھے۔

۳۔ عمرو بن حزم کو رسول اللہ ﷺ نے یمن بھیجا تھا۔

۔ نافع بن عقبہ افریقیہ کا گورنر تھا جس نے سب سے پہلے مغرب اقصیٰ فتح کیا۔ یہ صاحب عزم تھا جس کے متعلق مشہور ہے کہ جوش فتح میں اس نے گھوڑا بحر اوقیانوس میں ڈال دیا تھا۔ اقبال رحمہ اللہ کے شعر میں اسی کی طرف اشارہ ہے:

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

۵۔ جریر بن عبداللہ بجلی صحابہ میں سے ہیں۔ بجلی کے بارے میں فی الحال کچھ کہہ نہیں سکتا۔

۶۔ رسول اللہ ﷺ کی دو صاحبزادیاں ابتدا میں ابولہب کے دو بیٹوں سے منسوب تھیں، ایک کا نام عتبہ تھا دوسرے کا عتیبہ۔ دعوت اسلام کے بعد ابولہب نے جوش مخالفت میں یہ نسبت بھی توڑ دی پھر ان دونوں صاحبزادیوں (رقیہؓ اور ام کلثومؓ) کا نکاح یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ سے ہوا اور وہ ذوالنورین کہلائے۔

۷۔ جن مسودوں کا ذکر میں نے کیا تھا وہ ابھی تک نیم معلق پڑے ہیں۔ گرمی نے بہت برا حال کر رکھا ہے۔ خدا رحم کرے۔

امید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

Marfat.com

حاشیہ خط نمبر ۶۴

۱۔ ''تاریخ اشاعت اسلام'' از شیخ محمد اسماعیل پانی پتی مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۱۹۶۲ء میرے زیرِ مطالعہ تھی۔ اس میں بعض صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسمائے گرامی دو مختلف صورتوں میں ملتے ہیں اس سلسلے میں میرے استفسار پر یہ گرامی نامہ موصول ہوا۔

(۶۵)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۲ جولائی ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! نقصان (۱) کا سن کر بے حد قلق ہوا، اللہ تعالیٰ اس کی تلافی فرمائے۔ اس قسم کی آزمائشیں انسانوں کو پیش آتی ہی رہتی ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مشیت ایزدی کیا ہوتی ہے۔ تاہم انسان کی شان عبودیت کا تقاضا یہی ہے کہ اس قسم کے حوادث کو محض اپنی بندگی کا ایک عام مرحلہ سمجھے۔ اکثر ایسا دیکھا گیا کہ خدا کو یاد کرنے والے مبتلائے آلام ہوئے اور خدا کو بھلا دینے والے اطمینان سے بیٹھے رہے، میرے ہم نام (۲) مولوی صاحب نے جو ''یوسف زلیخا'' پنجابی کے مصنف تھے، ایک مقام پر اس مضمون کو بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ انسان کے لیے بہر حال مقام رضا ہی کی طلب لازم ہے اور قرآن مجید میں یہی فرمایا گیا ہے۔ ولنبلونکم قالوا انا للہ وانا الیہ رجعون (۳)

دیکھیے میں نے غالباً پہلے بھی عرض کیا تھا کہ نقصان کو حرام حلال سے کوئی تعلق نہیں۔ دنیائیں مختلف ہیں۔ بندگی کی دنیا صرف بندگی کے لیے ہے اور نقصان کی دنیا مومن کے لیے صبر و شکیبائی کا پیغام ہے اس کے سوا کچھ نہیں میری دلی ہمدردی قبول فرمائیے۔

سوچتا ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اس معاملے میں کیوں کر خدمت گزاری کا حق ادا کر سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۶۵

۱۔ برادر بزرگ الحاج محمد اعظم منور رقم کے ہاں جون ۱۹۶۳ء میں نقب زنی کی واردات ہوئی تھی جس میں تمام قیمتی اثاثہ، رقم، طلائی زیورات، پارچہ جات سرقہ گئے۔ جس وجہ سے کئی دنوں تک خاصی ذہنی کوفت میں مبتلا رہا میری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ کسب حلال کا مال چوری کیوں ہو گیا۔ مولانا کی خدمت میں اس ذہنی کرب کا عکاس ایک عریضہ لکھا گیا جس کا یہ جواب ہے بعد از خرابی بسیار ہی سہی بہرحال کم وبیش ڈھائی ماہ کے بعد چوری گجرات کے تھانہ کڑیانوالہ کے ذریعے برآمد ہو گئی اور لطف یہ کہ چوری کی آخری سوئی تک بھی برآمد ہو گئی تب کسب حلال کا انشراح ہوا۔ اس سلسلہ میں اس بات کا ذکر بھی غیر مناسب نہ ہوگا کہ پولیس چوکی لوئر مال لاہور کے دو تھانیداروں چودھری صاحب، اور شیخ صاحب (نام یاد نہیں رہے) نے اپنی فرض شناسی اور دیانت داری کی قابل قدر بلکہ قابلِ تقلید مثال قائم کی۔ وہ اس طرح کہ ابتدائی رپٹ میں پریشانی کے سبب ایک طلائی زیور درج کرانے سے رہ گیا تھا مگر چوروں سے برآمد ہو گیا اور ان دو فرض شناس افسروں نے بالا بالا ہی وہ زیور ہمارے سپرد کر دیا۔

۲۔ اشارہ ہے مولوی غلام رسول عالم پوری المتوفی ۷ مارچ ۱۸۹۲ء کی طرف۔ مولانا صاحب اپنی لازوال تصنیف ''احسن القصص'' یا ''قصہ زلیخا'' کے سبب امر ہو چکے ہیں۔ ان کی یہ کتاب اپنی مقبولیت کے سبب بے شمار مرتبہ چھپ چکی ہے۔ اس کا ایک نہایت ہی صاف ستھرا اور مستند ایڈیشن مصنف کے اپنے قلمی نسخہ کے مطابق پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور نے باہتمام جناب ڈاکٹر محمد باقر (متوفی ۲۵ اپریل ۱۹۹۳ء) ۱۹۶۱ء میں شائع کیا۔ مولوی صاحب کی اور کتابیں بھی یادگار ہیں مگر جو شہرت اس کتاب کے حصہ میں آئی وہ دیگر کتابوں کو نصیب نہ ہو سکی۔

۳۔ سورہ بقرہ آیت ۱۵۶۔۱۵۵ (ترجمہ)

اور ہم کسی قدر خوف اور بھوک اور مال اور جانوں اور میووں کے نقصان سے تمہاری آزمائش کریں گے۔ تو صبر کرنے والوں کو خدا کی خوشنودی کی بشارت سنا دو۔ ان لوگوں پر جب کوئی مصیبت واقع ہوتی ہے تو کہتے ہیں ہم خدا ہی کا مال ہیں اور اس کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔

(۶۶)

GHULAM RASUL MIHR B.A
MUSLIM TOWN
LAHORE.

۹ جولائی ۱۹۶۳ء

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! نقصان کم ہو یا زیادہ غیر ممکن ہے کہ انسان کو (یا اس سے وابستگی رکھنے والوں کو علی قدر علائق) رنج و قلق نہ ہو، مگر ہمیں اسلام نے یہی تلقین کی ہے کہ صبر و ضبط سے کام لیں۔ صبر کا مطلب ہے بے چارگی اور بے دست و پائی میں حالت تسلیم نہیں بلکہ عزم و ارادہ کے ساتھ تفویض ہے۔ یعنی اپنے معاملات خدا کے حوالے کر دینا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اس مقام اذیت روح و قلب میں صبر و استقامت کی توفیق مرحمت فرمائے۔ مجھ عاجز کی دعا اس سلسلہ میں باعث تقویت موقف بن سکے تو اسے اپنے لیے ایک ذریعہ نجات سمجھوں گا۔ کہ ایک ابتلا میں مجھے ایک عزیز وجود کی خدمت و اعانت کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

خدا کرے کوئی سراغ مل جائے اگرچہ میرا تجربہ کچھ زیادہ امید افزا نہیں۔ ۲ مارچ ۱۹۵۷ء کا واقعہ ہے، اتفاق سے اڑھائی تین ہزار روپیہ نقد ایک جگہ رکھا تھا۔ ایک سنہری رسٹ واچ بہ طور خاص سردار شاہ ولی خاں فاتح کابل (۱) نے میرے لیے ولایت سے بنوائی تھی، ایک سنہری سگریٹ کیس مع لائٹر، دو شیر دانیاں اور کچھ متفرق چیزیں نکالی گئیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ رپورٹ کروں مگر بتایا گیا کہ یہ جرم ہے۔ چنانچہ رپورٹ کی۔ انسپکٹر صاحب خود تشریف لائے۔ بڑی ہمدردی کا اظہار فرمایا، مگر اس کے بعد کبھی اس واقعہ کا ذکر نہ آیا۔ گویا یہ بھی نہ بتایا کہ سراغ نہیں مل سکا۔ پھر تین سال ہوئے میں نے اپنے مکان کی چھت کے لیے پانچ چھ گٹھے لوہے کے منگائے۔ وہ رات کے وقت اٹھائے گئے۔ ایک میل تک ان کے جانے کا سراغ لگ گیا مگر ایک ٹکڑا بھی نہ ملا۔

سامان مل جانے کے واقعات بھی موجود ہیں۔ یہیں مسلم ٹاؤن میں ایک صاحب ہیں۔ چند مہینے ہوئے ان کا بیشتر قیمتی سامان دوسری منزل سے اٹھایا گیا۔ ایک اور چوری کے سلسلے میں ایک آدمی پکڑا گیا اور اس کے پاس سے یہ سامان برآمد ہوا جو مل گیا۔ خدا کرے آپ کے نقصان کی بھی تلافی ہو جائے آمین!

فتح اللہ جہانگیری (۲) کے بارے میں کچھ لکھنا میرے نزدیک ممکن نہیں، کیونکہ وہ کوئی معروف آدمی نہیں اور تفسیر حسینی کے قلمی نسخے سے اس کے ذوق کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔

میرا احساس تو اب تک یہی ہے کہ نام نافع بن عقبہ (۳) تھا ممکن ہے صحیح عقبہ بن نافع ہی ہو یہ خاندان برابر بنو امیہ کے ابتدائی دور کی لڑائیوں میں ممتاز رہا۔ بہرحال جو بھی تھا یعنی عقبہ یا

Marfat.com

نافع وہ شہید ہوا اور اس کی قبر اب تک الجزائر میں زیارت گاہ عام ہے۔ غالباً اسی خاندان سے مسلم بن عقبہ تھا جو ولید بن عبدالملک کے زمانے میں محاذ ترکستان کا سالار اعظم تھا۔ جس طرح محمد بن قاسم محاذ سندھ کا سالار تھا اور زیاد (بن) موسیٰ محاذ ہسپانیہ کے سالار تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ فرانس اور قلب یورپ کو چیرتے ہوئے قسطنطنیہ پہنچیں۔ اسے فتح کر کے ایشیائے کوچک کے راستے شام آئیں، ادھر مسلم بن عقبہ اور محمد بن قاسم چین و ہند کی تسخیر کے عازم تھے۔ مگر سلیمان بن عبدالملک کی ایک ذاتی رنجش نے یہ پورا منصوبہ برباد کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

''صحیح عقبہ بن نافع ہی ہے خدا جانے میں نے نافع بن عقبہ کیوں لکھا۔ آپ چاہیں تو صحیح فرما لیں۔ چاہیں اسی طرح رہنے دیں۔ کیونکہ انسان کی غلطی بھی محفوظ رہنی چاہیے کم انہ کم یہ بتانے کے لیے کہ وہ فرشتہ نہیں۔'' (حاشیہ)

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۶۶

۱۔ شاہ ولی خان، نادر خان کا تیسرا بھائی تھا۔ ڈیرہ دون میں تعلیم پائی۔ حبیب اللہ خان اور امان اللہ کے عہد میں نمایاں فوجی خدمات انجام دیں۔ بڑا بھائی فرانس میں بیمار ہو گیا تو شاہ ولی خان تیمار داری کے لیے فرانس چلا گیا بھائی کے ساتھ ۱۹۲۸ء میں واپس آیا اور سمت جنوبی میں فوجی اقدامات شروع کیے۔ اسی نے وزیروں کو ساتھ ملا کر اچانک کابل پر حملہ کیا تھا اور فاتح کابل کا اعزاز حاصل کیا۔ پھر اسے پہلے فرانس بعد ازاں انگلستان میں سفیر بنا دیا گیا۔ دراصل یورپ کی تمام سفارتیں اسی کی نگرانی میں جاری رہیں۔ (جامع انسائیکلوپیڈیا: مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور ۱۹۸۸ء)

۲۔ ایک عزیز کے پاس تفسیر حسینی از ملا حسین واعظ کاشفی کا خطی نسخہ موجود تھا جس پر مہر ثبت تھی۔

فتح اللہ شد از روزِ تقدیر
غلامِ شاہ نورالدین جہانگیر

عریضہ میں اسی فتح اللہ کے بارے میں دریافت کیا تھا جس کا یہ جواب ہے۔

۳۔ آپ نے اپنے گرامی نامہ ۶۴ میں گورنر افریقہ کا نام نافع بن عقبہ تحریر فرمایا تھا۔ میں نے توجہ دلائی کہ درست نام عقبہ بن نافع ہے۔ آپ نے نہ صرف اسے درست تسلیم کیا بلکہ مکتوبات پر نظر ثانی فرماتے

Marfat.com

وقت اس پر ایک حاشیہ بھی تحریر فرمادیا جو اسی گرامی نامہ کے اختتام پر موجود ہے۔

(۶۷)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲۲- جولائی ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: پرسش کے لیے شکرگزار ہوں اور اپنی کوتاہی پر شرمسار کہ گوناگوں مکروہات، خصوصاً اعتدال سے طبیعت کے انحراف نے مجھے یہ پوچھنے کا موقع نہ دیا کہ تفتیش کا معاملہ کہاں تک پہنچا؟ آپ کو اُمید دلائی گئی تھی کہ خاص مصروفیت کے بعد سرگرمی سے چھان بین شروع ہو گی- آپ کو اچانک جس نقصان سے سابقہ پڑ گیا، وہ دلی رنج وقلق کا باعث ہے-

میں تو ان لوگوں کا قائل نہیں، جو ہمزاد کی تسخیر یا ویسے ہی دوسرے وسائل کی بناء پر چوری کا سراغ بتاتے ہیں- پچھلے دنوں میرے ایک رشتہ دار کے گھر میں سے زیور چوری ہوا تھا، اس وقت پتا چلا کہ اچھرہ میں کوئی بزرگ ہیں انھیں ''باباجی'' کہتے ہیں، وہ سراغ بتادیتے ہیں بلکہ مال بھی منگا دیتے ہیں- ہفتے یا اتوار کو ان کی نشست ہوتی ہے- اگر آپ پسند فرمائیں تو ان سے دریافت کرلیں- میرا آدمی ان کا مکان جانتا ہے، وہ آپ کو وہاں لے جائے گا-

طوفان (۱) بڑا سخت تھا، خدا کا شکر ہے کہ کچھ نقصان نہ ہوا- باہر کے باغ میں ایک چھوٹا سا پودا شہتوت کا تھا، جسے بیمار قرار دے کر ہم خود کٹوادینے کا فیصلہ کر چکے تھے- وہ ٹوٹا، ایک جامن اندرونی صحن میں تھی، اس کا سراُڑ گیا اور وہ لنڈمنڈی رہ گئی، اسے بھی ہم کٹوا دینا چاہتے تھے، کیونکہ نہ شکل اچھی تھی- نہ مقام درست تھا- پھل لگتا تھا تو صرف ایک گچھا اور چنداں سایہ بھی نہ تھا-

اقبال (۲) رحمتہ اللہ علیہ کے شعر میں کوئی پیچیدگی تو معلوم نہیں ہوتی- صاف وسادہ الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو ایسے انداز میں زندگی بسر کرنی چاہیے جس کے بعد اس کی موت مرگ دوام نہ بنے اور اگر بنے تو یہ امر خالق حیات وموت کے لیے باعث شرمساری ہو-

غالباً آخری مصرعے کی جسارت نے اُلجھن پیدا کی، حالانکہ یہ شاعرانہ استدلال ہے جو منطقی اور فلسفیانہ استدلال سے بالکل مختلف ہوتا ہے- شاعر داعی ہوتا ہے، وہ عقلی دلائل کی بناء پر نہیں، بلکہ اپنے اختیار کردہ مقدمات کی بناء پر حقائق سامع یا قاری کے دل میں اُتارتا ہے-

Marfat.com

اقبال کے استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ انسان یا کہنا چاہیے مرضیات باری تعالیٰ پر کاربند انسان کی موت مرگ دوام ہو ہی نہیں سکتی، یہ ممکن ہی نہیں کہ اس حیات میں انقطاع پیدا ہو- یہاں کی زندگی ختم ہوتے ہی دوسری زندگی شروع ہو جاتی ہے- جیسے انسان ایک کمرے سے نکل کر دوسرے کمرے میں چلا جائے- اگر خدانخواستہ ایسا نہ ہوتا تو موت وحیات کا پورا خانہ اللہ تعالیٰ کے لیے باعث ننگ مانا جاتا حالانکہ ایسا ہو ہی نہیں سکتا- زور پہلے مصرعے پر ہے، دوسرا مصرعہ ناممکن کو مبالغے سے ناممکن ثابت کرنے کے لیے کہا گیا یعنی حیات بعد الموت کا یقین دلانے کے لیے ایک ایسی صورت فرض کر لی گئی جو کسی مسلمان یا کسی انسان کے لیے ممکن القبول نہیں- شاعر کے نزدیک تبادل صورت ممکن ہی نہیں، لہٰذا دوسرے مصرعے کی عملاً نوبت ہی نہ آئے گی-

اشعار کی تفصیل ملاقات ہی میں بخوبی پیش کی جا سکتی ہے- لکھ کر پیش کرنے میں کچھ نہ کچھ رہ جاتا ہے اور انسان اندازہ نہیں کر سکتا کہ مخاطب سب کچھ ذہن نشین کر سکا یا نہیں-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- میں عاجلاً یہ سطریں لکھ رہا ہوں- میرے پاؤں میں کچھ مدت سے یہ تکلیف ہو گئی ہے کہ لٹکا کے بیٹھتا ہوں تو بائیں پاؤں میں خون اُتر آتا ہے- یہ دوران خون کی خرابی ہے- ڈاکٹر کہتے ہیں تشویش کی کوئی وجہ نہیں لیکن تکلیف بہرحال تکلیف ہے-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- چوری کے متعلق مجھے مزید حالات بتائیں-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۶۷

۱- طوفان باد و باراں کا ذکر ہے جس نے لاہور میں ان دنوں خاصی تباہی مچائی تھی-

۲- اقبال کے جس شعر کی تشریح دریافت کی گئی وہ شعر یہ ہے:

چناں بزی کہ اگر مرگ ماست مرگِ دوام
خدا ز کردۂ خود شرمسار تر گردد

(۶۸)

GHULAM RASUL MIHR ۸- اگست ۱۹۶۳ء

Marfat.com

MUSLIM TOWN

LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: جن لوگوں سے دوستی کے روابط پر اتنی مدت گزر چکی ہے کہ اس اثنا میں پیدا ہونے والے بچے دادا بن گئے، وہ کسی بھی معاملے میں گفتگو کرتے وقت یہ نہیں دیکھ سکتے کہ عام آداب مجلس کی گنجائش ہوتی یا نہیں، نیز جو عادات زبانوں نے اس وقت اختیار کر لیں، جب موجودہ عہد کی بڑی بڑی شخصیتوں کا وجود بھی صورت پذیر نہیں ہوا تھا - انھیں توڑا تو جا سکتا ہے مگر موڑا نہیں جا سکتا، کیونکہ لچک ان میں باقی ہی نہیں رہی - آپ کو پریشان نہ ہونا چاہیے تھا - اکثر معاملے اس سے آگے نکل جاتے ہیں اور طبیعت خوش ہوتی ہے کہ ہماری زندگی کے حالات نے بناوٹوں کے جو حصار ہمارے گردو پیش کھینچ دیے ہیں، وہ کہیں تو جا کر ٹوٹتے ہیں، کہیں تو ان میں رخنے پیدا ہوتے ہیں - آپ خیال فرمائیں کہ شیخ مبارک علی (۱) سے میرے تعلقات اس وقت قائم ہوئے تھے، جب میں کالج میں پڑھتا تھا اور یہ یقین بھی نہ تھا کہ آگے زندگی کا ایسا دور بھی موجود ہے جس میں چند مخلص احباب کے نزدیک میری شخصیت بھی ایک حد تک قابل توجہ بن جائے گی اور اس پوری مدت میں مبارک علی سے مراسم ویسے ہی مخلصانہ رہے جیسے پہلے دن قائم ہوئے تھے - اس وقت مبارک علی ریلوے کے دفتر میں تیس روپے کا ملازم تھا - پھر اس نے ملازمت چھوڑ کر تجارت شروع کی - خدا نے اس کے حسن نیت میں اور محنت میں برکت دی آج وہ لاکھوں کا مالک ہے اور ایسا عجیب و غریب دوست کہ پاکستان بن جانے کے بعد میرا چھوٹا بھائی تباہ حال یہاں پہنچا تو کاروبار کی فکر میں تھا - مبارک علی مجھ سے ملنے کے لیے آیا اور پوچھا تم کچھ پریشان معلوم ہوتے ہو، سبب کیا ہے؟ میں نے کہا، کچھ نہیں، امیر احمد خاں آیا تھا اور کہتا تھا کسی کارخانے میں ۲۵ ہزار کا حصہ ملتا ہے - مبارک علی نے جاتے وقت میرے بیٹے عبدالسلام اسلم سے کہہ دیا اپنے چچا کو خط لکھنا وہ مجھ سے مل جائے - امیر احمد خاں ملتا ہوا آیا تو اس کے پاس مبارک علی کا پچیس ہزار کا چیک موجود تھا - میں نے وہ بہ منت واپس کرا دیا -

وہ ابتداء سے مذہباً شیعہ ہے، لیکن کیا آپ کو معلوم ہے کہ برسوں ہمارے ساتھ شاہی مسجد میں نماز عید پڑھتا رہا؟ اس سے ہم مذہب پوچھتے تو کہتا: عید کی نماز دوستوں کے ساتھ میل ملاپ کی تقریب ہے - میرے دوست جہاں جاتے ہیں، وہیں میں جاتا ہوں - ایسے دوست آج

Marfat.com

کہاں ملتے ہیں؟ ارہاص (۲) والا قصہ میری سمجھ میں نہیں آیا- یہ اصطلاح شاہ ولی اللہ نے استعمال کی ہے- سوچ کر اور دیکھ کر عرض کروں گا- ناشتا (۳) والا شعر میرزا غالب کا ہے-

سادہ ز علم و عمل مہر تو ورزیدیم
مستی ما پایدار بادۂ ناشتا

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
چوری کا کچھ پتا چلا کہ نہیں؟

مہر

حواشی خط نمبر ۶۸

۱- شیخ مبارک علی (متوفی کیم اپریل ۱۹۸۳ء) لاہور کے ناشر شہیر تھے جنہوں نے اس دور میں اپنے کاروبار کا آغاز کیا جب نشر واشاعت ہی کیا تجارت کے دیگر شعبوں میں بھی ہندو سرمایہ دار چھایا ہوا تھا- شیخ صاحب نے ابتدا میں ریلوے میں تیس (۳۰) روپے ماہوار مشاہرہ پر ملازمت اختیار کر لی مگر پانچ سال کے قلیل عرصہ ہی میں اپنی طبیعت سے نامناسبت کے سبب مستعفی ہو گئے اور پھر کم وبیش تین سال تک اپنے بھائی کے ساتھ کتب فروشی میں شامل ہو کر اس کام میں واقفیت بہم پہنچائی، زاں بعد اپنا کاروبار الگ کر لیا- کام میں وسعت کے لیے علامہ اقبال کے سب سے پہلے سوانح نگار مولوی احمد دین (مصنف ''اقبال'') کے بیٹے مولوی بشیر احمد کے ذریعہ حضرت علامہ تک رسائی حاصل کر لی اور ''رموز بیخودی'' کا مکمل پہلا ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۱۸ء جو چودہ سو کی تعداد میں چھپا تھا- چودہ سو روپیہ ہی میں اُٹھا لیا- یہ ایڈیشن چند ہفتوں ہی میں ختم ہو گیا تو دوسرا ایڈیشن اپنی زیرِ نگرانی مطلا جلد کے ساتھ شائع کر دیا- یوں عوام میں شیخ صاحب متعارف ہوئے- بعدازاں دیگر کتب کی اشاعت کے ساتھ علامہ کی شاعری کی جملہ کتب فارسی واُردو چھاپنے کے حقوق بھی آہستہ آہستہ حاصل کر لیے اور عرصہ دراز تک شیخ صاحب ہی ان کتابوں کو چھاپتے رہے حتیٰ کہ ان کتب کی طباعت کا نیا معاہدہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے علامہ کے صاحبزادہ جناب ڈاکٹر جاوید اقبال سے طے کر لیا- شیخ صاحب مرحوم اس قسم کے کتابی معرکے سر کرتے ہی رہتے تھے- ۱۹۳۷ء میں اُردو اکیڈمی بیرون لوہاری گیٹ لاہور نے مولانا ظفر علی خان (مدیر زمیندار) کی ''بہارستان'' شائع کی تو شیخ صاحب نے جملہ سٹاک یکمشت رقم ادا کر کے اُٹھا لیا- شیخ صاحب کے ایسے اقدام سے جہاں ناشر کی رقم مع منافع کے واپس آ جاتی وہاں مزید کام کے لیے اس کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی- پنجاب میں فروخت کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد کی تفسیر ''ترجمان القرآن'' کی ایجنسی بھی مولانا غلام رسول مہر کے

Marfat.com

ذریعہ منظور کرائی - اس سلسلے میں ''نقش آزاد'' (مکاتیب مولانا آزاد بنام مولانا مہر) مطبوعہ تاج منزل لاہور ۱۹۵۸ء کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا - شیخ صاحب نے دیگر نامور اہلِ قلم سے بھی کتابیں لکھوا کر شائع کیں جن میں ڈاکٹر مولوی محمد شفیع، پروفیسر شیخ محمد اقبال، شاداں بلگرامی وغیرہم خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں - اس کے ساتھ ساتھ متعدد اہم علمی و ادبی کتابیں بھی سلیقے سے شائع کیں جن میں میرزا غالب، مولانا شبلی نعمانی، مولانا محمد حسین آزاد وغیرہم کی تصانیف شامل ہیں - غالب کی ''اردوئے معلی'' کا ۱۹۲۲ء کا ایڈیشن خاص طور پر قابلِ ذکر ہے کہ اس میں پہلی مرتبہ سید غلام حسنین قدر بلگرامی کے نام غالب کے خطوط شائع کرنے کا سہرا بھی شیخ صاحب کے سر ہے - اس لحاظ سے یہ ایڈیشن غالبیات کے سلسلہ میں ایک خاص اہمیت کا حامل ہے - شیخ صاحب اپنی مطبوعات یا ان کے سرورق صوفی عبدالمجید پرویں رقم (متوفی ۱۹۴۶ء) سے کتابت کرواتے اور اس طرح کاتب برادری بھی جس کے لیے پرویں رقم کا لکھا ایک نعمت غیر مترقبہ سے کم نہ تھا - ایسی کتابوں کی خریدار بن گئی - ان کتب میں ''رباعیات گرامی'' مخزنِ اسرار، آبِ حیات، دربار اکبری، آیات وجدانی، انتخاب مخزن، تذکرۃ الشعرا سمرقندی، رباعیات ابوسعید ابوالخیر، الدری الزاہر شرح رباعیات بابا طاہر، عود ہندی، غالب از مہر اور علامہ اقبال کی بعض نظمیں بصورت پمفلٹ جیسے طلوعِ اسلام، فریاد امت، شکریہ یورپ وغیرہم شامل ہیں - شیخ صاحب ۱۹۳۵ء میں فریضہ حج کی سعادت سے بھی مشرف ہوئے - شیخ صاحب کی صلبی اولاد کوئی نہ تھی - ایک بچی لے کر پال لی تھی - شادی کے وقت جہیز میں اسے اپنی دکان ہی دے دی - اب ان کے داماد جناب شیخ احمد علی صاحب نہایت کامیابی اور خوش اسلوبی سے اس کام کو سنبھالے ہوئے ہیں - البتہ دکان انہوں نے اندرون لوہاری دروازہ سے نمبر ۶۲ مزنگ روڈ چوک صفانوالہ منتقل کر لی ہے - شیخ صاحب ان دنوں ہندوستانی کتابوں کی تجارت کر رہے ہیں - ان کی دکان گو ایک غیر معروف سی گلی میں واقع ہے مگر تشنگان کتب کشاں کشاں وہاں بھی پہنچ جاتے ہیں اور یوں اپنی کتابی پیاس کو فرو کرتے ہیں - سچ ہے -

مرغ آنجا پرد کہ چینہ بود
نہ آنجا رود کہ چی نہ بود

۲- شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی'' کے حالات کے ضمن میں کسی جگہ یہ فقرہ پڑھا تھا ''شیخ ... ایں دورہ بودہ اند'' اور لکھا تھا کہ ارہاص کے لغوی معنی'' وہ حیران کن واقعات جو قبل نبوت پیغمبر سے سرزد ہوئے ہوں'' لہٰذا اس لفظ کا اطلاق مجدد صاحب پر کس طرح درست ہے؟ یہ لفظ تا ... اہل علم کی توجہ کا مستحق ہے -

۳- مولانا نے ایک ملاقات میں میرے استفسار پر بتایا کہ لفظ ناشتہ '' ہ '' کے بجائے الف سے لکھنا ... ہے، سند میں میرزا غالب کا مذکورہ شعر سنایا تھا جس میں ناشتا کو الف سے باندھا گیا ہے - میں نے

Marfat.com

یہی شعر سننے کی گزارش کی تھی۔

(۶۹)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲۲-اگست ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: عفو خواہ ہوں۔بعض اوقات مشاغل سیل کی صورت اختیار کر کے آتے ہیں اور میں ان میں بہ جاتا ہوں۔کسی بھی کام پر قابو حاصل نہیں رہتا۔پرسوں سے ہر روز چند سطریں لکھنے کا ارادہ کرتا رہا لیکن ناکام اُٹھتا رہا۔کبھی کوئی دوست آ گیا،کبھی کوئی کام نکل آیا،کبھی بجلی مساعدت نہ کر سکی۔

آپ نے جس آیت کے بارے میں ہلکا سا شبہہ (۱) ظاہر کیا ہے،اس میں میرے نزدیک ہلکی سی غلط فہمی ہے،یعنی اغوا کا مطلب یہ نہیں کہ سرے سے کوئی لغزش ہی نہ ہو،مطلب یہ ہے کہ وہ مستقل طور پر شیطان یا ابلیس کے پھندے میں نہیں پھنس سکتا۔لغزشیں اور خطائیں ہوتی ہی رہتی ہیں اور مخلصین بھی ان سے مستثنیٰ نہیں لیکن وہ جلد متنبہ ہو جاتے ہیں اور ابلیس کا طلسم اغوا مکڑی کے جالے کی طرح درہم برہم ہو جاتا ہے۔یہی حالت حضرت آدم کو پیش آئی کہ خطا ہوئی مگر جلد متنبہ ہو گئے اور بارگاہ باری تعالیٰ میں عرض کی کہ بندہ درگاہ توبہ کے لیے حاضر ہے اور عفو کا طالب کار ہے۔ اللہ نے یہ دعا منظور فرمالی۔ شیطان کا اغوا ناکام ہو گیا،میرے نزدیک تو اس کا مفہوم یہی ہے۔

مخلصین گمراہی میں مبتلا نہیں ہوتے ، یہ ممکن ہے کہ کہیں ٹھوکر لگ جائے،کسی معاملے میں حسن نیت سے خطا سرزد ہو جائے۔حضرت آدم کی خطا بھی تو نری خطا نہ تھی بلکہ حیات ابدی کے شوق و شغف میں ایک قدم غلط اُٹھایا گیا وہ تنبیہ پر رک گئے اور راہ راست پر جم گئے۔

یہ میرا ناچیز تاثر ہے،واللہ اعلم بالصواب

چوری کی تفصیل معلوم ہوئی۔ میرا تو خیال یہی ہے کہ ابھی تک حقیقتاً کچھ نہیں ہوا اس لیے کہ جرم کا تعین اور مجرم کی نشاندہی تو اس سلسلے میں صرف پہلا قدم تھی۔ اصل شے تو یہ تھی کہ

Marfat.com

نقصان کی تلافی ہو جائے- جب تک یہ نہ ہوتو سمجھنا چاہیے کہ ہنوز کچھ نہیں ہوا- اللہ تعالیٰ آپ کو اس تشویش وخلجان سے نجات دے اور اطمینان قلب عطا کرے-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

پریشاں حالی میں یہ چند سطریں گھسیٹی ہیں- خدا چاہے تو دو تین روز میں زیادہ فرصت نکل آئے-

حاشیہ خط نمبر ۶۹

۱- یہ وسوسہ سورہ ص کی آیات ۸۲،۸۳ فبعزتک ... المخلصین کے متعلق تھا جس کا ترجمہ ہے کہنے لگا (ابلیس) تیری عزت کی قسم میں ضرور گمراہ کروں گا ان سب کو سوائے تیرے ان بندوں کے جنہیں ان میں سے تو نے چن لیا ہے- وسوسہ یہ تھا کہ حضرت آدمؑ جو ابوالانبیاء ہیں وہ کس طرح شیطان کے بہکاوے میں آ گئے جبکہ خدا نے الا کہہ کر مخلصین کو مستثنیٰ کرایا تھا-

(۷۰)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۳- ستمبر ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: بے حد خوشی ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے سامان کا بیشتر اور قیمتی حصہ مل گیا- باقی بھی مل جانا چاہیے تھا- مگر مصلحت وہی ہے جو خدا کی ہے- اس پر خود بھی ہدیہ تبریک قبول فرمایئے اور بھائی صاحب کی خدمت میں بھی عرض کیجیے- انسانوں خصوصاً نیک انسانوں کو اس قسم کی آزمائشیں پیش آتی ہی رہتی ہیں- ولنبلونکم (۱) کا ایک مطلب یہ بھی ہے اور صابروں کے لیے بشارت جو کہتے ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون- اتفاق سے مجھے بے حد پیچیدہ کاموں سے سابقہ پڑا ہوا ہے- اجمالاً اپنے سوال کا جواب ملاحظہ فرمائیں:

ابن عُیینہ ،(۲)حیی بن اخطب، شرحبیل (ش، ر، ح، ب، ی، ل) فدک

Marfat.com

(خیبر کے قریب ایک مقام) منت (بہ معنی احسان) نووی (نویٰ ایک قریہ ہے شام میں، جہاں کے رہنے والے یہ بزرگ تھے) معوذتان اور معوذتین، دونوں درست ہیں- تیسرا (۳) مجھ سے پڑھا نہیں گیا اور میں اس سے آگاہ بھی نہیں- خدا جانے یہ کیا لفظ ہے- اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۷۰

۱- سورہ بقرہ کی آیات ۱۵۶،۱۵۵ جن میں آزمائش کے موقع پر صبر کرنے کی تلقین کی گئی ہے-

۲- یہ وہ الفاظ ہیں جن کے درست تلفظ کے بارے میں میں مذبذب تھا لہٰذا ان سے معلوم کرنا پڑا-

۳- تیسرا لفظ معوذات تھا-

(۷۱)

۲۹- ستمبر ۱۹۶۳ء

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: آپ کا گلہ بجا میں بیمار ہو گیا- ایسی تکلیف عارض ہوئی جس نے مجھے پریشان کر دیا اور اب تک پریشانی کا باعث ہے- یعنی پاؤں لٹکا کر بیٹھوں تو بائیں ٹانگ میں خون اُتر آتا ہے اور واپس نہیں جاتا- گویا خود لکھنا اور بھی مشکل ہو گیا کیونکہ پاؤں کرسی پر رکھ کر بیٹھنا اور لکھنا مشکل تر، پاؤں لٹکاؤں تو تکلیف ہوتی ہے- ڈاکٹر کہتے ہیں کہ یہ کوئی خاص تکلیف نہیں دونوں پاؤں میں ایسی تکلیف ہو تو دل یا گردوں یا جگر کی خرابی سمجھی جاتی ہے، لیکن تکلیف ہے، اسباب ونتائج خواہ کچھ ہوں- یہی وجہ ہے کہ میں زیادہ لکھ نہیں سکتا- اپنے سوالات کا جواب لیجیے: (۱)

آل بویہ، مسکویہ (مشہور فلسفی اور مورخ)، حجة الله البالغه (یہ نام قرآن سے ماخوذ ہے- ''لله الحجة البالغه'' غالباً سورۂ اعراف (۲) میں ہے) حجتہ الوداع- اراضی، ائمہ، اسامی درست ہیں ان پر مد لگانا یا پڑھنا یا بولنا غلط ہے- مصحح صحیح یعنی

Marfat.com

دو ''ح'' اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- مال مسروقہ کے جلد ملنے کی کوئی صورت پیدا ہوئی ؟

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۷۱

۱- مذکورہ اسماء پر اعراب لگانے کی درخواست کی تھی چنانچہ آپ نے لگا دیے-

۲- سورۂ اعراف میں نہیں بلکہ سورۂ انعام کی آیت ۱۴۹ میں ہے-ترجمہ ''اللہ ہی کے لیے کامل دلیل ہے-''

(۷۲)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: میں ۶ - اکتوبر کو پشاور چلا گیا - اگرچہ ذہاب وایاب موٹر کار میں ہوا، مگر سفر کی کوفت سے محفوظ نہ رہ سکا - پھر پشاور میں آب وہوا اس مرتبہ عجیب دیکھی - دن رات میں دو تین مرتبہ ایسا ہوتا کہ ابھی بھاری کپڑا اوڑھے بیٹھے ہیں کہ سردی سے محفوظ رہیں، پھر یکایک پسینہ آنے لگا اور پنکھا چلانا پڑا - تیسرے سعی وکوشش کے باوجود سفر میں معمولات درہم برہم ہو گئے اور کھانے پینے کا سلسلہ بھی بدل گیا - ان سب چیزوں نے مل کر ایسا اثر ڈالا کہ میں کئی روز تک اطمینان سے اٹھ بیٹھ ہی نہ سکا - اب کسی قدر بہتر ہوں - آپ کے جواب میں دیر ہوئی - عفو خواہ ہوں اور ابھی اطمینان سے بیٹھ کر لکھنا مشکل ہے - بہر حال امر اول خیال میں ہے اور جو کچھ ممکن ہے ضرور کروں گا ان شاء اللہ-

مجھے داتا صاحب کی تصانیف کے بارے میں زیادہ علم نہیں-صرف ''کشف المحجوب'' سے آگاہ ہوں - ایسا تو نہیں کسی نے اسی کا ترجمہ ''کشف الاسرار (۱) کے نام سے کر دیا ہو-

حیدر آباد سے جو انسائیکلو پیڈیا (۲) چھپنا شروع ہوا تھا، میں اس سے بالکل آگاہ نہیں- اس لیے نہیں کہہ سکتا کہ کتنے کراسے شائع ہوئے تھے-

خدا کا شکر ہے کہ مال قبضے میں آ گیا - اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آپ نے نوافل شکر ضرور

Marfat.com

ایسے ہوں گے- نہ کیے ہوں تو ضرور کر لیجیے- دو، چار، چھ، دس- اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

مغرب کی اذان ہو رہی ہے ورنہ کچھ اور لکھتا-

حواشی خط نمبر ۲۷

۱- کشف المحجوب کے علاوہ فارسی میں ایک اور مختصری کتاب مسمّیٰ بہ ''فقرنامہ معروف بہ کشف الاسرار'' بھی حضرت علی ہجویری غزنوی ثم اللاہوری معروف مخدوم گنج بخش سے منسوب ہے- فارسی میں غالباً یہ ایک ہی مرتبہ طبع ہوئی جو مطبع محمدی لاہور سے بفرمائش تاجران فقیر اللہ وعبدالقادر وعبدالعزیز شائع ہوئی اس پر سنہ اشاعت درج نہیں البتہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (م ۱۹۶۳ء) نے اس کا سنہ طباعت ۱۸۷۰ء متعین کیا ہے (مقالات دینی وعلمی حصہ اول ص ۲۲۸) اس نسخہ کے حواشی مولوی محمد حسین نے فارسی میں قلمبند فرمائے ہیں- کشف الاسرار کے اُردو میں تراجم بھی ہیں مشہور محقق ومقدمہ نگار حکیم اہل سنت جناب حکیم محمد موسیٰ امرتسری نے کشف المحجوب کے اُردو ترجمہ مطبوعہ المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۱۳۹۳ھ پر شرح وبسط کے ساتھ مقدمہ تحریر فرمایا ہے اس مقدمہ میں کشف الاسرار پر بھی ضمناً روشنی ڈالی گئی ہے اور اس کتاب کے وضعی ہونے کے نظائر کتاب کی عبارات سے ہی پیش کر کے ایک قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ہے- جس پر محترم حکیم صاحب تمام اہلِ علم کی طرف سے ہدیۂ تبریک کے مستحق ہیں-

۲- اس اُردو انسائیکلو پیڈیا کا نام ''مخزن العلوم'' ہے- جسے ادارہ ادبیات اُردو حیدرآباد دکن نے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا اس کا صرف پہلا کراسہ میرے کتب خانہ میں ہے- (الف سے آرپی منٹ تک) تقسیم ملک کے سبب یہ منصوبہ دھرے کا دھرارہ گیا اور جتنا حصہ چھپ چکا تھا اسے ہی غنیمت جانتے ہوئے مشہور محقق جناب سید محی الدین قادری صاحب نے ایک تمہید کے ساتھ ۱۹۵۱ء میں شائع کر دیا-

(۷۳)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: حافظ کا ایک مشہور شعر ہے:

Marfat.com

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

اسی طرح غالب نے بھی ایک شعر میں بحری سفر کا ایک نقشہ پیش کیا ہے

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتہ است

اہل علم و نظر میں سے ایک طبقے کی رائے ہے کہ خواجہ کے شعر سے میرزا کا شعر بڑھا ہوا ہے کیونکہ

۱- خواجہ نے صرف تین مصیبتیں پیش کی ہیں، ان کے مقابلے میں غالب نے پانچ تک معاملہ پہنچا دیا۔

۲- پھر خواجہ نے یہ کہہ کر مصیبت کے پہلو میں ایک گونہ تخفیف کر دی کہ ساحل پر امن چین سے بیٹھے ہوئے لوگ ہماری مصیبتوں کا اندازہ کیا کر سکتے ہیں، حالانکہ موقع یہ تھا کہ صرف صورت حال کی ہولناکی سامنے لا کر قاری کو خود نتیجہ نکالنے کا موقع دیا جاتا اور وہی بہتر تھا۔ میرزا نے یہی کیا کہ نقشہ سامنے رکھ دیا اور یہی کافی تھا۔ اپنی زبان سے کیفیت بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی اور میرزا نے بیان نہیں کی۔

بہ ہر حال آپ اپنے ذوق کی بناء پر دونوں میں سے جس شعر کو زیادہ پرتاثیر اور زیادہ دردناک سمجھیں، اسے میری طرف سے عذر تصور فرمائیں۔ میں سہل انگار بھی نہیں۔ نام ٹالنے کا بھی عادی نہیں۔ لیکن حالت ایسی ہے کہ غالب کا یہ شعر مجھ پر صادق آتا ہے

بےخودی میں بھول گیا راہِ کوئے یار
جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو میں

بچی کی وفات (۱) نے اول متعدد نئے مسائل پیدا کر دیے، جن کا حل ضروری ہے۔ ان میں سے ہر مسئلہ سخت تکلیف دہ بھی ہے اور مشکل بھی۔ دوم تعزیت کرنے والوں کا سلسلہ اب تک جاری ہے اور اقرباء ان مسائل کے لیے بار بار آتے ہیں، اس میں وقت بری طرح صرف ہوتا ہے۔ سوم میں نے جو کام اپنے ذمے لے رکھے تھے ان میں سے تقریباً ہر کام میں کم و بیش ایک مہینے کا توقف ہو گیا اس وجہ سے میری تشویش بڑھی۔ کیونکہ پیسے بھی تکمیل کار پر موقوف ہیں اور تکمیل کار کے لیے چند روز کا عذر تو ممکن ہے لیکن لاانتہا عذر وہ لوگ کیوں کر سنیں جو مقررہ پروگرام

مطابق کتابیں چھاپ رہے ہیں- چہارم بعض سابقہ کتابوں کے پروف آ گئے- مثلاً ایک کتاب (۲) کے پروف ساڑھے سات سوصفحات کے ہیں اور میں گزشتہ پندرہ روز میں صرف ایک سو صفحے دیکھ سکا ہوں-

میں غافل نہیں، ضروریات سے بے حس بھی نہیں، لیکن حالات نے بری طرح بے بس رکھا ہے، ذرا توقف فرمائیے- پریشانی کی ضرورت نہیں- جتنی کتابوں کا تہیہ ممکن ہے، وہ ضرور آ جائیں گی- تھوڑی سی فراغت چاہتا ہوں- خدا چاہے تو دیر نہ لگے- آپ کی بے تابی بجا، لیکن جو حالات مجھے پیش آئے، وہ بہ ہر حال اختیار سے باہر اور سراسر غیر متوقع تھے-

میری حالت یہ ہے کہ گزشتہ آٹھ دس روز سے کئی مرتبہ سوچا، کہ آپ شاید ناراض ہو گئے ہیں، ایک کارڈ لکھ کر صرف اتنا عرض کرنا چاہتا تھا کہ

وفا کنند کہ بیگانہ آشنا گردد
ترا چہ شد کہ نمی پری آشنائے را؟

لیکن اتنی فرصت نہ نکال سکا-

حضرت موسیٰ (۳) کے متعلق قرآن میں غالباً دو جگہ بچپن کا ذکر ہے- اول سورۂ قصص میں اور دوم طٰہٰ میں- ایک جگہ کوئی تفصیل نہیں- طٰہٰ میں یہی ہے کہ ''تابوت'' میں ڈال کر دریا یا سمندر میں ڈالو اور تابوت کا ترجمہ صندوق ہی کیا گیا ہے- بائبل میں (کتاب خروج) سرکنڈوں کا ٹوکرا لے کر اس میں چکنی مٹی اور رال لگائی اور دریا کے اندر جھاؤ کے پودوں میں رکھ آئی یعنی ام موسیٰ- میرے خیال کے مطابق یہ تابوت کے منافی نہیں اور تابوت سے لازماً صندوق مراد لینا ضروری نہیں، سرکنڈوں کے ٹوکرے کے لیے دریا میں تیرنا بہ مقابلہ صندوق سہل تر تھا- لیکن اگر آپ تابوت سے بالخاصہ لکڑی کا صندوق مراد لیں تو میں اختلاف کی جرأت نہیں کر سکتا- صندوق کے شگاف بھی اندر سے بخوبی بند کر دیے گئے ہوں گے تاکہ پانی نفوذ نہ کر سکے- تابوت ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ تماماً لکڑی کا ہو- ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ سرکنڈوں کا ہو اور اس کے اندر ایسا انتظام کر دیا گیا ہو کہ پانی اندر داخل نہ ہو سکے اور ٹوکرے سے یہ سمجھنا کہ اوپر سے خالی ہو گا، غالباً درست نہیں- بچے کو اوپر سے ڈھکے بغیر رکھنا ممکن نہ تھا اور یقیناً اس ٹوکرے کے اوپر ڈھکنا ہو گا- آپ اسے تابوت کہہ دیں تو کوئی حرج نہیں- میرے نزدیک بوجوہ یہی تعبیر مناسب تھی، لیکن اس پر اصرار کا سوال ہی نہیں اور اسے تابوت سے متصادم قرار دینے کی کوئی وجہ نہیں- اگر اس کتاب کے دوبارہ

Marfat.com

چھپنے کی نوبت آئی تو میں ضرور حاشیے میں تصریح کر دوں گا - ان شاء اللہ -

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں - عشاء کا وقت ہو رہا ہے اور مجھے ابھی دو تین کارڈ لکھنے ہیں -

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مہر

مکرر! پرسوں اتر سوں جناب حسن علی صاحب جامعی (۴) تعزیت کے لیے آئے اور انہوں نے آپ کا ذکر بھی کیا یعنی کہا کہ فلاں صاحب آپ کے پاس وقتاً فوقتاً آتے ہیں - وہ ہمارے ہاں بھی ایک صاحب سے ملاقات کے لیے آیا کرتے ہیں -

مہر

(ا) یہ بھی ظاہر ہے کہ بائبل میں جو لفظ مستعمل ہے، وہ اصل عبرانی لفظ تو نہیں - اس کا ترجمہ معلوم کرنا چاہیے کہ عبرانی، جو تورات کی زبان تھی، کیا لفظ آیا ہے جس کا ترجمہ ٹوکرا کیا گیا -

(ب) جھاؤ ایک پودا ہوتا ہے جو دریاؤں اور ندی نالوں کے طاس میں اُگتا ہے اس کی شاخوں سے ٹوکرے ٹوکریاں بناتے ہیں - (۵)

حواشی خط نمبر ۳۷

۱- یہ مولانا کی بچی رضیہ سلطانہ کا ذکر ہے جو ۲۲ر اکتوبر ۱۹۶۳ء کو اکتیس سال کی عمر میں رحلت کر گئی -

۲- یہ اشارہ ہے جان ہرمن رینڈل جونیئر کی انگریزی کتاب The making of the Modern Mind کے اردو ترجمہ کی طرف جو "ذہن انسانی کا ارتقاء" کے نام سے شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے ادارہ فرینکلن لاہور کے اشتراک سے ۱۹۶۵ء میں چھاپی -

۳- "History's 100 Greatest Events" "سو تاریخی واقعات" از ولیم اے ڈیوٹ، اردو ترجمہ از مولانا غلام رسول مہر - فیروز سنز لمیٹڈ لاہور کے ہاں سے مکتبہ فرینکلن لاہور کے اشتراک سے ۱۹۶۰ء میں چھپی - اس کے پہلے واقعہ "بنی اسرائیل غلامی سے نجات پاتے ہیں" میں تحریر ہے کہ "حضرت موسیٰ اس لیے بچ گئے کہ پیدا ہوتے ہی انہیں سرکنڈوں کی ایک ٹوکری میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دیا گیا تھا" ہمارے یہاں تفاسیر قرآن مجید میں چونکہ ٹوکری کی بجائے صندوق کا ذکر ملتا ہے اس لیے وضاحت طلب کی گئی تھی -

۴- ملک حسن علی بی اے جامعی (متوفی ۶ جون ۱۹۹۱ء) - اہل حدیث عالم دین جمعیت اہل حدیث اور تحریک خلافت کے رہنما - ماہنامہ "صوفی" پنڈی بہاء الدین کے نائب مدیر رہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں

Marfat.com

مشاہد التوحید، تعلیمات مجددیہ، حیات جاوید (میاں شیر محمد شرقپوری کی سوانح عمری) احسن القصص (تفسیر سورۂ یوسف) خاص طور پر قابل ذکر ہیں- مردانہ یتیم خانہ (دارالشفقت لاہور) کے اتالیق اعلیٰ رہے-

۵- (- ب کا مکتوبات پر نظر ثانی کی وقت اضافہ کیا گیا-

(۷۴)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- آپ کی محبت کے لیے شکر گزار ہوں اور

از دستِ فقیرِ بے نوا ناید ہیچ
جزایں کہ بہ صدقِ دل دعائے بکند

آپ نے جس کتاب (۱) کا ذکر کیا ہے مجھے اس کے متعلق کچھ معلوم نہیں اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں اس نام کی کوئی کتاب طبع نہیں ہوئی- مغلوں کے عہد (۱۵۲۶ء-۱۷۰۷ء) کے بارے میں پروفیسر سری رام شرما نے کتابیات کا ایک جامع مرقع تیار کر دیا تھا جو چھپ بھی گیا تھا، غالباً ۱۹۳۹ء میں- یقین ہے کہ اس کا کوئی نسخہ پبلک لائبریری میں مل جائے، احتیاطاً وہاں دیکھ لیجیے-

میں یہی چاہتا تھا کہ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو کتابوں کی بقیہ فہرست مکمل کر دیں، لیکن اس کے لیے آپ کو فوراً زحمت نہیں دینا چاہتا، کیونکہ میں پھر قاصد سفر ہوں- چاہتا ہوں کہ پیش نظر کام کسی منزل تک پہنچ جائیں، جن میں زیادہ وقت (بفضل اللہ) نہ لگنا چاہیے- تو چند روز کے لیے پھر چلا جاؤں اور کچھ وقت گھوم پھر کر گزاروں- طبیعت گھبرائی ہوئی ہے- سکون کی تلاش ہے، جانتا ہوں، سکون کہاں لیکن تلاش اُمید پر قائم ہے اور خود اُمید کا سہارا بھی ہے- میرزا غالب نے تو ایک سعی بے حاصل کو بھی اک گونہ لذت کا سرچشمہ قرار دے لیا تھا اور وہ آرزو کرتے تھے کہ یہ لذت بھی باقی رہے تو زندگی گزر جائے گی- فرماتے ہیں:

Marfat.com

بس ہجومِ نا اُمیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعی لا حاصل میں ہے

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
مہر

حاشیہ خط نمبر ۷۴

۱۔ ایک صاحب کے پاس ایک مخطوطہ تھا تاریخ اکبر شاہی صاحب قران ثالث مصنفہ تربیت خاں۔ اس کے طبع ہونے کے متعلق دریافت کیا گیا تھا۔

(۷۵)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲۱۔ دسمبر ۱۹۶۳ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: میری طبیعت پورا ہفتہ خراب رہی۔ عمر کے ایسے دور میں ہوں جب جسم کی طبعی تاب وتواں میں، جسے اصطلاحاً "حرارت غریزی" کہتے ہیں (میرے ایک عزیز دوست اسے ہمیشہ "حرارت عزیزی" کہا کرتے تھے حالانکہ اچھے طبیب تھے) کمی آجاتی ہے اور موسم سرما خطرناک ہو جاتا ہے۔ لوگ گرمیوں میں پہاڑوں پر جاتے ہیں، میں سردیوں میں کہاں جاؤں؟ کوئی ایسا مقام نظر نہیں آتا، جہاں آب وہوا معتدل ہو یعنی نہ گرمی، نہ سردی۔ نصف سرما گزر گیا اور تکالیف کے ساتھ، باقی سرما کیوں کر گزرے گا؟ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

آپ کو شاید معلوم نہ ہو، شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی نظامی مرحوم ومغفور میرے بڑے عزیز دوست تھے۔ میں ۱۹۲۲ء میں اخبار نویسی کے لیے لاہور آیا تھا تو ان سے تعلقات پیدا ہوئے۔ ان کا ادبی ذوق بڑا سلجھا ہوا تھا۔ مجھے وہ میرے ایڈیٹوریلوں کی بنا پر بے حد پسند کرتے تھے۔ پھر ہم میں گہری محبت پیدا ہوگئی اور میں تقریباً روزانہ ان کے ساتھ گھنٹہ دو گھنٹے گزارتا تھا۔ وہ بھی میرے مکان پر عموماً آجاتے تھے۔ ایک مرتبہ میں آشوب چشم کے عارضے میں مبتلا ہوا (۱۹۳۴ء)۔ عجیب عارضہ تھا۔ آٹھ دن بالکل آرام رہتا پھر یکایک آشوب شروع ہو جاتا۔ میں پہاڑ پر چلا گیا۔ دو مہینے

Marfat.com

۱۹۳۴ء میں اور چھے مہینے ۱۹۳۵ء میں پہاڑ ہی پر گزارے۔ پہلی مرتبہ حکیم صاحب کے لیے فارسی میں چار بند کی ایک طویل نظم کہی، جو انہیں بھیجی۔ بعض چیزیں اُردو میں بھی کہیں جو انقلاب میں چھپ گئیں۔ میری فارسی نظم کے دو شعر شدت مرض میں بہت یاد آئے۔ اول پہلے بند کا یہ شعر:

نفس زسینۂ تنگم چناں بروں آید
تو گوئی قلب ز دامانِ خویش خار کشد

دوم دوسرے بند کا یہ شعر:

بنائے ہستی من در تزلزل افتاداست
بہ ہر نفس کہ کشم سیر مرگ زار کنم

اب کسی قدر بہتر ہوں، لیکن کام نہیں۔ مرض کا لگاؤ ابھی باقی ہے۔ شدت میں ضرور تخفیف ہوگئی۔ ہفتے کا دن، صبح کا وقت، شہر جانے کا مسلمہ پروگرام۔ جانا ضرور ہے مگر ہنسی کھیل کے لیے نہیں۔ صرف ڈاکٹر کو دکھانے اور مزید دوا لینے کے لیے۔ نمکین چائے کی پیالی بھر بھر کر پی رہا ہوں جس طرح شام کے وقت رند عرق نوشی کرتے ہیں، یعنی پیالی اُٹھائی، بڑا گھونٹ لیا اور پیالی رکھ دی۔ رندوں کا ایک شیوہ یہ بھی ہے کہ دو ہوں تو گلاس ایک دوسرے سے ملا کر پیتے ہیں۔ میرے پاس کوئی ہے نہیں کہ پیالی پیالی سے بھڑا لوں، خیر، اسی حالت میں سطریں گھسیٹتا جا رہا ہوں۔ اس انتظار میں ہوں کہ صفحہ ختم ہو جائے اور نام لکھ کر اسے ملفوف کر دوں۔

انا للہ، آپ کا اصل سوال تو بھول ہی گیا۔ اب دوسرا صفحہ سیاہ کرنا پڑا۔

۱۔ شرما کی کتاب کا حوالہ میں نے اس کی کتابوں میں دیکھا ہے۔ خود میں نے کتاب نہیں دیکھی۔ آپ یونیورسٹی لائبریری میں دیکھ لیں۔ پبلک لائبریری کی کچھ کتابیں دوران تقسیم ضائع ہوگئیں، انھیں میں جدو ناتھ سرکار کی بعض کتابیں بھی تھیں۔

۲۔ سیرۃ طیبہ (۱) کے متعلق کتابیات کا کام غالباً بہ کثرت ہو چکا ہے۔ عربی میں بھی، اگرچہ میں اس کتاب کا حوالہ فی الحال نہیں دے سکتا اور اُردو کتابوں کی فہرست تو گزشتہ سال اہل دیوبند (۲) مرتب کر رہے تھے۔ مجھ سے بھی ایک کتاب کا پتا پوچھا تھا، لیکن یہ کام از سرِ نو کر دینے میں تامل کی کوئی وجہ نہیں۔

اس کے لیے خاص پروگرام تو بتایا نہیں جا سکتا۔ مندرجہ ذیل اُمور بہ طورِ خاص پیشِ نظر رکھنے چاہییں:

Marfat.com

کتاب کا نام، زبان، اسلوب بیان، مطبوعہ ہے یا غیر مطبوعہ، کہاں چھپی؟ کہاں ملتی ہے؟ آیا کمیاب ہے۔؟

دوم اس سلسلے میں صرف مستقل کتابوں تک معاملہ محدود نہ رکھنا چاہیے بعض کتابوں میں دوسروں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا ذکر آ گیا ہے۔ مثلاً کارلائل کی ''ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ'' میں۔ ایسی کتابوں کا حوالہ بھی دینا چاہیے اور حقیقی حیثیت کی تصریح کر دینی چاہیے بلکہ ممکن ہو تو مقالاتِ رسائل کے حوالے بھی دیے جائیں۔

اس کے لیے محنت زیادہ درکار ہے۔ مثلاً تمام کتب خانوں کی فہرستیں بالاستیعاب دیکھنا۔ لائبریریوں میں بیٹھ کر کتابوں پر ایک نظر ڈالنا۔ یہ تصریح بھی ہونی چاہیے کہ اُردو یا انگریزی میں یا فرانسیسی یا کسی دوسری زبان کی کون کون سی کتاب اُردو میں یا فارسی میں ترجمہ ہوئی یا عربی میں۔

کام کسی قدر ہو جائے تو طریق کار پر مزید غور کیا جا سکتا ہے۔ بہتر یہ ہو کہ ہر صدی اور ہر زبان کی کتابیں الگ الگ کاغذات پر مرتب کی جائیں۔ اس طرح عربی کتابیں بڑی حد تک ابتدا میں آ جائیں گی۔ انگریزی فرانسیسی وغیرہ کتابیں نویں دسویں صدی سے شروع ہوں گی اور کم۔ پندرھویں کے بعد زیادہ ہو جائیں گی۔ فارسی ابتداء میں کم ہوں گی بعد میں زیادہ۔ اُردو صرف سوا سو یا ڈیڑھ سو سال سے شروع ہوئیں۔ ان کے لیے وقت تو غالباً نہ ہو لیکن جاپانی، انڈونیشی، چینی، برمی یا ہندوستان کی مختلف زبانوں مثلاً کنڑی، تامل، ملیالم گجراتی، ہندی وغیرہ کی تفصیل فراہم کرنا اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہر جگہ خط وکتابت کی جائے۔

کام محض اچھا ہی نہیں، حددرجہ مفید وضروری بھی ہے اور موجب ثواب بھی۔ غالباً ۱۹۳۵ء یا ۱۹۳۶ء میں ایک اخبار نے لکھا تھا کہ نپولین پر اب تک مختلف زبانوں میں ۳۶ ہزار کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ اس کے بعد کتابوں میں مزید اضافہ ہوا۔ مجھے بھی اس وقت خیال ہوا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوانح پر اس سے زیادہ کتابیں لکھی جا چکی ہوں گی۔ ان کی فہرست مرتب ہونی چاہیے۔ لیکن مجھے تو دوسرے کاموں نے اس مسئلے پر غور کی بھی مہلت نہ دی۔ آپ کریں تو سبحان اللہ۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۷۵

۱- میں نے سیرۃ النبی پر کتابیات کی فہرست مرتب کرنے کے عندیہ کا اظہار کیا تھا اور آپ سے اس کے طریق کار کے متعلق رائے طلب کی تھی-

۲- دیوبند والی کتاب کا علم نہ ہو سکا-

(۷۶)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲-جنوری ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: آپ یقین فرمائیں کہ میں ایسے وقت یہ سطریں لکھ رہا ہوں جب کسی کو میرے باہر بیٹھنے کا خیال بھی نہیں ہو سکتا! طبیعت خراب اور مصروفیت ایسی ہی ہے- بہت کچھ لکھنا چاہتا تھا، مگر اب عفو خواہ ہوں-

''سرودِ رفتہ'' (۱) کا معاملہ عجیب ہے- اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے خود ''سرودرفتہ'' ہی لکھا ہوگا - انہوں نے پہلے بھی کہا تھا:

گوش آواز سرودِ رفتہ کا جویا ترا
اور دل ہنگامہ حاضر سے بے پروا ترا

لیکن سرور رفتہ بنایا گیا- مجھے یاد ہے کہ چودھری محمد حسین مرحوم نے اقبالؒ کی وفات کے بعد ''ارمغان حجاز'' چھاپنے کا قصد کیا تھا تو مجھ سے بھی پوچھا تھا، میں نے جہاں تک مجھے یاد ہے سرود رفتہ کا حوالہ بھی دیا تھا مگر سمجھا یہ گیا کہ گزرے ہوئے سرود کو فارسی میں ''سرودِ رفتہ'' نہیں کہتے - لہٰذا ''سرور'' بنایا گیا -مگر ہندی فارسی ایرانی فارسی سے مختلف ہے- بانگ درا کا جو شعر میں نے اوپر نقل کیا ہے اس میں ''سرود'' کو کیوں کر بدلیں گے؟ وہاں تو گوش موجود ہے، جس کے لیے سرور بالکل بے تعلق ہوگا - غرض میرے نزدیک سرودِ رفتہ ہی درست ہے-

لطف یہ کہ خلیفہ عبدالحکیم (۲) مرحوم نے ایک مرتبہ مجھ سے ذکر کیا - ایرانی اس پوری رباعی ہی کو ''فارسی'' نہیں مانتے - کہتے ہیں- ''آید کہ ناید'' ہندی فارسی ہے-؟ ''آید نیاید'' ایرانی فارسی ہے- اقبالؒ کے پیشِ نظر ایرانی فارسی نہ تھی، اظہارِ افکار تھا- وہ فارسی انہوں نے چمن

Marfat.com

لی جو ہندوستان میں رائج تھی یعنی کتابی فارسی اور کوئی وجہ نہیں کہ ایرانی مطلب نہ سمجھے اور خیال کو دل میں جگہ نہ دے لے۔

بنائے ہستی من در تزلزل افتاد است
بہ ہر نفس کہ کشم سیر مرگ زار کنم

اس کی ایک داستان ہے وہ مجھ سے آئندہ کسی وقت پوچھ لیجیے۔ دس پندرہ روز کے بعد مفصل لکھوں گا ان شاء اللہ۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
مہر

حواشی خط نمبر ٦٧

۱۔ ''ارمغان حجاز'' میں علامہ اقبال کا ایک قطعہ ہے:

سرود رفتہ باز آید کہ ناید؟
نسیمے از حجاز آید کہ ناید؟
سر آمد روزگار ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید؟

اس پر روزگار فقیر کے مصنف فقیر سید وحید الدین (م۔ ١٩٦٨ء) کا ایک مراسلہ روزنامہ ''مشرق'' لاہور کی اشاعت مورخہ ٢٣۔ دسمبر ١٩٦٣ء میں اشاعت پذیر ہوا جس میں انہوں نے لکھا کہ علامہ کا قطعہ میں درست لفظ ''سرود'' ہی ہے۔ نسخے ''ارمغان حجاز'' کی بعد کی اشاعتوں میں ''سرود'' سے بدل دیا گیا۔ بعد میں مراسلہ نگار کی کتاب ''روزگار فقیر'' جلد دوم ١٩٦٤ء میں منصۂ شہود پر آئی تو اس میں بھی لفظ ''سرود'' کے درست ہونے پر اصرار کیا گیا۔ البتہ مصنف کا یہ کہنا کہ علامہ اقبال کا یہ مجموعہ (ارمغان حجاز) ان کی رحلت کے چند ماہ بعد نومبر ١٩٣٨ء میں شائع ہوا اور اس میں بھی لفظ ''سرود'' ہی چھپا'' درست نہیں''۔ راقم کے کتب خانہ میں ''ارمغان حجاز'' کی طباعت اول موجود ہے اس میں ''سرود'' ہی ہے نہ کہ ''سرود''۔ مصنف نے آگے چل کر لکھا ہے کہ ''ارمغان حجاز'' کے ساتویں ایڈیشن میں اس مصرعے کی تصحیح کر دی گئی حالانکہ چوتھے ایڈیشن تک جو راقم کے کتب خانہ میں ہے لفظ ''سرود'' ہی چھپا ہے۔ اس کے بعد کے ایڈیشنوں کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔ البتہ ''کلیات فارسی'' مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور کے پہلے ایڈیشن فروری ١٩٧٣ء میں ''سرود'' کی

Marfat.com

بجائے ''سرود'' چھپا ہے جو اغلب ہے، کہ مولانا غلام رسول مہر کے مشورہ سے تبدیل کیا گیا ہو کیونکہ کلیات فارسی کے اعتذار (پیش لفظ) میں جناب ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب نے تصحیح کے سلسلے میں مولانا غلام رسول مہر سے رجوع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ جیسا کہ مولانا کے مکتوب سے ظاہر ہے وہ ''سرود'' کو ہی ترجیح دیتے ہیں اور اس کے لیے وہ کلام اقبال سے استشہاد کرتے ہیں۔ مولانا نے اقبال کے غیر مرتب کلام کو بھی ''سرودِ رفتہ'' کے نام ہی سے ترتیب دیا جسے ان کے ناشر شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے ۱۹۵۹ء میں چھاپ دیا۔

۲۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم (م-۱۹۵۹ء) نے تکمیل تعلیم کے بعد ہائیڈل برگ (جرمنی) سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ واپس آکر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد (دکن) میں صدر شعبہ فلسفہ مقرر ہوئے۔ کئی سال ڈین آف دی فیکلٹی آف آرٹس کے مرتبہ پر فائز رہے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد سرینگر (کشمیر) کالج کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ تقسیم ملک کے بعد ''ادارہ ثقافت اسلامیہ'' کے ناظم اعلیٰ مقرر ہوئے۔ فلسفہ پر کئی کتابیں لکھیں اور لکھوائیں۔ انھیں مغربی علوم کے علاوہ مشرقی علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اقبالیات ان کا خاص موضوع تھا۔ اُردو اور فارسی میں بے تکلف لکھتے تھے۔ ان کی بعض تصانیف کے نام ''فکرِ اقبال''، ''افکارِ غالب''، ''مابعد الطبیعیات'' اور ''رومی'' ہیں۔

(۷۷)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۸-جنوری ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم۔ یہ ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء کا واقعہ ہے (۱)۔ میری آنکھوں میں آشوب کا دورہ ہونے لگا تھا۔ آٹھ دس روز آرام رہتا، پھر آشوب شروع ہو جاتا۔ ۱۹۳۴ء میں دو مہینے اور ۱۹۳۵ء میں چھ مہینے میں نے کوہستان شملہ میں گزارے تھے۔ (سناور نزد کسولی) جہاں میرا بھائی ٹھیکہ دار تھا۔ سناور میں انگریز لڑکیوں اور لڑکوں کا ایک سکول تھا، جس نے بڑی اہمیت اختیار کر لی تھی۔ اس کی بنیاد جان لارنس نے فتحِ پنجاب کے بعد رکھی تھی۔ پہلے وہاں یتیم بچے رکھے گئے، پھر عام سکول بن گیا جہاں لڑکوں کو فوجی تعلیم دی جاتی تھی، جگہ بہت خوشگوار۔ شملہ سے اور کسولی دونوں سے بہتر اور حد درجہ پرسکون تھی، کیونکہ وہاں متعلقہ افراد کے سوا کوئی رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ سناور میں

Marfat.com

داخل ہونے کے دروازے کے سامنے ایک بہت بڑا ٹیلہ تھا۔ اس کی ایک طرف سے سڑک گڑکھل گاؤں جاتی تھی۔ وہاں سے ایک سڑک کسولی، ایک سباتھو اور ایک دھرم پور جاتی تھی جو شملہ کے راستے کا اہم مقام تھا۔ ایک سڑک اس ٹیلے کے دوسری جانب سے ہوتی ہوئی چکر کھا کر سباتھو والی سڑک میں مل جاتی تھی، پھر گڑکھل کی طرف آ جاتی تھی، میں نے شکل میں ٹیلے کو مستطیل بنا دیا مگر یہ غیر متساوی الاضلاع مستطیل تھا اور اس کا چکر تین میل سے کم نہ ہوگا۔

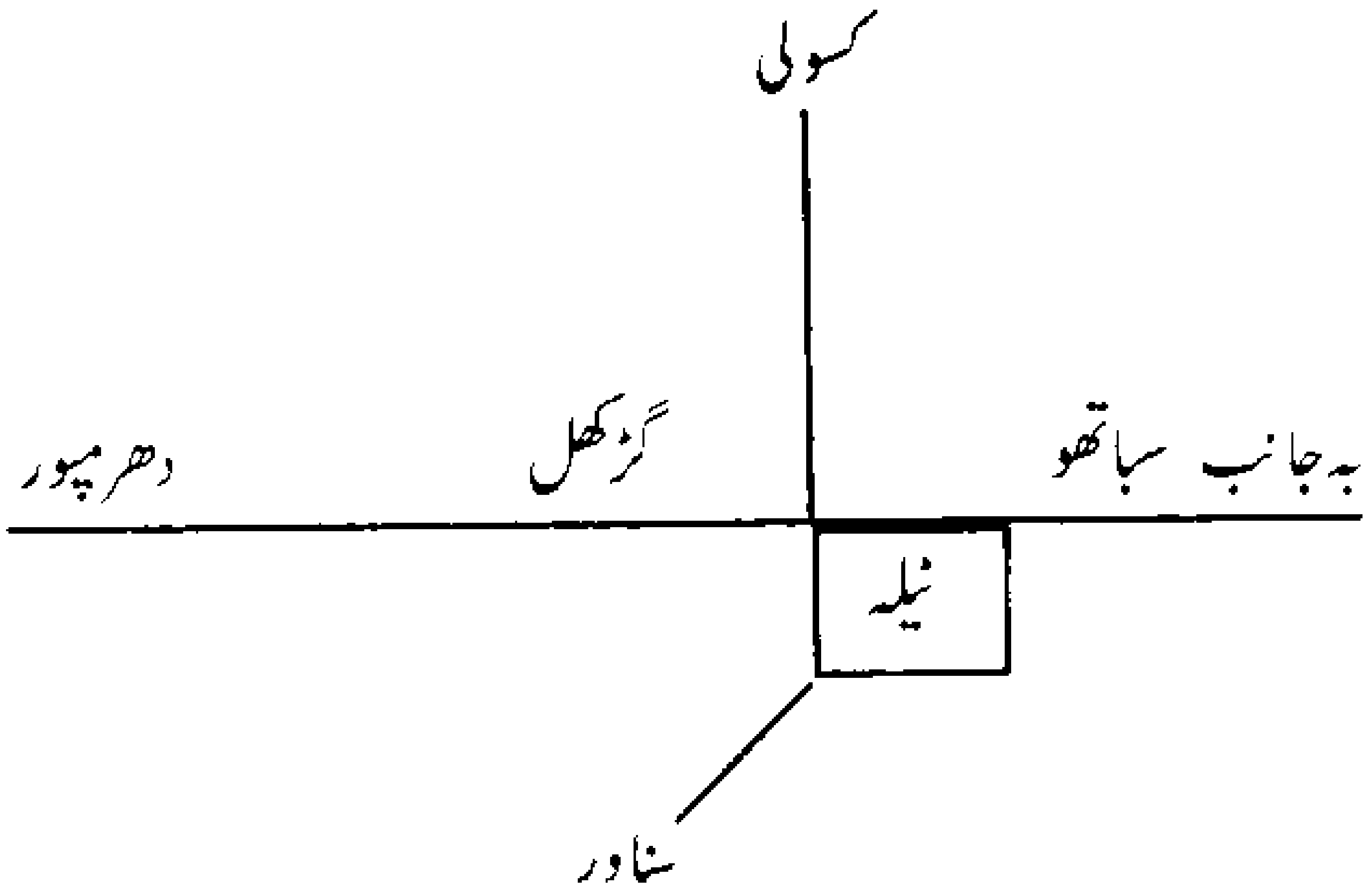

گڑکھل والی سڑک پر آدمیوں کی آمدورفت نسبتاً زیادہ ہوتی تھی، باقی ٹیلے کی تین طرفوں میں آمدورفت بہت کم تھی۔

میں صبح نماز پڑھ کر سیر کے لیے نکل جاتا۔ اکثر خاصا حصہ طے کر کے ٹیلے پر چڑھ جاتا جو بہت اونچا تھا اور پہاڑوں کی بہار دیکھتا رہتا خصوصاً برسات میں۔ بعض اوقات چکر لگا کر لوٹتا۔ میں نے اکثر شعر یا تو اس ٹیلے کی سڑکوں پر پھرتے ہوئے کہے یا ۱۹۳۵ء میں گڑکھل سے ذرا اوپر بجانب کسولی ایک کوٹھی لے لی تھی، جس کا نام تھا پائنز (PINES) یعنی صنوبر آباد اس کوٹھی سے ایک رکشا روڈ کسولی جاتی تھی۔ میں اس سڑک پر بھی سیر کرتا تھا۔

اکثر شعر انھیں مقامات پر کہے

قصہ اتنا ہی تھا۔

بنائے ہستی من در تزلزل افتاد است

بہ ہر نفس کہ کشم سیر مرگ زاد کنم

اس کے کئی بند تھے۔ ایک اور بند کا شعر تھا:

Marfat.com

نفس زسینۂ تنگم چناں بروں آید
تو گوئی قلب زدامانِ خویش خار کشد

گویا سانس سینہ تنگ سے اس طرح باہر آتا ہے کہ تو دیکھے تو کہے دل اپنے دامن سے کانٹے نکال نکال کر باہر پھینک رہا ہے۔ احساسات تازہ تھے، دماغ میں جوانی کی سرخوشی تھی اور نسبتاً فراغت تھی۔ عزیزمن! یہ اس دور کی باتیں ہیں جب دل زندہ تھا، اب یہ سب چیزیں خوابِ پریشاں کی صورت اختیار کر چکی ہیں۔ نہ جوانی کا جوش، نہ دل میں زندگی کے خون کی پہلی سی تگ و دو، نہ احساسات میں تازگی اور نہ فراغت کہ انسان آفاق وانفس کے معاملات کا جائزہ اطمینان سے لے اور ان کے باب میں اپنے تاثرات بے تکلفی سے صفحہ قرطاس پر پھیلا دے۔ اب تو سوائے اس کے کچھ مقدر نہیں کہ اٹھا، قلم ہاتھ میں لیا اور سوچے سمجھے بغیر کاغذ کے میدان میں اسے رواں کر دیا۔ کیا لکھا جاتا ہے؟ اس سے اپنے کو یا دوسرے کو کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ کوئی چیز کام کی بھی اس سیہ رو سے ٹپکتی ہے یا نہیں؟ اتنا ہوش ہی نہیں۔ اپنے نامۂ اعمال کی طرح کاغذ سیاہ کر دینے سے مطلب ہے تاکہ کوئی عزیز، کوئی دوست، کوئی رشتہ دار یہ نہ کہنے پائے کہ اس کا مکتوب بے جواب رہا۔ لیکن کیا کیا جائے اور کچھ ممکن نہیں۔ قدرت کو یہی منظور تھا کہ آخری دور اسی طرح گزرے۔ بہر حال شکر ہے۔ لاکھ لاکھ شکر ہے کہ خودداری قائم ہے۔ زبان اور قلم کی آبروزائل نہیں ہوئی۔ یہ سب کچھ خدائے بزرگ و برتر کی رحمت بے پایاں ہی کا ایک کرشمہ ہے۔ ورنہ میں کیا حیثیت رکھتا ہوں اور کون ایک گوشہ نشیں کو لائق التفات سمجھتا ہے جس نے دورِ اقتدار میں سیکڑوں کو فائدے پہنچائے اور ہزاروں اسے اس لیے قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اقتدار کے حاشیے میں بیٹھا تھا۔ آج نہ کسی کو نفع پہنچا سکتا ہوں اور نہ نقصان۔ پھر کیا اُمید ہو سکتی تھی کہ زندگی کے باقی دن بہ خیر و عافیت گزر جائیں گے؟ انسان میں صبر نہیں، شکر نہیں، دیکھ لیجیے اب دوسرا صفحہ بھی ختم ہو گیا اور یہ پوچھ ہی نہ سکا کہ آپ کب تک کراچی میں رہیں گے اور کب آئیں گے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حاشیہ خط نمبر ۷۷

۱۔ [illegible] نے لکھنے کا گزشتہ مکتوب کے اختتام پر وعدہ کیا گیا تھا، یہ مکتوب اسی کی تکمیل ہے۔

Marfat.com

(۷۸)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۹-فروری ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! عفوخواہ ہوں- میں الٹی مصروفیتوں میں اُلجھ گیا- میرے لکھنے کی میز دیکھیں تو اس پر عجیب وغریب کتابوں کے انبار ہیں- تاریخ، سوانح، دینیات، انسائیکلو پیڈیا، خطبات، مسودات، دواوین، آثار- جس طرف نظر اُٹھاتا ہوں، ہر چیز ایسی معلوم ہو رہی ہے جو خاص ضرورت کے لیے لایا اور ضرورت ابھی پوری نہیں ہوئی-

مفردات راغب (۱)، قرآن مجید کی مشہور لُغت ہے جس میں حتی الامکان الفاظ قرآن کے معانی خود قرآن ہی کو پیش نظر رکھ کر لکھے گئے- ہر لفظ کے سلسلے میں تمام آیات قرآنی جمع کر دی گئی ہیں- اہل علم کے نزدیک بہت معتبر کتاب ہے- البتہ بعض اکابر اس کے گرانمایہ ہونے کے باوجود اسے بہ ہر حال مستند نہیں مانتے- میرے پاس ہے آپ آئیں گے تو دیکھ لیں-

اب میں سمجھتا ہوں کہ اُردو میں بھی قرآن مجید کے لُغت مرتب ہو گئے ہیں، جن میں مفردات راغب سے بھی استفادہ کیا گیا ہے- میں نے دیکھا تو نہیں لیکن میرا خیال ہے کہ ان میں سے قاضی صاحب میرٹھی (۲) (نام بھول گیا) کا لغت بہت اچھا ہوگا- قاضی صاحب کو میں مدت سے جانتا ہوں- وہ بڑے محتاط اور بالغ نظر عالم ہیں- ایک لغت غالباً ندوۃ المصنفین (۳) دہلی نے بھی مرتب کیا ہے جو چار جلد میں ہے میرے نزدیک میرٹھی کا لغت بہت اچھا ہوگا- لیکن کہاں سے ملتا ہے یہ فوراً نہیں بتا سکتا- اغلب ہے کسی وقت مقام یاد آ جائے-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۷۸

۱- مفردات راغب کا پورا نام ''المفردات فی غریب القرآن'' ہے- یہ امام راغب (حسین محمد بن اصفہانی -م- ۵۰۲ھ) کی شہرہ آفاق تصنیف ہے جس کا اُردو ترجمہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبدہ فیروز پوری نے کیا اور اہلِ حدیث اکادمی کشمیری بازار لاہور نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا- کتاب کی اہمیت وافادیت کا یہ عالم ہے کہ اس سے علامہ ابن حجر عسقلانی و علامہ عینی جیسے شارحین وفضلائے روزگار نے استفادہ کیا- کتاب ہذا عربی کی ادق کتابوں میں شمار ہوتی ہے جس سے اُردو دان طبقہ مستفید ہونے سے محروم تھا- فاضل مترجم نے اسے اُردو کا جامہ پہنا کر ان لوگوں کے لیے بھی استفادہ کی سہولت پیدا کردی ہے اور اس لحاظ سے وہ قابلِ تبریک ہیں- اس پر مستزاد یہ کہ انہوں نے احادیث نبوی اور عربی اشعار کی تخریج بھی کردی ہے جو اُردو ترجمہ میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے-

(۲) قاضی میرٹھی سے مراد قاضی زین العابدین (فاضل دیوبند) ہیں جن کی عربی اُردو ڈکشنری ''مع لغات القرآن'' دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی سے ۱۹۷۴ء میں شائع ہوئی (تصنیف ۱۹۴۸ء-۱۳۶۸ھ)

(۳) ندوۃ المصنفین والی لغت سے مراد ''لغت القرآن'' (جلد نمبر ۱، ۲، ۳) مولانا محمد عبدالرشید نعمانی (جلد نمبر ۴، ۵، ۶) عبدالدائم جلالی- مکتبہ حسن سہیل راحت مارکیٹ اردو بازار لاہور ہے جو چار میں نہیں بلکہ چھ جلد میں چھپی-

(۷۹)

GHULAM RASUL MIHR ۱۴- مارچ ۱۹۶۴ء
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: میں صبح شہر گیا تھا- شام کو آیا-

۱- آپ نے جس شعر کا (۱) حوالہ دیا ہے، اس میں بظاہر کوئی پیچیدگی نہیں لفظی ترجمہ یہ ہوگا: رشک کے باعث میرے پہلو میں جگر کے سو ٹکڑے ہو گئے ہیں، تو خدا جانے کس کے گریہ زار کا خون دھونے میں مشغول رہا-

وہی محبوب کی بے پروائی اور بے اعتنائی کا رونا ہے کہ دوسروں پر کرم ہے اور عاشقِ زار سے بیزاری-

Marfat.com

۲- آپ کے مجموعے کا نام ''دیوان نہایت الکمال (۲)'' ہے- ایک صاحب یاسین نظامی تھے جو خواجہ حسن نظامی کے خاندان سے تھے- انہوں نے امیر خسرو کا منتخب کلام مرتب کر کے مندرجہ صدر نام سے ۱۳۳۲ھ (۱۹۱۴ء) میں مطبع قیصریہ دہلی سے چھپوایا تھا- ''سکندر نامہ خسرو'' بھی پہلی مرتبہ وہیں اور اسی سال چھپا تھا- بہر حال اب یہ ایک نادر مجموعہ ہے، کیونکہ مل نہیں سکتا- اس میں خسرو کے قصائد بھی خاصے آ گئے ہیں- البتہ مرثیہ اس میں نہیں ہے یعنی خاں شہید کا مرثیہ- میرے پاس وہ ہے لیکن اب وہ کتاب نہیں مل سکی جس میں مرثیہ درج ہے-

۳- کتاب کے آخر میں جو اشعار آپ نے خسرو (۳) سے منسوب کر کے لکھے ہیں، معلوم نہیں ان کا انتساب درست ہے یا نہیں- فارسی والوں نے جو بے شمار صنعتیں ایجاد کی تھیں، ان میں سے ایک صنعت یہ بھی تھی کہ پہلے مصرعے سے بداہتہً مخاطب کی ہجو مترشح ہو یا پہلا مصرعہ فحش ہو، لیکن تیسرا مصرعہ پہلی تعبیر کو بالکل غلط ثابت کر دے یعنی وہ اعلیٰ درجے کی مدح ہو یا فحش سے بالکل پاک ہی نہیں بلکہ سراپا حسن و پاکیزگی ہو- یہ اشعار اسی صنعت میں لکھے گئے ہیں- اصلی کلام دیکھے بغیر فیصلہ کرنا مشکل ہے- اس میں کلام نہیں کہ امیر خسرو اس قسم کی صنعتیں بہ کثرت برتتے رہتے تھے- کتاب منگوا لیجیے-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

عزیز مکرم- آپ کے آدمی نے صحیح اطلاع نہ پہنچائی- میں نے کہا تھا کہ آپ آئیں گے تو تفصیل بتاؤں گا- میں نے خط لکھ لیا تھا اور اتوار کو انتظار کرتا رہا- کل بالکل یاد ہی نہ رہا- یہ بھی خیال تھا آپ ضرور آئیں گے- آپ کتاب منگوا لیں یا خود تشریف لائیں- اگر تاخیر ہوئی تو معافی چاہتا ہوں- ایک طرف نشتر صاحب (۴) کو لکھوا رہا ہوں، ساتھ یہ سطریں لکھ رہا ہوں کہ خط ان کے ہاتھ ڈاک میں پڑ جائے-

جو کچھ لکھوانا چاہیں سوال بھیجیں- اب مجھے بالکل یاد نہیں سوالات کیا تھے-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۷۹

۱- شعر ہے:

Marfat.com

ما را جگر ز رشک بصد پارہ در کنار

خونابہ شوی گریہ زار، کہ بودہ

شعر ہذا تلامیذ الرحمان یعنی دیوان امیر خسرو مطبع نولکشور ۱۹۱۰ء کی غزل نمبر ۹ - ۸ سے ماخوذ ہے۔

۲ - راقم کے کتب خانہ میں ایک دیوان تھا جس کے ابتدائی صفحات غائب تھے۔ اس کا نام معلوم کرنے کے لیے آپ کی خدمت میں بھیجا گیا تھا۔ آپ نے یہی معلومات دیوان کے سادہ ورق پر بھی تحریر فرما دیں۔

۳ - میں نے امیر خسرو سے منسوب ایک غزل ''روضۃ الزکیہ فی حقائق العلمیہ'' از سید الٰہی بخش نوشاہی سے دیوان نہایت الکمال کے آخر میں نقل کر رکھی تھی۔ یہ غزل جس کا مطلع ہے:

نگارا مرا دہ بوقت سحر

شرابے کہ باشم ازاں بے خبر

فارسی اور اُردو غزلیات کے ایک مجموعہ ''چمن بے نظیر'' مولفہ منشی محمد ابراہیم مطبع منشی نولکشور لکھنو ۱۹۲۷ء میں بھی موجود ہے۔

۴ - نشتر (عبدالحکیم) مرحوم۔ بہت سی خوبیوں کے مالک تھے وہ بیک وقت شاعر، ادیب، مصنف اور مترجم بھی تھے۔ ان کی پیدائش مردم خیز بستی جالندھر میں ہوئی اور اسی نسبت سے انہوں نے اپنے نام کے ساتھ جالندھری کا لاحقہ لگا رکھا تھا۔ نشتر کا تعلیمی دور بہت ممتاز رہا۔ کم سنی میں شاعری شروع کر دی تھی کیڈٹ کالج کوئٹہ میں کچھ عرصہ ٹیچر شپ کے فرائض بھی انجام دیے۔ بالآخر فیلڈ میں جانے سے انکار کے نتیجہ میں ملازمت سے استعفا دے دیا۔ اس کے بعد چندے ''وکیل'' امرتسر کے ایڈیٹر بھی رہے۔ بیسیوں کتابیں معمولی اُجرت پر لکھ کر دوسروں کے حوالے کر دیں جو ان اصحاب کے نام سے شائع ہوئیں۔ نشتر نے زندگی بھر فارغ البالی کا منہ نہ دیکھا۔ مثنوی مولانا روم کے چھٹے دفتر کا اُردو ترجمہ کیا۔ (سیماب اکبرآبادی پانچ دفتروں کا ترجمہ کر چکے تھے کہ جنوری ۱۹۵۱ء میں ان کی وفات کے سبب سے یہ ترجمہ نامکمل رہ گیا تھا) یہ مکمل ترجمہ فیروز الدین اینڈ سنز پبلشرز کی جانب سے ''الہامِ منظوم'' کے نام سے شائع ہوا۔ ''کشف المحجوب'' مصنفہ سید علی ہجویری ملقب بہ داتا گنج بخش لاہوری کا اُردو ترجمہ بھی کیا جو شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور نے ۱۹۶۶ء میں ''انوار القلوب'' کے نام سے شائع کیا۔ اُردو کا ایک ضخیم لغت ''قائد اللغات'' کے نام سے لکھا جس کی طبع دوم چاند اینڈ کمپنی اُردو بازار لاہور سے عمل میں آئی۔ ابوالقاسم رفیق دلاوری کے اشتراک سے رسول اللہ ﷺ کے اخلاقِ عظمیٰ پر ''شمائل کبریٰ'' لکھی جسے شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔ ان کی بعض دیگر تصانیف کے نام یہ ہیں۔ ''نشترِ ادب'' ''روحِ ادب'' ''شرح بال جبریل''

Marfat.com

وغیرہ - مرحوم ایک بلند پایہ شاعر بھی تھے - ابتداء میں نظم طباطبائی سے مشورہ سخن کیا - انہیں شاعری کی جملہ اصناف پر قدرت تامہ حاصل تھی - عمر کے آخری مراحل میں مولانا غلام رسول مہر کے ساتھ انگریزی کتابوں کے تراجم میں معاونت کی وہ اس طرح کہ مولانا کتاب سامنے رکھ کر بولتے جاتے اور نشتر لکھتے جاتے، موصوف کا انتقال ۲۲ - جون ۱۹۷۵ء کو ہوا - رحمہ اللہ

(۸۰)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۲۲ - مارچ ۱۹۶۲ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم - مجھے کشف المحجوب کے نسخوں کے بارے میں زیادہ علم نہیں - تصوف کی ایک قدیم کتاب ہے اور اس کے مطالب بالکل واضح ہیں - ان میں کوئی پیچیدگی نہیں یعنی میرے علم کی حد تک - بہت پرانا نسخہ دیکھ لیا تو اس سے علم میں کیا اضافہ ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ مجھے اس قسم کے تکلفات بالکل عجیب سے معلوم ہوتے ہیں -

ایک نسخہ مطبوعہ ترکستان (۱) میرے پاس ہے جس کا پڑھنا بھی خالی از تکلف نہیں کیونکہ رسم الخط ایسا ہے جسے پڑھنے کے ہم لوگ عادی نہیں - نولکشور کے چھپے ہوئے (۲) نسخے یقیناً جابجا غلط ہیں لیکن ان کی تصحیح مشکل نہیں - مثلاً فارسی کے بعض جملے یا بعض احادیث و اقوال - ورنہ میرے تصور کے مطابق یہ ایسی کتاب نہیں کہ دورِ حاضر میں علوم شرعی کا مدار اس پر ہو - ایک بزرگ داتا کی حق کے تبرک کی حیثیت میں وہ یقیناً قابل قدر ہے -

مولانا شفیع مرحوم (۳) سے کتابوں کی متعلق بہت مذاکرے ہوئے، لیکن میں نے کشف المحجوب کے بارے میں ان سے کبھی نہ پوچھا اور ان کی کوئی کتاب بھی دیکھنے کی بھی خواہش نہ کی، کیونکہ میں جانتا تھا، انھیں کتاب کی ذرا سی مفارقت بھی گوارا نہ تھی - میری کیفیت ان جیسی نہیں لیکن ہر شخص کو کتاب دے دینے پر میں بھی آمادہ نہیں ہوتا - زیادہ تر اس لیے کہ میری کتابیں اپنی ضرورت کے لیے ہیں جن سے رات دن کام پڑتا رہتا ہے - کون کہہ سکتا ہے کہ کل دفعتہً کس کی ضرورت پیش آ جائے گی؟ یہ عام الا بریری نہیں کہ لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں -

ایک مرتبہ مجھے عرفی (۴) کے بعض اشعار کی تصحیح منظور تھی - اشعار مولانا کو لکھ کر دیے اور

Marfat.com

انہوں نے اپنا نسخہ دیکھ کر تصحیح کر دی- یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ عرفی کے قصائد کے بارے میں جو رائے میں نے ظاہر کی تھی، وہی رائے قریب قریب انھیں کی تھی، حالانکہ میں سمجھتا تھا کہ انھیں شعر کا زیادہ ذوق نہیں-

دیکھیے تحقیق اور چھان بین بڑی ضروری چیز ہے- مگر اس کی بھی ایک حد ہے- ہمارے ایک دوست ہیں، مشہور اہل علم وقلم ہیں- ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا غالب کے متعلق جو کاغذات ریکارڈ آفس میں ہیں، انھیں دیکھنا چاہیے- میں نے عرض کیا دیکھا تھا کوئی چیز کام کی نہیں- پھر فرمایا کہ یہ دہلی والے واقعے یعنی افتتاح ریل والے قصیدے کے بارے میں مزید چھان بین کرو، میں نے عرض کیا کر لی، کوئی خاص بات نہیں نکلی- فرمایا اور کرو-

میں خاموش ہو گیا- ممکن ہے کوئی نکتہ اور بھی نکل آئے، مگر مقصود تو محض اتنا تھا کہ غالب کا قصیدہ میکلوڈ صاحب (۵) کی شان میں کب اور کیوں لکھا گیا- مولانا آزاد مرحوم ومغفور نے فرمایا تھا کہ وہ ۱۸۶۰ء کا ہے- میں نے انھیں لکھا تھا کہ ۱۸۶۵ء کا ہے- معلوم ہوا جنوری ۱۹۶۶ء کا ہے- یہ بحث ''نقش آزاد (۶)'' میں موجود ہے- بس اتنا کافی ہے- یہی عمل کشف المحجوب کے سلسلے میں میرا ہے- میں تو اتنا جانتا ہوں، یہ ایسی کتاب نہیں، جس پر علم دین کا مدار ہو، پھر کیوں زیادہ کاوش کی جائے؟ البتہ آپ کو پسند ہو تو ضرور کریں، اس پر اعتراض کی ضرورت نہیں اور اس پر بحث بھی فضول ہوگی-

مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کس چھاپے کی کشف المحجوب اچھی ہے اور کس چھاپے کی نہیں- آپ مولوی شمس الدین صاحب (۷) تاجر کتب لوہاری دروازہ (مسلم مسجد) سے پوچھیں گے تو وہ آپ کو بہت کچھ بتا دیں گے- ان کی معلومات بہت زیادہ ہیں- ترکستان والا نسخہ بھی میں نے انھیں سے خریدا تھا-

''اویماق'' (۸) کے لفظی معنی ترکی میں قوم اور قبیلہ کے ہیں- اس کی جمع ''اویماقات'' ہے- غیاث اللغات میں یہی مرقوم ہے لیکن میں نے اپنی کسی کتاب میں اس کی تفصیل بھی لکھی تھی- اب یاد نہیں آتا کہ کہاں غالباً ارغونوں کی بحث میں تھی- میری اس کتاب کا مسودہ کراچی میں ایک دوست کے پاس پڑا ہے- افسوس کہ ابھی تک اس کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی- میں دفتر سے اٹھوں گا تو تاریخ رشیدی میں دیکھوں گا- اگر مل گیا تو اس میں اضافہ کر دوں گا- ورنہ پھر کسی موقع پر لکھوں گا-

Marfat.com

مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت کیا ہے- بعد دوپہر جس روز چاہیں آ جائیں سوائے ہفتے کے کیونکہ میرا شہر سے واپس آنا مشتبہ رہتا ہے-

باقی خیریت- والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آج ایک صاحب دوپہر کو آئے- ایک مسودہ دکھایا- جس پر ایک مصرعہ مرقوم تھا- میں نے کہا کہ مصرعہ صحیح نہیں لکھا اور صحیح کر دیا- پھر پوچھا آپ نے یہ شبلی کی سیرۃ میں دیکھا ہوگا- بولے یاد نہیں- میں نے کہا میرے نزدیک یہ حزیں کا مصرعہ ہے- دیوان نکالا تو اس میں نکل آیا

زدائم پردہ بر گیر آتشے برجان دریا زن
ز چشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن (۹)

اس میں دو بڑے اچھے شعر ہیں-

حریف کاوش مژگان خونریزش نہ زاہد
بدست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن
زمرغان حرم درکام زاغاں طعمہ اندازد
مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۸۰

۱- میں نے ''کشف المحجوب'' کے فارسی متن کی بازار میں نایابی کا ذکر کیا تھا جس پر آپ نے نسخہ ترکستان کا حوالہ دیا- مگر اس میں آپ سے ذہول ہوا- یہ سمرقند سے مطبع نامی گرامی حرمت منہ سلیانوف سے ۱۳۳۰ھ میں چھپا تھا- ترکستان سے ''کشف المحجوب'' کا کوئی ایڈیشن راقم کی معلومات کی حد تک کبھی نہیں چھپا-

۲- میری معلومات کے مطابق نولکشور پریس سے ''کشف المحجوب'' کبھی شائع نہیں ہوئی-

۳- مجھے معلوم ہوا تھا کہ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع (م-۱۹۶۳ء- مشہور- کالر اور بہت سے اعزازی نشان یافتہ اُردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے مدیر خصوصی متعدد علمی و ادبی کتابوں کے مصنف و مرتب) کے کتب خانہ میں ''کشف المحجوب'' کا ایک قدیم خطی نسخہ موجود تھا جس کے متعلق پوچھنے پر آپ نے وضاحت فرما دی- البتہ ان کا یہ قلمی نسخہ ان کی رحلت کے بعد ان کے بیٹے احمد ربانی صاحب نے ۱۹۶۸ء میں چھاپ دیا تھا جس کے متعلق دعوی کیا گیا تھا کہ اسے حضرت

Marfat.com

بہاءالدین زکریاؒ نے اپنے دستِ اقدس سے نقل کیا مگر اس کا انتساب حضرت ملتانی سے تین وجوہات کی بناء پر محلِ نظر ہے:

ا- تاریخ ارقام ۶۴۴ھ دی ہے جبکہ حضرت بہاءالدین زکریا کا سنہ وصال ۶۶۱ھ ہے

ب- دستخط میں بہاؤالدین (واؤ) کے اضافہ کے ساتھ اور

ج- زکریا کو 'ذ' کے ساتھ تحریر کیا گیا ہے- اس وقت راقم کے کتب خانہ میں ''کشف المحجوب'' کا ایک بھی فارسی ایڈیشن نہ تھا لیکن اب بحمداللہ اس کے نو (۹) فارسی ایڈیشن موجود ہیں- بدیں اسباب اسے جعلی نسخہ ماننے میں کوئی امر مانع نہیں ہے-

۴- عرفی - نام محمد لقب جلال الدین اور وطن شیراز تھا، آغازِ شباب میں دکن (ہندوستان) میں آ گیا بعدازاں خانخاناں کی وساطت سے یہ عالی دماغ شاعر دربارِ اکبری سے منسلک ہو گیا- ابوالفضل اور فیضی کی طعن وتعریض کے سبب خاطر خواہ داد نہ پا سکا- طبیعت میں خودسری تھی کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا- شہزادہ جہانگیر سے اسے محبت تھی اس کی پاداش میں حاسدوں نے اسے زہر دلوا دیا جس سے اسے اسہال کا عارضہ لاحق ہو گیا اور اس عارضہ سے ۲۵ برس کی جوان عمر میں ۹۹۹ھ میں راہیِ ملکِ عدم ہوا، اور لاہور میں مدفون ہوا- اس کے پہلو میں کسی امیرزادے کا باپ دفن تھا- اس نے دھوکے میں اپنے باپ کی بجائے اس کی لاش نجفِ اشرف لے جا کر دفن کر دی- مرنے سے پیشتر اس نے پیش گوئی کی تھی کہ:

بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم
اگر بہند ہلاکم کنی دگر بہ تتار

ترجمہ: از ملک الشعرا آغا شاعر قزلباش:

پلک جھپکتے ہی مرقد سے میں نجف پہنچوں
ہلاک ہند میں مجھ کو کریں وہ یا تاتار

راقم کے کتب خانہ میں دیوان عرفی ایرانی نسخہ کے علاوہ مطبع منشی نولکشور کا ۱۹۱۵ء کا مطبوعہ ایڈیشن بھی ہے جو بہت غلط سلط چھپا ہے البتہ اس لحاظ سے نہایت اہم اور قابلِ ذکر ہے کہ اس کی تصحیح دو فاضل اجل معاصرین کی رہینِ منت ہے ایک مولانا غلام رسول مہر (م-۱۹۷۱ء) اور دوسرے استاد محترم چودھری جلال الدین اکبر (م-۱۹۸۸ء)

۵- سر ڈانلڈ میکلوڈ - ۱۸۶۵ء-۱۸۷۱ء، پنجاب کا لیفٹیننٹ گورنر رہا- پنجاب یونیورسٹی اس کے عہد میں قائم ہوئی تھی- میرزا غالب سے اس کے دوستانہ مراسم تھے- ۱۸۶۶ء میں دہلی ریل کا افتتاح کیا- اس موقع پر دربار میں غالب کو نشست نہ ملی جس کا انہیں بہت رنج ہوا- اسی احساس کے تحت یہ قصیدہ

Marfat.com

گورنر کی خدمت میں بھیجا گیا جس کا مطلع ہے:

کرتا ہے چرخ روز بہ صد گونہ احترام
فرماں روائے کشورِ پنجاب کو سلام

۶- ''نقشِ آزاد'' میں مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کے وہ مکاتیب شامل ہیں جو مولانا غلام رسول مہر کے نام لکھے گئے (ان مکاتیب کی تعداد ۱۸۱ ہے) اس کے علاوہ بعض متفرق تحریریں و مکاتیب بھی شامل کیے گئے ہیں- یہ مجموعہ کتاب منزل لاہور (شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور) کی جانب سے ۱۹۵۸ء میں اشاعت پذیر ہوا-

۷- مولوی شمس الدین (م-۶۸-۱-۱۱) لاہور میں نادر کتب کے مشہور تاجر تھے اور ان کی دکان مسلم مسجد (چوک لوہاری لاہور) کے نیچے تھی- انھیں اس پیشہ کے ساتھ تصوف اور علوم اسلامیہ سے بھی عشق کی حد تک لگاؤ تھا- اس پیشہ کی بدولت انہوں نے احباب کا ایک وسیع حلقہ پیدا کر لیا تھا- اہل علم و فضل کا ان کی دکان پر جمگھٹا لگا رہتا- ان کی دکان بقول جناب حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری صرف ایک تاجر کی دکان نہیں تھی بلکہ ایک علم دوست فقیر کی بارگاہ تھی جس سے کوئی دانش ور و دانش جو ناکام واپس نہیں جاتا تھا- انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانہ میں نہایت نادر و نایاب کتابیں (قلمی و مطبوعہ) جمع کر رکھی تھیں- ملک اور بیرون ملک سے ریسرچ سکالرز ان سے استفادہ و استفاضہ کرتے- انہیں مخطوطات اور مختلف خطوں کے بارے میں بڑی معلومات حاصل تھیں- ان کے کتب خانہ کے بعض نوادرات پر عبدالعلیم چشتی صاحب نے ایک سیر حاصل مضمون لکھا تھا جو ''الزبیر'' بہاولپور کے کتب خانہ نمبر میں شامل ہوا-

۸- ''اویماق''- میں نے مولانا کے کتب خانے میں ایک نہایت عجیب و غریب کتاب ''اویماقِ مغل'' از میرزا احمد عبدالقادر خاں مطبع روز بازار امرتسر ۱۳۱۹ھ دیکھی تھی- اسی سلسلے میں اویماق کا معنی دریافت کیا تھا کیونکہ یہ لفظ عام کتب لغت میں موجود نہیں-

۹- شبلی نعمانی نے سیرۃ النبی ﷺ جلد اول کے سرنامہ میں یہ مصرعہ اس طرح استعمال کیا ہے-
''ایک گدائے بےنوا شہنشاہِ کونین کے دربار میں اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے-''
''زچشم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن''
اس سے بہتر اس مصرعہ کا استعمال شبلی کے علاوہ کس نے کیا ہوگا!

Marfat.com

(۸۱)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۳۱-مارچ ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- تعجب ہے کہ شعر صحیح پڑھنے میں تکلف ہوا- وہ لفظ نہ ''کشتہ'' (۱) ہے اور نہ ''خنجر'' - اصل لفظ ''نشتر'' ہے اور ''رگِ جاں'' سے بالکل واضح تھا کہ خنجر ہو ہی نہیں سکتا- خنجر کو رگ سے کیا تعلق؟ لفظ رگ صرف نشتر کا متقاضی تھا یعنی ن، ش، ت، ر-

بدست آور رگ جانے و نشتر را تماشا کن

اگر نول کشور نے کشف المحجوب نہ چھاپی ہو تو لاہور والوں نے چھاپی ہوگی- بہ ہر حال ہندوستان کے چھپے ہوئے میں نے ایک سے زیادہ نسخے دیکھے- مگر بے حد غلط نیز کاغذ اور چھپائی بہت رنج افزا- مگر ایک خاص حلقے میں اس کتاب کی مانگ تھی اور وہ لوگ کتاب کے ظاہری حسن و خوبی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے- لہٰذا چھپتی رہی، میرے پاس ایک نسخہ یہاں کا ہے اور ایک وہی جو مولوی شمس الدین صاحب نے میرے لیے مہیا کیا تھا- اگر اب کے آپ مولوی صاحب کی طرف جائیں تو ان سے عرض کیجیے کہ مہربانی فرما کر میرے لیے ''انفاس العارفین'' (۲) شاہ ولی اللہ کا ایک نسخہ فراہم کر دیں- جتنے پیسے وہ فرمائیں میں پیش کر دوں گا، میں نے بارہا قصد کیا، لیکن راستے میں اتنا وقت صرف ہو جاتا ہے کہ مولوی صاحب کی دکان تک پہنچنے کی فرصت ہی نہیں ملتی-

جس عبارت کو آپ نے کسی کے قول (۳) کی بناء پر حدیث لکھا ہے، وہ بداہتہً حدیث نہیں ہو سکتی- جیسا کہ خود آپ نے استدلالاً واضح کر دیا- اس قسم کی لغویات صوفیہ نے خدا جانے کس تعداد میں تیار کر دیں؟ میں نے ابھی لکھتے لکھتے حدیث کی کتابوں میں اس کے متعلق دیکھنا چاہا- ملا علی قاری (۴) کی ''موضوعات کبیر'' سامنے آ گئی- اس میں صاف مرقوم ہے کہ یہ کسی کا قول ہے، پھر اس کی مختلف تعبیرات لفظی تغیرات کے ساتھ پیش کر کے اسے ضعیف بلکہ موضوع قرار دیا ہے- میرا خیال ہے کہ ایسی احادیث کا بڑا ذخیرہ امام غزالی کی احیاء العلوم (۵) میں ہے- وہیں سے ہر جگہ نقل ہوا لیکن امام غزالی کے بارے میں سب نے لکھا ہے کہ حدیث کے سلسلے میں ان کی روایت قابلِ اعتماد نہیں، وہ عموماً موضوعات لکھتے جاتے ہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ فن

Marfat.com

حدیث کا معاملہ نازک ہے، جب تک اس میں وقت صرف نہ کیا جائے یہ آتا نہیں، دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ داعیان اصلاح اخلاق عموماً اس قسم کے اقوال بہ طور حدیث نقل کرتے رہے اور سمجھتے رہے کہ اس طرح اصلاح کو فائدہ پہنچے گا لیکن ایک نیک مقصد کے لیے بالکل باطل یا محل نظر طریقہ اختیار کرنا ہرگز مناسب نہیں، خواہ کوئی اختیار کرے- یہی وہ مقام ہے جہاں اہل حدیث خصوصاً ابن تیمیہؒ اور ان کے ہم مشربوں کے مقام و مرتبہ کی بلندی کا صحیح اندازہ ہوسکتا ہے-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- آپ کی کتاب بہ دستور میرے پاس موجود ہے-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

دیکھیے اسلام نے خدا اور بندے کے درمیان کوئی واسطہ باقی نہیں رکھا- صرف ایک واسطہ طبعاً رہ گیا اور ہمیشہ رہے گا یعنی رسول اللہ ﷺ کا واسطہ وہ اس لیے کہ اس پاک ذات کے بغیر بندہ جان ہی نہیں سکتا اللہ کی رضا کیا ہے؟ یہ ناگزیر تھا- باقی رہے پروہت پادری، مشائخ وغیرہ ان سب کی حیثیت ایک ہے اصطلاحیں مختلف ہیں-

میری ایک بیماری یہ ہے کہ ہمیشہ کتاب پڑھی، یہ کبھی نہ دیکھا کہ کہاں چھپی اور کس نے چھاپی-

میری ''انفاس العافین'' نہیں ملتی اور ضرورت پڑتی ہے تو پریشان ہوتا ہوں-

حواشی خط نمبر ۸۱

۱- مولانا نے گزشتہ گرامی نامہ کا خاتمہ حزیں کے اشعار پر کیا تھا ان میں ایک لفظ پڑھنے میں مجھ سے ذہول ہوا- یہ وضاحت اسی سلسلہ میں کی گئی-

۲- ''انفاس العارفین'' یہ کتاب سات رسائل پر مشتمل ہے پہلے رسالہ موسوم بہ ''بوارق الولایت'' میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے والد شاہ عبدالرحیمؒ اور آخر میں رسالہ موسوم بہ ''الجزء اللطیف فی ترجمتہ العبد الضعیف'' شاہ صاحب کی خودنوشت سوانح حیات پر مشتمل ہے- یہ کتاب شاہ صاحب کے ننھیال اور ددھیال کے بزرگوں کے حالات، معمولات، اعتقادات وکرامات وغیرہ کا خزینہ ہے- اور بقول مولانا عبیداللہ سندھی یہ کتاب شاہ ولی اللہؒ کے فلسفہ اور تصوف کی روح ہے''- کتاب فارسی زبان میں ہے- میرے پیش نظر جو نسخہ ہے یہ مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۳۵ھ میں شائع ہوا- اس کا اُردو

Marfat.com

ترجمہ پہلی بار ''المعارف'' گنج بخش روڈ لاہور سے ۱۳۹۴ھ میں شائع ہوا جس کے مترجم سید محمد فاروق القادری ہیں- جب کہ ایک دوسرا ترجمہ نوری بک ڈپو لاہور سے ۱۹۷۷ء میں شائع ہوا- اس کے مترجم حکیم محمد اصغر اطہر فاروقی ہیں-

۳- یہ تصریح اس قول یا حدیث کے متعلق ہے: **الشیخ فی قومه کا لنبی فی امة ومن لا شیخ له، فشیخه الشیطان-**

۴- امام ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) کی شخصیت محتاج تعارف نہیں- احادیث کی پرکھ اور جرح وتعدیل میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا- آپ نے ''موضوعات کبیر'' میں موضوع احادیث کو جمع کر کے اُمت مرحومہ پر احسان عظیم کیا ہے- اس کی افادیت کے حوالہ سے محدثین کرام اس سے صرف نظر نہیں کر سکتے- کتاب عربی زبان میں ہے جس کا اُردو ترجمہ مولانا حبیب الرحمان صدیقی کاندھلوی نے کیا اور قرآن محل کراچی سے مع متن عربی شائع ہوا- اس کتاب میں احادیث کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے-

۵- حجتہ الاسلام ابو حامد الملقب بہ امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) کی تصانیف کی تعداد سیکڑوں تک پہنچتی ہے جن میں سے ''احیاء علوم الدین'' کو خاصی شہرت نصیب ہوئی- امام غزالی کی اور تصانیف نہ بھی ہوتیں تو ان کے نام کو زندہ رکھنے کے لیے یہی تصنیف کافی تھی- اس کتاب کے متعلق ایک بزرگ ابو محمد گازرونی کا دعویٰ تھا کہ ''اگر دنیا میں تمام علوم مٹا دیے جائیں تو ''احیاء العلوم'' سے سب کو زندہ کر دوں گا''- کتاب کا اُردو ترجمہ ''مذاق العارفین'' کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں مولانا محمد احسن نانوتوی صدیقیؒ نے کیا جو مطبع منشی نولکشور سے ۱۲۸۲ھ میں چھپا- کتاب کی ایک تلخیص ''تہذیب احیاء علوم الدین'' کے نام سے عبدالسلام ہارون نے کی جو دار سعد مصر للطباعتہ والنشر قاہرہ سے ۱۲۷۹ھ میں شائع ہوئی- اس ملخص کا اُردو ترجمہ نذیر حسین نے کیا جسے شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے ۱۹۷۰ء میں شائع کیا-

(۸۲)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیزی- میں نزلے کا مریض ہوں- کچھ لکھنے کو جی نہیں چاہتا، ہمت بھی نہیں- اس لیے یہ سطریں گھسیٹ رہا ہوں کہ آپ دور بیٹھے ہیں، شاید سمجھیں کہ میں نے تساہل سے کام لیا-

Marfat.com

مستان شاہ کابلی (۱) ایک صوفی تھے، جو مولوی محرم علی چشتی مرحوم (۲) کے مرشد تھے اور بعد میں چشتی صاحب نے مرشد کی صاحبزادی سے شادی کر لی تھی۔

احمد اور احد میں میم کا پردہ اور اس قسم کی تمام چیزیں سراسر بے اصل ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے اس مقامِ مقدس کے بالکل منافی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عطا فرمایا تھا۔ یہ عبدیت کا مقام تھا، لیکن کامل عبدیت کا جو حضور ﷺ کے سوا کسی دوسرے انسان کو نصیب نہ ہوا، ہم اسی کی پیروی پر مامور ہیں، شعرا نے یا صوفیہ نے خواہ مخواہ نکتہ نوازیاں کرتے ہوئے خدا جانے کیا کچھ کہہ دیا ہے، اس پر ہرگز توجہ نہ کیجیے اور ایسی ہر شے کو بے تکلف رد کر دیجیے۔ یہ میری رائے ہے اور میری رائے حقائق پر مبنی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اس پر گفتگو آمنے سامنے بیٹھ کر ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو بہ خیریت لائے۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۸۲

۱۔ آپ کا دیوان موسوم بہ ''آتش کدہ وحدت'' آپ کے مرید محرم علی چشتی کی ترتیب سے مطبع مفید عام لاہور سے ۱۳۱۵ھ میں شائع ہوا۔ یہ جواب مستان شاہ کے اس شعر سے متعلق تھا۔

حد را مرکزے از میم دارد
شدہ احمد عیاں در ملک بطحی

۲۔ محرم علی چشتی م ۔ ۱۹۲۱-۱-۲۰ مولوی احمد بخش یکدل (م ۱۹۲۷ء) کے چھوٹے بیٹے تھے۔ میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ وکالت کی سند ۱۹۱۲ء میں حاصل کی، انگریزی پر خاصا عبور تھا۔ زندگی کی ابتدا اخبار نویسی سے کی۔ رفیق ہند کے نام سے ۱۸۸۴ء میں اخبار جاری کیا۔ اخبار نویسی کے بعد پورا وقت وکالت میں گزرا۔ انہوں نے لاکھوں کمائے لیکن مکان تک نہ بنوایا۔ رات کو جیب خالی کر کے سوتے تھے دسترخوان وسیع تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں مشق سخن بھی کرتے تھے۔ خواجہ مستان شاہ کابلی کے مرید تھے ''ارمغان چشتی'' کے نام سے اپنا کلام وقفوں وقفوں سے پمفلٹ کی صورت میں بالاقساط شائع کرتے رہے۔ محرم علی چشتی کی ... کتابت بھی مطبع خادم التعلیم لاہور سے ۱۸۹۳ء میں چھپی۔

Marfat.com

(۸۳)

۲۸-اپریل۱۹۶۴ء

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- ابھی خط ملا- میں اُٹھ رہا تھا اور یہ سطریں جلدی میں لکھ رہا ہوں-(۱)

I-اس شخص کا نام عبدالرؤف تھا- وہ سندھ کے فرمانرواؤں کے اس خاندان کا میر منشی تھا، جو ۱۷۰۱ء-۱۷۸۳ء تک سندھ پر حکمران رہا- لیکن اس کی کوئی چیز آج تک شائع نہیں ہوئی- میں نے بعض قلمی مجموعے دیکھے تھے-

II-سید صاحب راج دواری میں کچھ مدت ٹھہرے تھے، جو درہ سندھیاڑ میں ہے اور در بند سے خاصی دور ہے-

III-اقبالؒ و گرامی کا واقعہ آپ کو مکاتیب اقبال میں مل جائے گا- یہ اقبالؒ کے ان خطوط کا مجموعہ ہے جو خان نیاز الدین احمد خاں کو لکھے گئے تھے اور مجلس اقبال نے شائع کر دیے ہیں-

IV- غالب کا شعر ہے:

ہفت دوزخ درنہاد شرمساری مضمراست
انتقام است ایں کہ با مجرم مدارا کردہ

V- میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ دیوان چھپ نہیں رہا- البتہ یہ ضرور کہا کہ پبلشر دیوان الگ نہیں بلکہ مع شرح چھاپنا چاہتے ہیں- شرح ہو چکی ہے اور اب اس کی کتابت کا انتظام کیا جا رہا ہے- میرے پاس نہ شرح ہے اور نہ متن- سب کچھ پبلشر کے پاس ہے- آپ ملک رب نواز سے تفصیل معلوم کر سکتے ہیں-

ترجمے (اُردو ترجمہ منتخب التواریخ) میں مرثیہ (۲) کون چھاپتا؟ آپ کسی وقت اس کی نقل لے لیجیے- میرے نزدیک تو خسرو کے کسی دیوان میں یہ چھپ بھی گیا ہے- مگر اب یاد نہیں آتا کہ کس میں اور مجھے یاد ہے کہ مرثیے والا دیوان میرے پاس ہے، مگر کتابیں بکھر گئی ہیں- فرصت ملے تو اکٹھی کروں- کئی کتابوں کی مجھے اشد ضرورت ہے، مگر نہیں ملتیں مجبوریاں واضح ہیں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

Marfat.com

دعاگو

مہر

حواشی خط نمبر ۸۳

۱- میرا عریضہ مندرجہ ذیل استفسارات پر مشتمل تھا جس کا مولانا نے شق وار جواب مرحمت فرمایا۔ یہ سوالات اس نہج پر کیے گئے جس نہج پر طارق عزیز شو (سابقہ نیلام گھر) میں کیے جاتے ہیں۔ سوالات اور ان کے جوابات پر مولانا کے علم و فضل، ان کی وسعت مطالعہ اور ذہنی استحضار کا اندازہ ہوتا ہے۔ اب کہاں دنیا میں ایسی ہستیاں۔

I- اورنگ زیب عالمگیر کے اسلوب نگارش کے تتبع میں جس شخص نے کامیاب کوشش کی اس کا نام کیا ہے؟

II- دربند سے آگے کونسا مقام ہے جہاں سید احمد شہید نے قیام کیا۔

III- اقبال اور گرامی والا واقعہ متعلق:

عصیانِ ما و رحمتِ پروردگارِ ما
ایں را نہایتے است نہ آں را نہایتے ست

IV- غالب کا شعر جس میں اپنی بے پرسش بخشش کی خفت کو سات دوزخوں کے عذاب سے زیادہ دردناک بیان کیا گیا ہے۔

V- دیوان غالب کے متعلق استفسار جو بعد میں مع شرح ''نوائے سروش'' کے نام سے ۱۹۶۹ء میں شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے چھاپا۔

۲- مذکورہ مرثیہ کا مطلع ہے:

واقعہ است ایں یا بلا از آسماں آمد پدید
آفت است ایں یا قیامت در جہاں آمد پدید

اور یہ دیوان غرۃ الکمال از خسرو میں شامل ہے۔

(۸۴)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- میں کم وبیش ایک ہفتے سے بیمار ہوں-لیکن ایسی بیماری نہیں جو پابند بستر بنائے رکھے- مثلاً بخار ہوا- ایک سو اور ایک سو ایک کے درمیان رہا-تھوڑی دیر لیٹا- طبیعت گھبرائی اور اُٹھ کر باہر بیٹھ گیا- پھر اندر جالیٹا- چند روز واقعی پابند بستر بھی رہا- اب بھی کلیتہً اور کاملاً صحت یاب نہیں- ابھی بعض بنیادی امراض تکلیف افزا ہیں- تاہم بیٹھا ہوں کہ سوائے کسی مشغولیت کے وقت نہیں کٹتا- لیٹ کر محض سوچتا رہوں مگر کب تک؟ مولانا آزادؒ نے درست فرمایا تھا کہ زندگی بغیر لگن کے کٹ نہیں سکتی-

سمجھ میں نہ آیا کہ ''روزگار فقیر'' (۱) نے کون سی مدلل ومعقول بحث فرمائی ہے؟ مشہور تھا کہ حضرت علامہ مرحوم کی ولادت ۱۸۷۷ء میں ہوئی -مگر حضرت کے بھائی شیخ عطا محمد نے بلدیہ سیالکوٹ کے پرانے کاغذات نکلوا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ ولادت فروری ۱۸۷۳ء میں ہوئی - پھر حضرت نے ۱۸۹۳ء میں میٹرک کا امتحان دیا- اس وقت عمر بیس سال کی تھی- اس لیے کہ حضرت نے خاصے بڑے ہوکر باقاعدہ تعلیم شروع کی تھی، پہلے کسی مکتب میں قرآن مجید پڑھتے رہے تھے- والد ماجد کا خیال تھا کہ انھیں زیادہ پڑھائیں نہیں- اپنے کام میں لگالیں- وہ عورتوں کے برقعوں کے لیے ٹوپیاں بنایا کرتے تھے اور اس میں بڑا کمال پیدا کرلیا تھا کئی آدمی ان کے پاس کام کرتے تھے- شیخ نور محمد کلاہ دوز مشہور تھے-

''روزگار فقیر'' میں نے ایک مرتبہ سرسری نظر سے دیکھی تھی- اس میں تو کئی جگہ مجھے غلطیاں نظر آئیں- ایک اب تک حافظے میں تازہ ہے- مثلاً ۱۹۳۱ء میں حضرت علامہ کو ہسپانیہ پہنچایا گیا، حالانکہ اس سفر میں میرا ان کا ساتھ تھا- میں ہسپانیہ جانا چاہتا تھا مگر ان کے ارشاد پر اپنا قصد چھوڑ کر رومہ ساتھ آیا اور وہاں سے ہندوستان پہنچے- البتہ ۱۹۳۲ء کے سفر میں وہ ہسپانیہ گئے اور اس سفر کی تفصیلات سے صاحب روزگار فقیر بالکل بے خبر ہیں- اس میں شبہ نہیں کہ ''ذکر اقبال'' میں بھی بعض غلطیاں ہیں، جن میں سے چند کی تصحیح خود سالک مرحوم نے کرلی تھی-

مجھے کچھ معلوم نہیں کہ اقبال کے متعلق کون کون سی کتابیں نکلیں (۲) صرف اتنا جانتا ہوں کہ ان کے سوانح حیات پر اب تک جو کچھ نکلا وہ یا تو غلط تھا یا ناقص-مکمل اور صحیح چیز اب تک کوئی نہ لکھ سکا- ظاہر ہے کہ بے خبر آدمی کسی کی رہنمائی کیا کرے گا؟ ''علامہ اقبال کے آخری دو سال'' سراسر ایک بناوٹی چیز ہے اور جن اسباب کی بناء پر وہ لکھی گئی، انہیں سے اس کی حقیقت

Marfat.com

آشکارا ہو جاتی ہے۔

ان کے خطبات یا مقالات یا دونوں غالباً چھپ چکے ہیں، مگر یقین رکھیں کہ ان کی نثر میں اس کے سوا کوئی خوبی نہیں کہ اچھا خیال مل جائے گا۔ ''مخزن'' میں ان کی بعض نثری چیزیں چھپی تھیں۔ مثلاً اہل پنجاب کی اُردو پر یو پی والوں کے اعتراضات کا جواب، یا اقتصادیات پر ان کی کتاب کے بعض ابواب۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی کے ایماء پر ابتدائی طبقے کے طلبہ کے لیے لکھی گئی تھی۔ مکرر نسخے مجھے یاد نہیں آپ کو یاد ہوں تو مجھے فرما دیں۔

طبیعت کا حال بالتفصیل لکھ چکا ہوں، ایبٹ آباد جانے کا قصد ہے۔ مکان کا انتظام ہو گیا ہے۔ مجھے ابھی تامل ہے۔ بہتر انتظام کا طلب گار ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۸۴

۱۔ روزگار فقیر (جلد اول) سید وحید الدین (م ۱۹۶۸ء) مطبوعہ لائن آرٹ پریس لاہور ۱۹۶۳ء میں علامہ اقبال کی تاریخ ولادت پر بحث کی گئی ہے اور ثابت کیا درست تاریخ پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ء بروز جمعہ ہے۔ اقبال کی تاریخ پیدائش ایک متنازعہ مسئلہ بنی رہی ہے۔ جس پر متعدد اہل قلم نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے روشنی ڈالی ہے۔ اس سلسلے میں علامہ کا سال ولادت ۱۸۷۰ء یا ۱۸۷۲ء یا ۱۸۷۳ء یا ۱۸۷۵ء یا ۱۸۷۶ء یا ۱۸۷۷ء بیان کیا جاتا ہے۔ ڈاکٹر سر اکبر حیدری کشمیری نے ان تمام سنین پر اپنے ایک مضمون ''علامہ اقبال کی صحیح تاریخ پیدائش'' مطبوعہ ''نقوش'' لاہور اقبال نمبر (۲) دسمبر ۱۹۷۷ء میں تفصیلی بحث کی ہے۔ اور ۲۹ دسمبر ۱۸۷۳ء کی تاریخ کو درست قرار دیا ہے اور اس تاریخ پر ڈاکٹر وحید قریشی، مولانا غلام رسول مہر اور بعض اور محققین کا اتفاق ہے۔ اسی تاریخ کی بنیاد پر علامہ اقبال کا جشن صد سالہ منانے کا اہتمام کیا گیا۔ مگر بعد میں حکومت پاکستان نے علامہ اقبال کے ڈاکٹریٹ کے مقالے میں دیے گئے سال پیدائش کو مستند گردانتے ہوئے علامہ کی تاریخ پیدائش ۹ نومبر ۱۸۷۷ء کو درست قرار دے دیا اور اسی کے مطابق علامہ کے جشن صد سالہ کی تقریبات کا انعقاد پاکستان بھر میں کیا گیا۔ اخبارات و رسائل نے خصوصی ضمیمے اور نمبر شائع کیے۔ اب اس تاریخ کو ملک بھر میں سرکاری طور پر عام تعطیل ہوتی ہے۔

Marfat.com

۲- علامہ اقبال پر لکھی گئی سوانح عمریوں اور اس کے ساتھ ہی علامہ کی نثری تخلیقات کے متعلق دریافت کیا تھا- یہ اس کا جواب ہے-اس سلسلے میں مجلس ترقی ادب لاہور نے مجلس کے مجلہ صحیفہ کے اقبال نمبر کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب دسمبر ۱۹۷۳ء میں شائع کیں-

I- اقبال معاصرین کی نظر میں مرتبہ پروفیسر وقار عظیم-

II- شذرات فکر اقبال از جسٹس جاوید اقبال، ترجمہ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی-

III- اقبال اور عبدالحق از ڈاکٹر ممتاز حسن-

IV- اقبال کا تصور زمان و مکان از ڈاکٹر رضی الدین صدیقی-

(۸۵)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- آپ خود غور فرمائیں کہ جو طریق استدلال آپ نے پسند فرمایا اس کے بعد میرے لیے گنجائش گفتار ہی کیا رہ جاتی ہے؟

I- ''روزگار فقیر'' کا کوئی ثبوت میرے سامنے نہیں کہ اس کی اچھائی یا برائی، درست یا نادرستی کے بارے میں کچھ کہہ سکوں-(۱)

II- میں نے خود حضرت علامہ کے بارے میں سیالکوٹ جا کر اکثر لوگوں سے مختلف حالات پوچھے تھے، مولانا سید میر حسن مرحوم کے صاحبزادے حضرت علامہ کے تمام حالات سے آگاہ تھے، انہوں نے جو کچھ بتایا، وہی تھا، جو میں نے عرض کیا- ۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کی تاریخ حضرت کے بڑے بھائی شیخ عطا محمد مرحوم نے بلدیہ سیالکوٹ کے کاغذات سے نکال کر پیش کی تھی اور یہ حضرت علامہ کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے- شیخ صاحب کی تحریر ''انقلاب'' میں چھپ گئی تھی-

III- اس میں کلام نہیں کہ حضرت علامہ نے بڑی عمر میں تعلیم شروع کی تھی کیونکہ ابتداء میں ان کے والد ماجد انہیں صرف قرآن مجید اور دینیات پڑھانا چاہتے تھے-

Marfat.com

-۱۷ میں حضرت علامہ کے کسی بھائی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا جس کا انتقال بچپن میں ہو گیا تھا۔ (نظر ثانی کے وقت اضافہ کیا: یہ وہ بچہ تھا جو ۴ فروری ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوا اور علامہ کے والد نے اپنی بھاوج کو دے دیا تھا اس کا انتقال ہو گیا تھا۔)

-۷ ''روزگار فقیر'' کی بعض اور روایات میرے نزدیک صحیح نہیں، اس لیے اس روایت کے بارے میں کبھی کوئی چھان بین کرنے کی ضرورت میں نے محسوس نہیں کی۔

-۷۱ ہر چیز جو چھپ جائے ضروری نہیں کہ اسے درست مان کر چھان بین شروع کی جائے، یہ بھی ممکن ہے کہ اسے محل نظر قرار دے کر تحقیق کا دامن تھاما جائے۔

پروفیسر حمید احمد خاں (۲) حضرت علامہ سے غالباً اس زمانے میں ملے جب ان کی ایک آنکھ میں سفیدی آ رہی تھی اور آخری دور میں اس آنکھ کی نظر بند ہو گئی تھی بلکہ دوسری آنکھ بھی کمزور ہو گئی تھی۔ صحت کی خرابی کے باعث وہ آپریشن کرا نہیں سکتے تھے۔ لیکن یہ صحیح نہیں کہ ان کی ایک آنکھ کی نظر شروع سے ختم تھی۔ میں نے ان سے پہلی ملاقات ۱۹۲۲ء کے اواخر یا ۱۹۲۳ء کے شروع میں کی تھی اور گھنٹوں ان کی پاس بیٹھا باتیں کرتا رہتا تھا کبھی وہ کیفیت نہ دیکھی، جس کا ذکر حمید احمد خاں صاحب نے کیا ہے۔

مصیبت یہ ہے کہ مختلف اصحاب اپنی دیکھی ہوئی حالت کو صرف حال و مستقبل تک محدود نہیں رکھتے بلکہ ماضی پر بھی حاوی کر دیتے ہیں۔ حضرت کی ایک آنکھ کی نظر کمزور ضرور تھی۔ اس لیے پڑھتے وقت عینک لگا لیتے تھے۔ کاملاً بندش نظر کا معاملہ میرے علم سے باہر ہے۔

ایبٹ آباد میں مکان لے لیا، لیکن میری صحت ایسی بگڑی ہے کہ اطمینان سے روانگی کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ نیز پچھلے دنوں موسم کی جو حالت رہی وہ محتاج بیان نہیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں اندر جا رہا ہوں کہ کھانا کھا کر لیٹ جاؤں۔ عجلت میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔

مہر

حواشی خط نمبر ۸۵

-۱ جیسا کہ گزشتہ مکتوب مہر سے واضح ہے کہ آپ علامہ کی تاریخ ولادت فروری ۱۸۷۳ء کو ترجیح دیتے ہیں جس پر میں نے ۱۸۷۷ء پر اصرار کیا اور مصنف روزگار فقیر کے دلائل کو محکم بتایا تھا۔

-۲ ماہنامہ اُردو ڈائجسٹ لاہور اپریل ۱۹۶۴ء کے شمارہ میں ایک فیچر بعنوان ''زندہ اقبال'' شائع ہوا

Marfat.com

تھا جس میں پروفیسر حمید احمد خان (م ۱۹۷۴ء) نے تحریر فرمایا کہ گفتگو کرتے وقت اُن کی صرف دائیں آنکھ کھلی رہتی تھی دوسری آنکھ کو نادانستہ طور پر ذرا بند کیے رہتے تھے دراصل ان کی آنکھ بینائی سے بالکل محروم تھی- چونکہ یہ بات پہلی مرتبہ میرے علم میں آئی تھی میں نے جھٹ مولانا کی طرف رجوع کیا-

(۸۶)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۹ر جون ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، میں پابہ رکاب ہوں- دو تین روز میں یا حداتوار تک چلا جاؤں گا اور طبیعت گوناگوں مشغلوں میں الجھی ہوئی ہے- میرے پاس نہ ضربِ کلیم ہے اور نہ شرح ضرب کلیم، جواب کیا دوں؟

پہلی رباعی (۱) میں کوئی پیچیدگی نہیں- آزاد طبیعتیں ایک جگہ جم کر نہیں بیٹھتیں ترقی کے منازل میں بڑھتی چلی جاتی ہیں- ہر طبیعت کو نسیم کی طرح ہوائے سیر پیدا کرنی چاہیے، حضرت موسیٰؑ نے ایک ضرب سے عام روایت کے مطابق بارہ چشمے پیدا کر لیے تھے- اقبال فرماتے ہیں کہ ''ضربِ کلیم'' انسان کے پاس ہو تو جو پتھر راستے میں رکاوٹ بن کر آئے اس پر ضرب لگانے سے ہزار چشمے پھوٹ نکلیں یعنی وہ بھی مزاحم سفر ہونے کے بجائے موید سفر بن جائے-

نظیری کہتا ہے:

بہ ہر مقام کہ خواہند خامشت پابند
ہوائے اوج دگر کن ازاں مقام و مترس

اس میں آپ کو کیا کلام ہے کہ ہر قوم کی زندگی نصب العین کے مطابق ڈھلے گی، اگر ایک قوم صرف روپیہ دولت، ثروت، موٹریں عیاشی اور اوباشی کو نصب العین بنائے بیٹھی ہے تو اس سے کوئی بھی شایاں کام بن نہیں آسکتا ہے- جس قوم کا نصب العین توحید اور حق پرستی اور مقاصد اسلام کے مطابق اصلاحِ خلق عالم ہو وہ اپنے تمام اعمال و افعال انھیں مقاصد کے مطابق رکھے

Marfat.com

گی۔ دوسرا مصرعہ پیشِ نظر نہیں۔

سید زادہ صاحب (۲) ''بخاری'' تھے۔ یعنی سید احمد شاہ بخاری جو ''پطرس'' کے نام سے شہور ہوئے (مرحوم و مغفور)۔ بخاری مرحوم نے یہ واقعہ خود سالک مرحوم کو سنایا تھا۔ انہوں نے یہ ذکر مجھ سے کیا۔ مقصود نام کا اظہار نہ تھا ایک اصول کی وضاحت مطلوب تھی۔ یہ مدعا اظہار نام کے بغیر بھی پورا ہو گیا پھر نام کے پیچھے کیوں پڑیں؟

سورۃ (۳) کے باب میں غلط فہمی ہوئی۔ میں نے قرآنِ مجید نکالا جس صفحے پر سورۃ قصص ختم ہوتی تھی اس صفحے پر سے سورۂ عنکبوت کا آغاز ہوتا تھا میں نے غلطی سے قصص کے بجائے عنکبوت لکھ دیا اور لطف یہ کہ اب تک اس غلطی کا احساس ہی نہ ہوا۔ کیونکہ ضرب کلیم دیکھی نہ تھی۔ آپ کا شکر گزار ہوں ان شاء اللہ تصحیح ہو جائے گی وفوق کل ذی علم علیم۔ (۴)

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۸۶

۱۔ مولانا نے علامہ اقبال کی کتاب ''ضرب کلیم'' کی شرح ''مطالب ضرب کلیم'' کے نام سے کی جو کتاب منزل کشمیری بازار لاہور سے ۱۹۵۶ء میں شائع ہوئی۔ اس میں علامہ کی اس رباعی کی جو کتاب کے سرورق پر طبع ہے شرح نہیں کی گئی تھی۔ میں نے اسی کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی تا کہ اس رباعی کی شرح سے میں اپنا ذاتی نسخہ مکمل کر سکوں۔ رباعی یہ ہے

نہیں مقام کی خوگر طبیعتِ آزاد
ہوائے سیر مثالِ نسیم پیدا کر
ہزار چشمہ ترے سنگِ راہ سے پھوٹے
خودی میں ڈوب کے ضربِ کلیم پیدا کر

۲۔ علامہ اقبال کی ایک نظم بعنوان ''ایک فلسفہ زدہ سید زادے کے نام'' ضرب کلیم میں شامل ہے۔ مصنف اور شارح دونوں نے فلسفہ زدہ سید زادے کا نام اخفا میں رکھا۔ بالآخر میرے استفسار پر مولانا نے یہ راز فاش کر دیا کہ یہ صاحب سید احمد شاہ پطرس بخاری ہیں۔ آپ انگریزی اور اردو کے مسلم الثبوت صاحب طرز انشا پرداز تھے اور اردو میں مزاح نگاری کے جدید اسلوب کے بانیوں سے تھے۔ ہدایت کاری، اداکاری، ڈراما نویسی پر غیر معمولی ملکہ حاصل تھا۔ مزاحیہ

Marfat.com

مضامین کا مجموعہ ''پطرس کے مضامین'' یادگار چھوڑا- بعض ڈراموں کے اُردو میں ترجمے بھی کیے- آخری کتاب ''درسِ زندگی'' شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے موسسہ مطبوعات فرینکلن کے اشتراک سے ۱۹۶۵ء میں شائع کی- ان کی وفات نیو یارک میں ۵ دسمبر ۱۹۵۸ء کو ہوئی اور وہیں آسودہ خاک ہوئے- محمد طفیل مدیر ''نقوش'' نے پطرس مرحوم کی یاد میں ستمبر ۱۹۵۹ء میں ''نقوش'' کا ضخیم ''پطرس نمبر'' شائع کر کے خراجِ عقیدت پیش کیا-

۳- یہ سورۂ قصص کی آخری آیت کی طرف اشارہ ہے جس کا حوالہ ''مطالبِ ضربِ کلیم'' کے صفحہ نمبر ۶۰ پر دیا گیا تھا-

۴- سورۂ یوسف آیت نمبر ۷۶ ترجمہ: اور ہر صاحبِ علم سے برتر دوسرا صاحبِ علم ہوتا ہے-''

(۸۷)

۱۴ر جون ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- آپ آئے، میں نہ مل سکا کتنا رنج ہوا، کاش آپ دوبارہ تکلیف فرماتے میں اس ہفتے میں تو یہیں رہوں گا- قصد ہے کہ اگلے ہفتے کے شروع میں جاؤں- ان شاءاللہ آپ کسی روز آئیں- البتہ میری حالت ایسی ہے کہ روزانہ نہیں تو کسی نہ کسی دن اچانک کام نکل آتا ہے- یا جلد آئیں یا انتظار کریں یعنی اگر خدانخواستہ میں باہر نکل جاؤں-

جناب محمد عالم صاحب

جھگیاں ناگرہ، ڈاک خانہ ڈھولن وال

P.O.Dholanwal براہ اچھرہ- لاہور

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کا

مہر

Marfat.com

(۸۸)

ایبٹ آباد

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- میں نے آپ کو آنے کے لیے لکھا بھی تھا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مصروفیتوں کی وجہ سے آ نہ سکے- میں ۲۱ جون کو یہاں آ گیا تھا- نئے مقام سے مطابقت پیدا کرنا دقت طلب ہے- ایک جگہ سے اکھڑ کر دوسری جگہ جمنے میں لازماً کچھ دن لگیں گے- یہاں تنہائی اس پیانے پر حاصل ہے کہ اس سے زیادہ کی آرزو نہیں ہو سکتی- لیکن ایسی تنہائی بھی تجربے میں ناقابل قبول معلوم ہوئی- قرآنِ مجید کا ارشاد ہے

خلق الانسان عجولا (۱)

اُمید ہے آپ بخیر ہوں- میرا پتا یہ ہے

۲۷۳ گرین ولا، سپلائی

بابر روڈ ایبٹ آباد

دعا گو

مہر

حاشیہ خط نمبر ۸۸

۱- مولانا سے ذہول ہوا- درست ''وکان الانسان عجولا'' ہے دیکھیے سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۱- ترجمہ: ''اور انسان بڑا جلد باز (واقع ہوا)

(۸۹)

GHULAM RASUL MIHR

273. GREEN VILLA

SUPPLY. ABBOTABA D

۴- جولائی ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- آپ کی تگ و دو کے لیے شکر گزار ہوں جو خلوص و محبت پر مبنی تھی، اللہ تعالٰی جزاء خیر دے- آپ کو جو عارضہ (۱) لاحق ہوا وہ میری کم نصیبی کا باعث بنا، اس لیے کہ آخری دن

Marfat.com

کے سوا میں نے تمام شامیں آپ کے انتظار میں گزاریں۔ گویا نظیریؔ کے اس شعر کی تجربہ گاہ بنا رہا:

شب اُمید بہ از روز عید مے گزرد
کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفت است

غالبؔ نے بھی اس زمین میں بڑے اچھے شعر کہے ہیں مثلاً:

بہ بین ز دور و مجو قربِ شہ کہ منظر را
دریچہ باز و بہ دروازہ اژدہا خفت است
ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگرِ کشتی و ناخدا خفت است

میں یہاں آ تو گیا مگر اب تک فضائے نو سے مطابقت پیدا نہیں کر سکا۔ چلتے وقت سامان بندھوانے کے اضطراب میں پاؤں کی انگلی اتفاقیہ ٹھوکر سے زخمی ہوئی میں نے کچھ خیال نہ کیا۔ یہاں آنے کے بعد اس میں پیپ پڑ گئی اور ڈاکٹر کے ہاں جا کر مرہم پٹی کرانی پڑی۔ ایک روز بخار بھی آ گیا۔ اب اچھا ہوں مگر جوتا یا سلیپر نہیں پہن سکتا اور پابند خانہ ہوں۔

یہاں ابتداء میں تین چار روز موسم اچھا رہا۔ پھر اس شدت کی گرمی ہوئی کہ لاہور یاد آ گیا۔ لو یہاں نہیں ہوتی۔ ایک روز موٹر میں ڈاکٹر صاحب کے ہاں جا رہا تھا۔ پانچ بجے شام کا وقت ہو گا لیکن ہوا لگتی تھی تو گرم معلوم ہوتی تھی۔ رات بارش شروع ہوئی گویا مون سون آ گئی۔ اپنے کمرے کی دونوں کھڑکیاں کھول لی ہیں کہ بارش اور بادلوں کے دلکشا مناظر اور ہوا کی خنکی سے آنکھوں اور جسم کے لیے شادمانی و طراوت کا سامان بہم پہنچاؤں۔ سامنے پہاڑ کبھی کبھی سفید بادلوں میں چھپ جاتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں سناور (کوہستان شملہ) گیا ہوا تھا۔ سناور کے سامنے کسولی کا ٹیلہ ہے میں نے اس ٹیلے کے جنوبی و مشرقی حصے میں ایک کوٹھی کرائے پر لے لی تھی، جس کا نام Pines تھا۔ وہاں بیٹھ کر شعر کہا کرتا تھا۔ ایک روز اچانک کسولی پر نظم کہنی شروع کی، پینتالیس پچاس شعر کی نظم دو گھنٹوں میں ہو گئی۔ بادلوں میں ٹیلوں کے چھپ جانے کا منظر کسولی کو خطاب کرتے ہوئے یوں پیش کیا تھا:

جب نگاہِ شوق کی شوخی سے شرماتی ہے تو
بادلوں کے پردۂ سیمیں میں چھپ جاتی ہے تو

ایبٹ آباد میں تواتر امطار کی وہ کیفیت تو ہو ہی نہیں سکتی، جو کوہستان شملہ میں ہوتی

Marfat.com

ہے، کیونکہ یہ حصہ مون سون کے آخری مراحل میں سے ہے اور یہاں بارش کی بچی کھچی دولت ہی پہنچ سکتی ہے، لیکن اُمید ہے اب وہ گرمی نہ ہوگی جو پچھلے پانچ چھ روز میں دیکھی۔

''بال جبریل'' کو دیکھے ہوئے مدت گزر گئی۔ میں خود اس کے متعلق کیا لکھوں؟ دماغ میں کچھ ہے ہی نہیں۔ آپ کچھ پوچھیں گے تو شاید پرانی یادیں تازہ ہو جائیں۔ باقی خیر ہے۔

دیکھیے آپ کے ڈاک خانے نے مصیبت میں ڈال دیا ہے، یکا یک قیمتیں بڑھ گئیں، ہمارے پاس پہلے جو لفافے تھے، ان کے استعمال اور عدم استعمال کے باب میں کچھ معلوم نہیں۔ آج صبح کارڈ منگائے تو اوپر قیمت پانچ ہی پیسے لکھی ہے، مگر کارڈ روپے کے سولہ دیے ہیں۔ اب ان میں اور پہلے کارڈوں میں امتیاز کی صورت کیا ہو؟ خدا جانے ارباب اختیار کیوں ہر معاملے پر پوری توجہ نہیں فرماتے یا تو ایک ٹکٹ ساتھ لگ جانا چاہیے، یا قیمت زیادہ وصول نہ کرنی چاہیے۔ والسلام علیکم۔ مطلب یہ کہ اگر آپ کو جرمانہ بھرنا پڑے تو ہمارا قصور نہ ہوگا۔

مہر

حاشیہ خط نمبر ۸۹

۱۔ ان دنوں میں دستوں کے عارضہ میں مبتلا تھا۔

(۹۰)

Ghulam Rasul Mihr.

۲۷۳۔ گرین ولا، سپلائی

ایبٹ آباد

۱۵۔ جولائی ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، چرکیں (۱) کا ایک ایسا شعر کل سے ذہن میں ہے، جسے شرفا کی محفل میں سنایا بھی نہیں جا سکتا مگر ہے حسب حال۔ اس لیے نظر انداز بھی نہیں کر سکتا، یعنی:

اک نہ اک عارضہ رہا ہم کو
تھم گئے دست تو بخار آیا

جب سے یہاں آیا ہوں، کوئی نہ کوئی بات، ناسازی مزاج کا بہانہ بن جاتی ہے۔ پہلے

Marfat.com

پاؤں کے زخم نے تکلیف دی، پھر اندیشہ ہوا کہ شاید پیچش شروع ہوگئی اور پہاڑ پر پہنچ کر معدے کے معاملے میں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔ کل سے حضرت نزلہ وارد ہیں اور اپنا پورا سروسامان لے آئے ہیں یعنی سوں سوں' کام سے گریز، اعضا شکنی بار بار لیٹنے کی طرف طبیعت کا میلان۔ ہمت کر کے یہ سطریں لکھنے بیٹھا ہوں۔

چرکیں کے افکار بُرے نہیں مگر موضوع نہایت غلیظ اختیار کیا گویا موتی سنڈاس میں پھینکتا رہا۔ یہی کیفیت جاںؔ صاحب (۲) کی ریختی کی ہے یعنی عورتوں کی زبان میں عورتوں کی باتیں کہنا۔ یہ سلسلہ سعادت یار خان رنگین (۳) نے شروع کیا تھا۔ جاںؔ نے اسے کمال پر پہنچا دیا۔ اس کا نام یاد علی تھا لیکن سنا ہے مجلسوں میں ریختی پڑھنے جاتا تو زنانہ لباس پہن لیتا تھا۔

بالکل یہی حالت قاآنی (۴) کی اس کتاب کی ہے جس کا نام ''پریشان'' ہے اور وہ گلستان کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ زبان اتنی شیریں کہ انسان ہر لحظہ پڑھے اور مزے لے لیکن جا بجا فحش حکایات۔ یہی کیفیت نعمت خان عالیؔ (۵) کی ہے۔ فارسی کے کلاسیکل اسلوب تحریر میں نعمت خان عالی جیسا کوئی نثر نگار میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کے وقائع حسن وعشق اور جنگ نامہ مشہور ہیں لیکن کمالات کی نمائش اس نے رقعات ومضحکات میں کی ہے۔ میرے نزدیک ممکن ہی نہیں کہ کوئی اس سے ایک قدم آگے بڑھ سکے مگر فحش۔

آپ اقبال کی چیزیں ضرور پڑھیں۔ میں نے تو شرح نہیں لکھی تھی۔ کوشش کی تھی کہ عام فارسی خواں ان کتابوں کے مطالعے سے بہ آسانی بہرہ ور ہو سکیں۔ شرح میں مسائل ومباحث کی تفصیل ضروری تھی، ادھر متوجہ ہوتا تو جو ابتدائی مرحلہ تشریح میرے سامنے تھا اس سے تجاوز کے بغیر چارہ نہ تھا۔

میری رائے یہ ہے کہ جس شخص کے متعلق کچھ لکھا جائے، اس کے کلام کا پس منظر نیز اس کا دماغی ارتقا ضرور واضح طور پر سامنے آ جانا چاہیے، تاکہ پڑھنے والوں کے پلے کچھ پڑے۔ محض دس بارہ صفحات میں حالات کا مرقع دے کر ادھر اُدھر کے قصے چھیڑ دینا میرے نزدیک چنداں کارآمد نہیں۔

لیکن تفصیل کیوں کر لکھوں۔ نہ دماغ برجا، نہ ہاتھوں میں قوت، بستر کے پاس بیٹھا ہوں لیٹ جانے کو جی چاہتا ہے نماز کے لیے وضو کر چکا ہوں نماز بھی کل سے بیٹھ کر پڑھ رہا ہوں۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

Marfat.com

حواشی خط نمبر ۹۰

۱- نام شیخ باقر علی اور تخلص چرکین تھا- قصبہ ردولی کا رئیس و مہتر تھا- بقول مرزا قادر بخش صابر دہلوی ''صاحب تذکرہ گلستانِ سخن'' وہ ظریف اور شوخ مزاج تھا اور ہمیشہ سخن پاکیزہ کا دامن نجاست معنوی سے آلودہ کرتا تھا یعنی مضامین بول و براز اس طرح شعر میں باندھتا تھا کہ زمین سخن کو گوہ گڑھیا بنا دیتا- کربلائے معلی کا سفر اختیار کیا مگر راستہ ہی میں راہی ملک بقاء ہوا، دیوان چرکین کا ایک انتخاب پہلی مرتبہ ۱۹۲۸ء میں صادق پریس احاطہ کمال جمال رکاب گنج لکھنؤ سے شائع ہوا-

۲- نام میر یار علی تخلص جانؔ- لکھنؤ کا باشندہ تھا اور نواب عاشور علی خان سے تلمذ تھا- تمام عمر ریختہ گوئی میں گزری اور اس صنف کو خوب آب و تاب دی اور زبان کو شستگی بخشی- کلیات دیوان جانؔ صاحب مطبع نیاز حیدر آباد دکن سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوا-

۳- سعادت یار خان رنگین طہماسپ خان تورانی کا بیٹا تھا جسے نواب نجف خان کی سرکار میں اختیار کلی حاصل تھا رنگین کی ولادت سرہند میں ہوئی تھی مگر زندگی بچپن سے لے کر دم واپسیں تک شاجہاں آباد میں گزری- آغاز میں فن شعر میں شیخ ظہورالدین حاتم سے تربیت پائی مگر ان کے انتقال کے بعد کسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ نہ کیا مگر صاحب ''مجموعہ نغز'' میر قدرت اللہ قاسم کے نزدیک میاں محمد امان شاکر کی شاگردی اختیار کی- اس کی عمر کا سرمایہ چار دیوان، دیوانِ آمیختہ، دیوانِ انگیختہ، دیوانِ بیختہ اور دیوانِ ریختہ ہیں- ان چاروں کا نام ''چار عنصر رنگین'' ہے- جب کہ نثر کی کتابوں کا مجموعہ ''نورتن'' کے نام سے ترتیب پایا- اس نے شیطان کی مدح میں بھی قصیدہ کہا جس پر تسمیہ کی بجائے تعوذ تحریر کیا گیا ہے-

۴- قاآنی کا نام حبیب، خاندانی لقب میرزا اور تخلص قاآنی تھا- اس کا والد میرزا ابوالحسن المتخلص بہ گلشن بھی شاعر تھا- پیدائش شیراز میں ۱۲۰۰ھ کے لگ بھگ فتح علی شاہ قاچار کے عہد میں ہوئی- صغر سنی ہی سے شعر و سخن سے لگاؤ تھا- سخن گوئی کا شہرہ یہاں تک پھیلا کہ حسن میرزا والی خراسان تک رسائی حاصل ہوگئی اور اس کے ندیمانِ خاص میں جگہ پائی اور پھر میر حسن میرزا ہی کے ذریعے شہنشاہِ ایران فتح علی شاہ قاچار کے دربار تک پہنچ کر مجتہد الشعراء کا لقب پایا- محمد شاہ غازی نے حسان العجم اور ناصرالدین شاہ قاچار نے ملک الشعرا کے القاب سے نوازا- حکیم قاآنی نہایت ذکی الطبع، زود رس اور بذلہ سنج واقع ہوا تھا- اسے فارسی، عربی، ترکی اور فرانسیسی زبانوں پر دسترس حاصل تھی- وہ قادر الکلام پرگو شاعر اور قصیدہ گوئی کا بادشاہ تھا، اس کی شاعری

Marfat.com

کی امتیازی علامت روانیِ کلام اور وسعتِ بیان ہے- اس کے شعروں میں ترنم اور موسیقیت پائی جاتی ہے اور پڑھتے وقت بقول حضرت علامہ اقبال یوں محسوس ہوتا ہے کہ:

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی
کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئینہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی
سنگِ راہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی

استاد محترم آقا بیدار بخت (م-۳۰/اپریل ۱۹۸۱ء)، نوراللہ مرقدہ پرنسپل دارالعلوم السنہ شرقیہ بیرون دہلی گیٹ لاہور جب دورانِ اسباق قاآنی کے قصائد پڑھتے تو ایک سماں بندھ جاتا- قاآنی نے ستر سال کی عمر میں بمقام طہران ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی-

۵- نعمت خان عالی کا اصل نام مرزا محمد شیرازی اور تخلص عالی تھا- اورنگ زیب عالمگیر کے دربار سے وابستہ تھا- ایک زمانہ میں داروغہ مطبخ بھی رہا اور اسی نسبت سے نعمت خان عالی کہلایا- پھر حاکم خزانہ مقرر ہوا اور مقرب خان کا خطاب پایا- وہ مسلکاً اہلِ تشیع میں سے تھا بلکہ بقول شبلی نعمانی ''وہ سخت متعصب شیعہ تھا-'' شاید اسی سبب سے اسے اورنگ زیب عالمگیر کا تسنن (سنی ہونا) کھٹکتا تھا- اس نے گولکنڈہ اور بیجاپور کی فتوحات کی تاریخیں کہیں لیکن اورنگ زیب، اس کی فوج اور فتوحات کے متعلق اس کا انداز مضحکانہ رہا- اس نے ۱۷۰۹ء میں وفات پائی- دیوان کے علاوہ نثر میں بھی اس کی تصانیف ہیں جن میں سے بعض کے نام درج ذیل ہیں-

۱- وقائع نعمت خان عالی- مطبع منشی نولکشور ۱۸۷۳ء
۲- جنگ نامہ نعمت خان عالی- مطبع منشی نولکشور کانپور ۱۹۰۸ء
۳- رقعات و مضحکات- مطبع میر حسن رضوی لکھنو ۱۲۶۱ھ

(۹۱)

GHULAM RASUL MIHR

۲۷۳- گرین ولا سپلائی
ایبٹ آباد
۲۵- جولائی ۱۹۶۴ء

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- میری شام اور صبح کی نمازیں بہت لمبی ہوتی ہیں، خصوصاً صبح کی نماز جس میں نفلوں کی خاصی تعداد کے علاوہ کچھ اوراد بھی مقرر کر رکھے ہیں، چند روز سے میں نے یہ سلسلہ شروع کیا ہے کہ شام کی نماز کے بعد اپنے مکان کے بیرونی برآمدے میں اتنا ٹہل لیتا ہوں، کہ ڈیڑھ میل یا اس سے کسی قدر زیادہ فاصلہ ہو جائے- میں نے نماز پڑھی اس کے بعد ٹہلا- یہاں عشاء کی اذان جلد ہو جاتی ہے، وہ ہو چکی ہے- صبح کی اذان ذرا تاخیر سے ہوتی ہے- احناف کا عام دستور یہی ہو گیا ہے- میں صبح کو اذان سے پہلے اٹھ جاتا ہوں- خاصے نوافل ادا کر چکتا ہوں تو اذان ہوتی ہے-

اب کھانا کھانے سے پیشتر خیال آیا کہ آپ کو چند سطریں لکھ دوں- محبت اور دعا کے لیے شکر گزار ہوں میں جواب میں دعا کے سوا کیا پیش کر سکتا ہوں-

از دست فقیر بے نوا ناید ہیچ

جز این کہ بہ صدق دل دعائے بکند

میں نے طبقات ناصری (۱) کا ترجمہ اپنے ذمے لے لیا تھا اور پوری کتاب ابھی پڑھی نہ تھی- یہاں آیا تو زیادہ وقت اسی کی نذر کرتا رہا- لاہور میں بھی آنے سے پندرہ بیس روز پیشتر اس کا ترجمہ شروع کر دیا تھا- اب کوئی دو تہائی کتاب ہو چکی ہے یا کسی قدر زیادہ- ایک تہائی یا اس سے کم باقی ہے- چاہتا ہوں وسط اگست تک ختم ہو جائے- اللہ کی رحمت سے کیا بعید ہے کہ ایسا ہو جائے- کچھ اور کام بھی سوچ کر آیا تھا، مسودے ساتھ لایا تھا- چاہتا ہوں وہ بھی مکمل ہو جائیں- یہاں تنہائی ویسی میسر ہے کہ مداخلت شاذ ہی ہوتی ہے، لیکن اول فضا کی ناموافقت نے مرضی کے مطابق کام نہ ہونے دیا- دوسرے تجربہ ہو گیا کہ میں اب خود نہیں لکھ سکتا صرف لکھوا سکتا ہوں- خود لکھنے میں طبیعت پر بوجھ زیادہ پڑتا ہے-

یہاں دس بارہ روز پہلے شدید بارشیں ہوئیں جو یہاں کے اصحاب کے نزدیک قبل از وقت تھیں- پھر پانچ سات روز خوب دھوپ چمکی- کل رات مسلسل بارش رہی- اب بھی ابر ہے مگر چنداں خنکی نہیں- میں اس وقت نسبتاً اچھا ہوں- نسبتاً اس لیے کہ بیمار تو نہیں مگر ایسا قوی اور چست بھی نہیں جیسا انسان تندرستی میں ہوتا ہے-

مسافرت عجیب شے ہے- انسان کی کوئی چیز خراب ہو جائے تو ایک مصیبت کی صورت

Marfat.com

اختیار کر لیتی ہے۔ میں آتے وقت ایک ملتانی حقہ (۲) ساتھ لایا تھا، جو ایک زمانے میں اس لیے بنوالیا تھا کہ اس کی وضع قطع مجھے بہت پسند تھی۔ پرسوں معلوم ہوا کہ وہ خراب ہو گیا ہے۔ ایک جگہ سے پانی ٹپکتا ہے، ایک عزیز دوست قریب رہتے ہیں، وہ لے گئے اور درست کرا لائے۔ پھر حقہ پینا چاہا تو معلوم ہوا وہ بولتا نہیں۔ حالانکہ ناسخ نے اس کی خوبی یہی بیان کی تھی:

بے جان بولتا ہے مسیحا کے ہاتھ میں

کھول کے دیکھا تو نیچے کا نچلا حصہ ٹوٹا ہوا تھا۔ پھر شہر بھیجا۔ کل معلوم ہوا کہ جمعہ ہے اور دکانیں بند ہوتی ہیں۔ سارا دن طبیعت پریشان رہی۔ سگرٹ پیتا رہا لیکن حقے کا مزا اور اس کی تسکین کہاں۔ آج میں خود اپنے دوست کے ساتھ موٹر میں شہر گیا۔ دکان پر ایک گھنٹہ بیٹھ کر اسے درست کرایا اور واپس آ کر پیا تو قدرے اطمینان ہوا۔

آپ کو شاید معلوم نہ ہو۔ میرا بیٹا (۳) پشاور ریجن کا ڈائریکٹر ایکسائز ٹیکسیشن تھا۔ ایبٹ آباد اس لیے بھی منتخب کیا تھا کہ اس کی بلندی کم ہے، ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہ علاقہ میرے بیٹے کے دائرہ عمل میں تھا۔ وسط جولائی میں اس کا تبادلہ ہو گیا۔ یعنی وہ پنڈی ریجن کا ڈائریکٹر بن گیا۔ پنڈی بہ مقابلہ پشاور ایبٹ آباد سے قریب ہے۔ لیکن میرے بیٹے کے دائرہ عمل سے ایبٹ آباد باہر ہو گیا۔ آج ہفتہ ہے اور اس کا انتظار ہے۔ اب نہ آئے تو اِن شاء اللہ صبح کو ضرور آئے گا۔ نظیری نے انتظار کے سلسلے میں کیا خوب شعر کہا ہے:

شب اُمید بہ از روز عید مے گزرد
کہ آشنا بہ تمنائے آشنا خفت است

یعنی کسی کے آنے کا انتظار ہو تو وہ رات عید کے دن سے بھی خوشتر گزرتی ہے، کیونکہ آشنا سوتا بھی ہے تو آشنا کی تمنا میں سوتا ہے۔ اہلِ ذوق جانتے ہیں کہ آشنا سے ملاقات کی تمنا خود ملاقات سے زیادہ پرلطف ہوتی ہے۔ نظیری نے ایک اور پرلطف اور پرمعاملہ شعر کہا ہے:

تا منفعل ز رنجش بے جا نہ بینمش
مے آرم اعتراف گناہِ نبودہ را

یعنی محبوب نے عاشق پر خفگی اور ناراضی کا اظہار کیا۔ اس خفگی کے لیے کوئی وجہ نہ تھی۔ اب عاشق کی ہمت دیکھیے۔ اسے یہ بات گوارا نہیں کہ محبوب کے لیے بے سبب رنجش شرمندگی کا موجب بن جائے۔ لہٰذا جھٹ آگے بڑھا اور اس نے گناہ کا اقرار کر لیا۔ اگرچہ گناہ اس سے سرزد

Marfat.com

نہیں ہوا تھا۔

حساؔبی اصفہانی نے بھی اسی قافیے میں لکھا ہے:

ایں امتیاز بردگراں بس کہ وقت خشم
برمن بود قصاص گناہِ نبودہ را

مجھے دوسروں پر محبوب نے جو امتیاز بخشا ہے، وہ میرے لیے کافی ہے۔ اسے غصہ آتا ہے تو جو گناہ میں نے نہیں کیا اس کا بدلہ بھی مجھی سے لیتا ہے۔ اگر اسے میری وفاداری پر یقین نہ ہوتا تو ایسا کیوں کرتا۔

غالؔب نے بھی امتیاز کا پہلو پیدا کیا ہے، مگر کتنے اچھے انداز میں کہتا ہے:

نازم بہ امتیاز کہ بگزشتن از گناہ
بر دیگراں ز عفو و بہ ما از غرور بود

یعنی اس امتیاز پر مجھے کیوں ناز نہ ہو کہ گناہوں سے درگزر کے وقت دوسروں سے برتاؤ عفو کی بناء پر کیا یعنی انھیں معاف کر دیا اور ہم سے غرورِ حسن میں منہ پھیر لیا۔ گناہ غت ربود ہو گئے۔

لیجیے۔ دو صفحے پورے ہو گئے۔ اب کاغذ نے جواب دے دیا۔ دوسرا کاغذ لوں تو اور وقت لگے گا۔ میرے کھانے اور سونے کے اوقات مختل ہو جائیں گے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہؔر

حواشی خط نمبر ۹۱

۱۔ ''طبقات ناصری'' دنیا کی عام تاریخ ہے اور اسے قاضی منہاج الدین بن سراج الدین جوزجانی نے ۶۵۸ھ میں تصنیف کیا۔ اس میں ابتدائے آفرینش عالم و آدم سے زمانہ تصنیف تک انبیاء علیہم السلام، قدیم شاہانِ ایران، خلفاء اسلام اور ان کے ہم عصر سلاطین عالم کے واقعات مذکور ہیں۔ منہاج الدین کے آباؤاجداد جوزجان کے رہنے والے تھے اور انہیں سلاطین غور کے دربار میں تقرب خاص حاصل تھا۔ اس کی والدہ شاہزادی ماہ ملک بنت سلطان غیاث الدین محمد بن سام کی رضاعی بہن تھی اسی تقریب سے شاہی محل میں منہاج الدین کی پرورش ہوئی۔ سلطان شمس الدین التمش اور اس کے جانشینوں نے منہاج الدین کو عساکر شاہی

Marfat.com

کا قاضی بنا دیا تھا- سلطان بلبن نے اسے صدرِ جہاں کا خطاب دے کر قاضی القضاۃ بنا دیا تھا- طبقات ناصری ۲۳ طبقات میں منقسم ہے ان میں آٹھ طبقے ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں (ماخوذ مورخین ہند، شمس اللہ قادری، مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۳۳ء)۔ ہندوستانی حصہ کا فارسی متن ڈاکٹر سید عبداللہ چغتائی نے لاہور سے شائع کیا- جس نسخہ سے مولانا غلام رسول مہر نے اُردو ترجمہ کیا اسے آقائی عبدالحی حبیبی قندھاری نے دو جلدوں میں (۲۴-۱۹۲۳ء) میں کابل سے نہایت قیمتی حواشی وتعلیقات کے ساتھ شائع کیا- اُردو ترجمہ میں مترجم نے قوسین میں اصل کتاب کا صفحہ نمبر بھی دے دیا ہے تاکہ اصل متن کی طرف رجوع میں آسانی ہو- البتہ تعلیقات کا ترجمہ مولانا اعجاز الحق قدوسی اور پروفیسر محمد ایوب قادری نے مل کر کیا- کتاب کا ترجمہ مرکزی اُردو بورڈ لاہور نے مولانا کی وفات کے بعد دو جلدوں میں ۱۹۷۵ء میں ٹائپ میں شائع کیا-

۲- مولانا حقہ کے بہت رسیا تھے- ایک مرتبہ صبح کے ناشتے کے بعد، کمرہ مطالعہ میں آنے پر ان کا حقہ بھرا جاتا جبکہ دوسری مرتبہ بعد از قیلولہ، اسی طرح شام کے کھانے کے بعد چلم بھرنے کا کام ان کا ملازم آنجہانی ننکو رام انجام دیتا البتہ اس کی کبرسنی یا علالت کے سبب یہ فریضہ مولانا کے خلفِ اصغر، سلیم امجد انجام دیتے جسے آپ پیار سے بلو کہہ کر پکارتے- مولانا نے حقہ کے متعلق ایک کتابچہ ''دستہ گل'' (غیر مطبوعہ) میں جو کچھ بقلم خود تحریر فرمایا ہے دل نہیں چاہتا کہ اہلِ علم بالخصوص حقہ نوشوں کو اس دلآویز تحریر سے محروم رکھوں- اسے مطالعہ فرمائیں اور مولانا کے ذوق حقہ نوشی کی داد دیں:

''میں نے اپنی زندگی میں عجیب وغریب حقے دیکھے ہیں- مثلاً:

I- قلفی والا حقہ جس کی مختلف قسمیں ہیں- قلفیاں بھی مختلف اور دھاتیں بھی مختلف- ہمارے ہاں پنجاب میں دس بیس سال پیشتر جست اور پیتل کے نہایت خوبصورت حقے بنتے تھے- اور ان کے نیچے ایک چکر لگا دیتے تھے جن میں گولیاں بھر دی جاتی تھیں- اس وجہ سے حقہ مجلس میں بہ آسانی پھرتا رہتا، جالندھر ایسے حقوں کا مرکز تھا-

II- سادہ پختہ حقے- مختلف اوضاع کے-

III- مراد آبادی حقے مختلف اوضاع کے-

IV- چمڑے اور پیتل کے گول گول سے حقے جو زمیندار اور کاشتکار استعمال کرتے تھے کیونکہ کھیتی باڑی کے مختلف کام کرتے وقت انہیں پیتے رہنا آسان تھا-

Marfat.com

V- قلفیاں - یہ بھی فرشی ہوتی تھیں پیتل اور جست کی - مراد آبادی زیادہ قیمتی دھات کی - ان میں نے بھی لگاتے تھے اور سنک بھی -

VI- مراد آبادی یا دوسرے فرشی حقوں کو قلفی کی جگہ سے سنک لگا لیتے تھے-

VII- ناریل کے حقے جو غریب آدمی پیتے تھے-

VIII- ناریل کی وضع کے شیشے کے حقے - یہ عرب میں زیادہ دیکھے- حقہ پیا جاتا ہے تو پانی ان میں بلبلے بن کر اچھلتا - بڑا لطف انگیز ہوتا ہے-

IX- ناریل نما پختہ حقے - یہ بھی زیادہ تر عرب ہی میں دیکھے-

X- بیدری قلفیاں یعنی فولاد پر چاندی کا خوبصورت کام-

میں جون ۱۹۳۰ء میں حج کے لیے گیا تو حقے کی وجہ سے بہت پریشان تھا یہاں سے ایک چھوٹی سی قلفی لے لی تھی تاکہ پینے کے بعد اسے سوٹ کیس میں رکھ لیا جائے- میرا ٹکٹ فرسٹ کلاس کا تھا لیکن اسی جہاز میں میرے ساتھ مولانا اسمٰعیل غزنوی کے علاوہ بمبئی کے ایک سیٹھ اور مولوی محمد شریف امرتسری ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر انہار بھی تھے، نیز میرے نہایت عزیز دوست شیخ محمد صدیق ملتانی اور ان کے ساتھی بھی جو جہاز کی بالکل بالائی منزل میں مقیم تھے- شیخ صاحب دہلی (صدر بازار) کے بہت بڑے تاجر تھے- ان کا کاروبار کلکتہ میں بھی تھا- وہ مسلسل اصرار کرتے رہتے کہ صبح اٹھتے ہی ہمارے پاس آ جایا کرو- ناشتہ ہمارے ساتھ کرو- کھانا ہمارے ساتھ کھاؤ- وہ حقہ نہیں پیتے تھے لیکن میرے لیے چلم بھروا کر رکھتے- مصیبت یہ پیش آتی کہ اگر چلم کو بند نہ کیا جاتا تو چنگاریاں اڑتیں اور بند کیا جاتا تو کوئلے سو جاتے یعنی افسردہ ہو جاتے- میں نے جہاز کے سفر کے دن بڑی مصیبت سے کاٹے- جدہ پہنچا تو یکایک ایک لانچ آیا جس میں منشی احسان اللہ مرحوم نائب قنصل (برطانیہ) مقیم جدہ تھے وہ بڑے ہی عجیب آدمی تھے- بالکل [illegible] میں مکہ مکرمہ چلے گئے اور وہاں سے زندگی شروع کی- وہاں کا مطلب ہے مسجد حرام کے کسی دروازے پر نمازیوں اور طائفوں (طواف کرنے والوں) کے جوتے محفوظ رکھنا- ان کی عربی بے تکلف بولنے لگے- پھر برطانوی قنصل وقتاً فوقتاً مدد دی اور جب [illegible] شریف حسین کی جنگ میں تو سب سے بڑا کارنامہ انہیں کا تھا- نہ میں نے انہیں پہلے دیکھا تھا نہ انہوں نے مجھے دیکھا تھا لیکن میرے نام سے بخوبی آگاہ تھے اور یہ بھی انہیں معلوم تھا کہ میں اس جہاز سے پہنچ رہا ہوں- وہ مجھے جہاز سے اتار کر لانچ میں ساحل پر لے گئے اور موٹر میں بٹھا کر میں ان کے ہمراہ شیخ

Marfat.com

گیا- وہاں انہوں نے میرے مطلب کی دو چیزوں کا انتظام فوراً کروا دیا-

ا- میں دیہاتی آدمی- چھاچھ (لسی) پینے کا عادی- منشی احسان اللہ نے فوراً عمدہ لسی بنوائی اور میں نے خوب سیر ہو کر پی، کلیجا ٹھنڈا ہو گیا-

ب- جو حقہ میرے پینے کے لیے آیا وہ عجائبات میں سے تھا- یعنی مراد آبادی وضع کا ایک ڈبا سا تھا اس میں ایک ٹونٹی لگی ہوئی تھی- ڈبے کے اوپر جالی والا ڈھکنا تھا اندر چھوٹی سی سٹک پڑی تھی اور چھوٹی سی چلم تھی- وہ حقہ لحاف اوڑھ کر اور اندر رکھ کر بھی پیا جا سکتا تھا- میں نے وہی حقہ لے لیا اور اپنا حقہ منشی جی کو دے دیا- وہ حقہ لایا اس کا نقشہ اپنے ایک عزیز دوست کو جو ظروف کا تاجر تھا (عبدالواجد نام) بھیجا- انہوں نے ویسے بڑے بڑے حقے بنوائے- اور میں نے وہ دہلی میں بکتے دیکھے- میرے دوست سید علی محمد راشدی بھی ایک خرید کر لائے تھے- کوئی صاحب جون ۱۹۳۰ء کے یا چند روز بعد کے فائل (انقلاب کے) دیکھے تو حقے پر مباحث کے کئی مقالے مل جائیں گے-

دیکھیے یادداشتوں کا عجیب حال ہے- کہاں سے گفتگو کا آغاز ہوا اور میں یادوں کے پیچھے کہاں پہنچ گیا- حضرت علامہ اقبال مرحوم سگریٹ کم پیتے تھے اور عموماً مجبور ہو کر حقہ بہت پیتے تھے- میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو فوراً دوسرا حقہ بھروا کر میرے لیے رکھوا دیتے- ان کے پاس تمباکو بہت عمدہ جگہ جگہ سے آتا- میاں نظام الدین مرحوم رئیس لاہور اور ان کے بھتیجے میاں امیر الدین کا شیوہ یہ تھا کہ جب حضرت علامہ کے ہاں سے خالی بوری پہنچ جاتی اس میں عمدہ تمباکو بھروا کر بھیج دیتے- میرے لیے بھی میاں امیر الدین صاحب نے سالہا سال تک یہی دستور قائم رکھا- تقسیم کے بعد ان کی زمینیں آبادی میں زیادہ آ گئیں تو یہ سلسلہ ختم ہو گیا-''

ہم ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کے شمارے سے جناب عبدالمجید سالکؔ کے فکاہی کالم ''افکار و حوادث'' سے اس سلسلے میں ایک اقتباس پیش کرتے ہیں:

> ''سلطان ابن سعود اور ان کے نجدی مجاہدین تمباکو کے سخت مخالف ہیں چنانچہ حجاز میں کسی شخص کو منظر عام پر حقہ پینے کی اجازت نہیں لیکن مہرؔ صاحب کی سرکشی ملاحظہ ہو کہ سلطان المعظم کے سرگرم مداح ہونے کے باوجود حقے کے بہت بڑے رسیا واقع ہوئے ہیں اور سرزمینِ حجاز سے دیگر تبرکات کے علاوہ ایک عجیب و غریب حقہ بھی لائے ہیں جس کو اب ہندوستان میں رائج کرنے کا ارادہ

Marfat.com

ہے- چنانچہ آج ہی کے پرچے میں آپ نے اس حقے کی تیاری پر ایک مضمون بھی لکھا ہے اور اس کا نام ''انقلابی حقہ'' تجویز کیا ہے حالانکہ ہمارے نزدیک اسے ''وہابی حقہ'' کہنا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے-''

نوٹ: مجبوری ہے کہ حقے کے متعلق تفصیلات دینا پڑیں- مجبوری تھی کہ مولانا نے اپنے ایک مکتوب میں حقے کا ذکر کیا تھا اور پھر حواشی میں بھی تفصیلات انہی کے قلم سے ہیں- مضمون میں سعودی عرب کا ذکر بھی آیا ہے- راقم آثم نے مئی ۱۹۶۳ء میں حرم میں حاضری دی تو وہاں مکہ معظمہ میں ہمارے معلم سارا دن حقہ پیتے رہتے تھے اور عام قہوہ کی دکانوں پر ایک میز کے ساتھ بڑی لمبی نے والا حقہ پڑا ہوتا جسے عموماً سعودی پیتے اور ایک قہوہ کے آرزو دینے والا اکیلا ہی پیتا- بعد میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک موٹر وے بنا تو اس پر بھی ریسٹورانوں اور عربی قہوہ خانوں کا یہی حال دیکھا- اور سگریٹ تو دنیا بھر کے وہاں ملتے ہیں- سنا ہے کہ سعودی عرب کے مشہور عالم ابن باز نے تمباکو کی حرمت پر فتویٰ دیا ہے- پڑھا نہیں- برصغیر میں ہر مکتبۂ فکر کے بعض بڑے افراد تمباکو سگریٹ کے بہت رسیا تھے- علامہ اقبال کا ذکر آ چکا آپ ابن سعود اور محمد بن عبدالوہاب کے بہت بڑے حامی تھے- مولانا مہر تو تھے ہی اہل حدیث- مولانا ظفر علی خاں بھی اہل حدیث تھے، وہ حقہ کے بغیر نظم نہیں کہہ سکتے تھے- مولانا آزاد نے سگریٹ پینے کا ''غبار خاطر'' میں عجب انداز میں ذکر کیا ہے- اس میں شک نہیں کہ تمباکو صحت کے لیے مضر ہے اور تقریباً ساری دنیا میں اس کے پیکٹوں پر اس کے مضر ہونے کا اعلان چھپا ہوتا ہے اس کے باوجود اس کا چلن عام ہو گیا ہے- پٹھان لوگ اس کی نسوار لیتے ہیں جبکہ سگریٹ کے قریب نہیں جاتے اور یوپی، سی پی، وسط ہند کا علاقہ تقریباً تمباکو والا پان کھاتا ہے- اوپر تمباکو کا ذکر آیا تو میں نے خیال کیا کہ مزید کچھ تفصیل دے دی جائے-

(عبدالرشید ارشد- مدیر ارشید لاہور)

۳- چودھری عبدالسلام اسلم صاحب (متوفی ۲۰۰۰-۳-۵)

(۹۲)

GHULAM RASUL MIHR

۲۷۳- گرین ولا، سپلائی

ایبٹ آباد

۷- اگست

Marfat.com

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم - طبقات ناصری کا بہت کم حصہ باقی رہ گیا - ممکن ہے دس بارہ روز میں ختم ہو جائے - ان شاء اللہ - اگر میں نے پوری کتاب پہلے بالاستیعاب پڑھی ہوتی تو اس ادارے سے ضروری معاملات طے کرتا جس نے ترجمہ کرایا - اب ایک ایک لفظ دیکھا تو افسوس ہوا کہ ایک ایسی کتاب کے ترجمے میں وقت صرف کیا جو یقیناً بنیاد کے طور پر بھی رکھے جانے کے لائق نہ تھی - مصنف کی چند خصوصیات نہایت تعجب انگیز ہیں - مثلاً:

۱- محض سرسری شنید پر اعتماد اور تحقیق سے بے نیازی -

۲- عجائب پسندی - جو واقعہ جتنا زیادہ مرقع عجائب ہوتا اتنا ہی زیادہ قابلِ اعتنا ہے اور اس سلسلے میں بعض واضح حقائق بھی وہ بھول جاتا ہے -

۳- دینی معاملات میں بہت عامیانہ ذوق ہے حالانکہ اپنے دور کا وہ بہت بڑا عالم مانا جاتا تھا -

جس کی بہار یہ ہو، پھر اس کی خزاں نہ پوچھ

خصوصاً تفسیر کے سلسلے میں عموماً اسرائیلی افسانوں پر اعتماد -

۴- ترتیب مطالب سے بے پروائی اور تکرار و اعادہ پر زور -

بلا شبہہ بعض مطالب میں اسے یگانہ حیثیت حاصل ہے، لیکن غوریوں یا خراسان کے متعلق بعض خاص معلومات کی خاطر اتنی بڑی کتاب کون پڑھے گا؟ میں نے حواشی لکھنے کی کوشش کی کہ مطالب بہتر، پختہ تر اور مفید تر ہو جائیں لیکن کیا کہا جا سکتا ہے کہ ادارہ قبول کرے یا نہ کرے؟ اور حواشی بہ ہر حال متن سے بڑھ تو نہیں سکتے - اب جو کچھ ہو چکا ہے، اس پر تاسف سے کیا فائدہ؟

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جور ناخدا کہیے

کتابوں کی کتابت و طباعت کا آپ کو یقیناً خیال ہوگا اور دوسرے اصحاب کو خیال رہا، مگر میں تو نفس طباعت کتب ہی کو غنیمت سمجھتا تھا اور نیاز صاحب (۱) سے معاملہ صرف محبت کی بناء پر نہیں - آپ اندازہ نہیں فرما سکتے کہ نیاز نے مجھ پر کتنے احسان فرمائے ہیں - اور اس زندگی میں جن چند انسانوں کے لطف و کرم کا میں سب سے بڑھ کر ممنون ہوں، ان میں نیاز اگر سب سے پہلے نہیں آتا تو کسی سے پیچھے بھی نہیں - پھر لطف و کرم کا بھی ایک خاص انداز ہے - ایسا انداز جس کا

Marfat.com

عام لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ احسان کا کبھی احساس نہ ہو سکے اور محسن احسان مند نظر آئے۔ نیاز اتنا بلند انسان ہے کہ میں اس دور میں ایسے آدمی کا پیدا ہونا اللہ کی خاص رحمت سمجھتا ہوں۔ واللہ علیٰ ما اقول شہید۔ اس جیسا دیانت دار کاروباری بھی نہیں مل سکتا۔ آپ یقین رکھیں کہ وہ میری کسی مصلحت پر اپنی مصلحت مقدم نہیں رکھ سکتا، اگرچہ بظاہر کسی کو کچھ نظر آئے۔

زندگی میں ایک نہایت اہم منزل ''اطمینان قلب'' کی منزل ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے سوال کیا تھا کہ کیف تحی الموتی (۲) تو پوچھا گیا تھا اولم تومن؟ کیا تجھے اس پر ایمان نہیں؟ جواب دیا۔ ولکن لیطمئن قلبی ۔ ہے مگر اطمینان قلب چاہتا ہوں۔ نفس ایمان کے بعد ہی اطمینان قلب مطلوب ہے۔ نیاز کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ میرے لیے باعث اطمینان قلب ہے۔ میں سوتا ہوں تو اپنی کسی بات کے لیے فکر مند نہیں ہوتا خصوصاً مطبوعات کے لیے۔ جاگتا ہوں تو مجھے کسی دوست اور نگرانی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ یہ دولت مجھے اللہ کے فضل کے بعد صرف نیاز کی بدولت حاصل ہے۔ ہم سمجھتے تھے کہ نارووال نے مبارک علی (الحاج شیخ) سے بڑا آدمی پیدا نہیں کیا۔ اس کی خصوصیات بھی بالکل نادر ہیں۔ لیکن نیاز بفضل اللہ بڑھ گیا۔ بھائی مجھے معلوم نہیں انعام اللہ خاں ناصر مرحوم (۳) نے فلسطین کی کس کانفرنس کا ذکر کیا؟ میں نے وہ کتاب دیکھی نہیں لیکن میں اس موتمر اسلامی فلسطین (فلسطین مسلم کانگرس) میں شریک ہوا۔ جو دسمبر ۱۹۳۱ء میں منعقد ہوئی تھی۔ میرے گھر میں آپ نے جو تصویریں دیکھیں، وہ اسی موتمر کی ہیں۔ ممکن ہے ناصر صاحب کی کتاب میں آپ نے جو ذکر پڑھا وہ کسی دوسری کانفرنس کا ہو۔ سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین نے ۱۹۲۲ء سے ۱۹۳۹ء تک کئی کانفرنسیں منعقد کیں۔ ۱۹۳۹ء میں فلسطین سے اس لیے نکل گئے تھے کہ جرمنوں سے ساز باز کر کے وہ یہودیوں کا خاتمہ کرانا چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ عراق و ایران ہوتے ہوئے جرمنی چلے گئے۔ فرانس میں بھی رہے اور بعد از جنگ محض حسن اتفاق سے بچ کر مصر پہنچ گئے۔ اب تک وہیں مقیم ہیں (آجکل لبنان میں ہیں۔)

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دعا گو

مہر

Marfat.com

حواشی خط نمبر۹۲

۱۔ شیخ نیاز صاحب-آپ ناشر شہیر شیخ غلام علی کے بیٹے ہیں اور آج کل آپ ہی ''شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز'' کے مہتمم ہیں-ان سے مراسم اور ان کے احسانات پر تو مولانا نے خود ہی روشنی ڈالی ہے-البتہ ''رسول رحمتﷺ'' کے حرف آغاز میں بطور تحدیث نعمت شیخ نیاز صاحب کے احسانات کے اعتراف میں عرفی کا یہ شعر لکھا ہے:

یک منعم و یک نعمت و یک منت و یک شکر
صد شکر کہ تقدیر چنیں راندہ قلم را

یوں سمجھئے کہ شیخ نیاز احمد صاحب نے مولانا کو دنیوی ضروریات وحوائج سے بے نیاز کر رکھا تھا-

۲- سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۶۰ میں تینوں ٹکڑے شامل ہیں جن کا ترجمہ اس طرح ہے-
''تو کیسے زندہ کرتا ہے مردوں کو-۲- کیا تم کو اس پر یقین نہیں-۳-لیکن تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل-''

۳- ''آشوب فلسطین'' از انعام اللہ خاں ناصر مطبوعہ کتب خانہ احسان الٰہی بیرون دہلی دروازہ لاہور-۱۹۳۹ء میں مطبوعہ موتمر کی ایک تصویر کے سلسلے میں وضاحت کی گئی-

(۹۳)

GHULAM RASUL MIHR

۲۷۲-گرین ولا سپلائی
ایبٹ آباد
۲۷-اگست ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- آپ میری بات کا یقین فرمائیں- میرے سامنے حالات کا جو نقشہ ہے، اس میں بفضل اللہ کسی نوع کے سوء ظن کی کوئی گنجائش نہیں اور میں اپنے تمام عزیزوں کے معاملے میں اطمینان قلب پر کاربند ہوں کہ اگر یہ دولت چھن جائے تو عزیز داری کے معنی ہی کچھ نہیں رہتے- اس سے بہتر ہے کہ انسان پوری زندگی بیگانگی میں گزارے- فرینکلن نے اپنی مطبوعات

Marfat.com

کے سلسلے میں خاص اہتمام کیا تھا- مثلاً جب انسائیکلو پیڈیا چھپا تھا تو فرینکلن کے پاس کاغذ تھا جوارزاں نرخ پر مل گیا اور طباعت اچھی ہوگئی- اسی طرح فرینکلن کتابوں کی فروخت میں بھی بہت بڑا حصہ لیتا ہے- تنہا پبلشر کی ذمہ داری پر کتابیں چھپنا اور بکنا ذرا زیادہ محنت، توجہ، اہتمام اور لمبے وقت کا محتاج ہے- تاہم بعض اوقات ایسا بھی ہوتا رہا کہ کاغذ ہی ناپید تھا اور جو ملا وہی لگا کر گزارا کیا گیا- ''سرودرفتہ'' بڑی اچھی چھپی-

غرض، میں فی الحال اس قسم کے معاملات سے بالکل الگ ہوں- جو کچھ وہ کرتے ہیں، میرے نزدیک عین مطابق مصلحت کرتے ہیں اور مصلحت اپنی نہیں مقدم میری-

بارش کی خرابی کا کچھ اندازہ پہلے بھی تھا- میرا مکان بفضل اللہ ایسی جگہ ہے، جہاں پانی جمع ہی نہیں ہوسکتا لیکن میرے پچھلے کمروں میں سے ایک کی دو کڑیاں گر گئیں اور وہ بدلنی پڑیں- اللہ اپنا رحم فرمائے- خدا کا شکر ہے کہ آپ کو بھی اطمینان نصیب ہوا- اب ''پریشانی کی رات'' کے بارے میں کچھ پوچھنا میرزا غالبؔ کے اس شعر کا ہم معنی ہے:

سفینہ جبکہ کنارے پہ آلگا غالبؔ
خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

لیکن محض اطمینان قلب کے لیے پوچھتا ہوں کہ کیا ہوا تھا؟ آپ تو عین پانی کی زد میں تھے؟

علامہ اقبال مرحوم ومغفور کا پیر طریقت (۱) میرے علم کی حد تک کوئی نہ تھا- البتہ بعض لوگوں سے وہ عقیدۃً ملتے رہے مثلاً میاں صاحب شرق پور والے- ایک زمانے میں غوث علی شاہ قلندرؒ کے خلیفہ مولانا گل حسن سے بھی خاصی عقیدت تھی- میرے علم کی حد تک انہوں نے تصوف کے عام اور مروج طریقے کے مطابق کسی کی بیعت نہ کی اور میں سمجھتا ہوں اس کی ضرورت بھی نہ تھی-

فاروق لاہور چلا گیا- صرف امجد (چھوٹا) اور طارق میرے ساتھ ہیں- قصد یہ ہے کہ ۲ کے بعد نکلوں، ۱۳ یا ۱۵ تک، ایک دو روز راولپنڈی ٹھہرتا ہوا لاہور پہنچ جاؤں ان شاء اللہ-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
دعاگو
مہرؔ

Marfat.com

حاشیہ خط نمبر ۹۳

۱- مضمون ''علامہ اقبال اور سلسلہ ریشیت'' از کلیم اختر مطبوعہ سہ ماہی اقبال، بزم اقبال کلب روڈ لاہور- شمارہ اکتوبر ۱۹۹۳ء میں قاضی سلطان محمود قادری (م ۱۹۱۹ء) آف اعوان شریف کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کا ذکر کیا گیا ہے- (راقم نے اس مضمون کے ہم رشتہ قاضی سلطان محمود کی تصویر بھی چھپوادی تھی)

(۹۴)

۲۷۳- گرین ولا سپلائی

ایبٹ آباد

۴- ستمبر ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- معاف کیجیے، جو کاغذ سامنے تھا وہی اُٹھا کر لکھنا شروع کر دیا-

میرا مقصد یہ نہ تھا کہ آپ نے خدانخواستہ وسوسہ انگیزی فرمائی- معاذ اللہ آپ کے متعلق ایسی بات خیال میں بھی نہیں آ سکتی- میں نے ویسے ہی اپنی عادت بیان کی تھی کہ مجھے جن لوگوں سے محبت ہے، ان کے بارے میں ہمیشہ حسن ظن کا پہلو اختیار کرتا ہوں، نہ کہ سوءظن کا-

غالباً امام جعفر صادقؒ کا قول ہے- کہ اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک ایمان کا تو میں ایمان کے پہلو کو ترجیح دیتا ہوں- جن اصحاب کو انسانی ذہنیت کے عجائب کا کچھ بھی علم ہے کلمہ حق کی تبلیغ کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، ان کی کیفیت یہی ہونی چاہیے- حسن ظن بہ بہر حال مقدم ہے- میں اسی پر کاربند ہوں-

فارسی ادب میں ''نہ آسمان'' (۱) عام ہے مثلاً ظہیر فاریابی (۲):

نہ کرسی فلک نہد اندیشہ زیرپا
تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

میرے پاس کوئی کتاب نہیں جس سے مزید سندیں پیش کر سکتا- غور و فکر کے لیے وقت نہیں ملتا- دماغ اتفاقات کی بناء پر برابر مصروف رہتا ہے- ظہیر کا شعر اتفاقیہ یاد آ گیا- رہا یہ امر کہ انہوں نے نہ آسماں یا نہ فلک کیوں قرار دیے- اس کے متعلق فی الحال کچھ ذہن میں نہیں- لیکن

Marfat.com

آپ نے عجیب سوال کیا-''سبع سمٰوٰت'' سے سات آسمان مراد ہی کب ہیں؟ مسلمان جنہیں سات آسمان سمجھتے رہے ان سے مراد سات سیارے تھے- لیکن سیارے بھی سات نہیں رہے بلکہ آٹھ یا نو ہو گئے- پلوٹو کا اضافہ ان میں ہو گیا اور ابھی معلوم نہیں کتنے اور سیارے نکل آئیں-

فلکیات واجرام سماوی کے بارے میں پرانی تعبیرات پر جمے رہنا تو میرے نزدیک تعجب انگیز ہے- یہ دور تو مدت ہوئی گزر چکا ہے- بطلیموسی (۳) نظام کو درہم برہم ہوئے بھی چار پانچ سو سال ہو گئے لیکن مسلمان ابھی تک اسی پر قائم چلے جاتے ہیں- میرے پاس حافظ کا ایک دیوان ہے جس کے حاشیے پر کسی نے بعض اشعار کی مختصر شرح بھی لکھی ہے- ایک روز میں اسے دیکھ رہا تھا- ایک شعر پڑھا:

جرعہ بادہ (۴) بریں تخت رواں بفشانم
غلغل چنگ دریں گنبد مینا فگنم

بڑی کیفیت طاری ہوئی- حافظ بعض اوقات عجیب شعر کہہ جاتا ہے- اتفاقیہ حاشیے پر نظر پڑی- مرقوم تھا:''مراد از تخت رواں (۵) آسمان است''- میں نے برابر پنسل سے لکھ دیا''چرا زمین نیست''؟ بس وہی بطلیموسی فلکیات کا جمود حالانکہ جو زمین گردش میں ہے اس کے لیے''تخت رواں'' کی تعبیر نہایت دلکشا تھی- پھر غریب شارح کو شراب نوشوں کا یہ قاعدہ معلوم نہیں کہ شراب پی کر آخری گھونٹ زمین پر ڈال دیتے ہیں- حافظ یہی بیان کر رہا تھا اور شارح نے اس کے شعر کا ستیاناس کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی-

حاشا، سبع سمٰوٰت سے سات آسمان مراد نہیں- زیادہ سے زیادہ سات بلندیاں مراد لی جا سکتی ہیں- احادیث خصوصاً احادیث معراج میں آسمانوں کا جو ذکر ہے، اس سے بھی قطعاً یہ مراد نہیں کہ مختلف آسمان ہیں، جن پر مختلف پیغمبر بیٹھے ہیں- وہ ماورائے ادراک چیزیں ہیں، جن پر ایمان محکم ہے، تعبیر معلوم نہیں- لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ بطلیموسی نظام درست تھا یا جو تعبیرات مسلمان اب تک کرتے رہے انھیں مسلم مان لینا چاہیے-

امام رازی (۶) سکندر یونانی کو ذوالقرنین قرار دیتے تھے- دورِ حاضر کے ایک مشہور فلسفی عالم (۷) نے ان کا تخطیہ دیکھا تو لکھا ایسا نہ کہو- سکندر یونانی کے بارے میں ابھی سب کچھ معلوم ہی کب ہوا ہے حالانکہ اس کی بت پرستی اور ظلم دنیا پر آشکارا ہے اگرچہ فاتح بہت بڑا تھا- اگر ابھی سب کچھ معلوم ہی نہیں تو اسے کیوں کر ذوالقرنین مانا گیا؟ اس کی دلیل کیا ہے؟ یہ باتیں غلط

Marfat.com

ہیں۔ہمیں صرف صحیح باتیں ماننی چاہییں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

میں ۱۲-۱۳ تک یہاں سے چلنے کا عازم ہوں۔ اِن شاء اللہ

حواشی خط نمبر ۹۴

۱۔ میں نے گزارش کی تھی کہ علامہ اقبال نے ''مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق'' کے دو اشعار میں ''نُہ آسمان'' کا لفظ استعمال کیا ہے:

دیگر این نُہ آسمان تعمیر کن
بَر مرادِ خود جہاں تعمیر کن
الاماں از گردشِ نُہ آسماں
مسجدِ مومن بدستِ دیگراں

جب کہ قرآنِ مجید میں ''سبع سمٰوات'' (سات آسمان) کا ذکر ہے۔ یہ دلچسپ اور قابلِ قدر وضاحت اسی استفسار کے جواب میں کی گئی۔

۲۔ ظہیر فاریابی۔ خطاب صدر الحکماء، لقب ظہیر الدین، کنیت ابوالفضل، نام طاہر اور تخلص ظہیر ہے۔ باپ کا نام محمد تھا۔ علوم ریاضی، نجوم اور فلسفہ میں مہارت کی وجہ سے اس کا خطاب صدر الحکماء مشہور ہو گیا۔ ظہیر فاریاب کا باشندہ تھا جو طالقان اور شبرغان (شمالی افغانستان) کے عین درمیان واقع تھا۔ تاتاریوں نے اسے بالکل تباہ کر دیا اور اب اس کا کوئی نشان موجود نہیں۔ ظہیر مشہور قصیدہ گو شاعر تھا۔ غزل کے پیشروؤں میں بھی شامل ہوتا ہے۔ دقتِ معانی، روانی و لطافت اور شاعرانہ مبالغہ آرائی اس کے کلام کی خصوصیات ہیں۔ اس کے دیوان کے متعلق کسی نے کہا تھا:

دیوانِ ظہیر فاریابی
در مکہ بہ دُزدگر بیابی

ظہیر فاریابی کا دیوان مطبع منشی نولکشور کانپور سے اکتوبر ۱۹۱۶ء میں بار دوم چھپا۔ اس کی لوح اسی شعر سے مزین ہے۔ طہران سے بھی اس کا دیوان بہ تصحیح ہاشم رضی چھپ چکا ہے۔

۳۔ بطلیموس۔ مشہور یونانی، ماہر ہیئت و ریاضیات و جغرافیہ۔ اس نے ہیئت کا بطلیموسی نظام پیش کیا تھا

Marfat.com

جو زیادہ تر ''ابرخس'' کے تصورات پر مبنی تھا- اس نظام میں کرۂ ارض کو کائنات کا ساکن مرکز تصور کیا گیا تھا جس کے گرد سورج اور دیگر اجرامِ فلکی گردش کرتے تھے (اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا)

۴- مطبوعہ ایڈیشنوں میں بادہ کی جگہ جام ہے- (رک- نسخہ مطبوعہ منشی نولکشور لکھنو و نسخہ مطبوعہ ایران مرتبہ ابوالقاسم انجوی شیرازی مع کشف الابیات و کشف اللغات)

۵- میرے کتب خانہ میں دیوانِ حافظ کے متعدد نسخوں میں ایک نسخہ مطبع منشی نولکشور لکھنو کا ۱۸۸۵ء کا مطبوعہ بھی ہے- اس میں بھی لکھا ہے کہ ''تختِ رواں کنایہ از آسمان است---۱۲ بُرہان'' عین ممکن ہے کہ مولانا کے پیش نظر بھی یہی ایڈیشن ہو- یہ نسخہ اس لحاظ سے بھی قابلِ قدر ہے کہ اس کی کتابت مشہور خوش نویس منشی شمس الدین اعجاز رقم کی مرہونِ منت ہے اور حواشی منشی ہادی علی خاں کے قلم سے ہیں، جو اپنے زمانے کے عالم بے بدل تھے- عربی اور فارسی پر انھیں عبور حاصل تھا- بہت سی کتابوں پر حواشی اور شروح لکھیں- ۱۲۸۱ھ میں فوت ہوئے اور بجنور میں آخری آرام گاہ بنی (المغنم البارد)

۶- امام رازی (فخر الدین ابوعبداللہ محمد) نامور مسلمان فلسفی، کلامی اور مفسرِ قرآن، رے میں پیدا ہوئے- تعلیم سے فارغ ہو کر شافعی مذہب اور اشعری مسلکِ فکر اختیار کیا- فلسفہ اور مذہب میں تطبیق پیدا کرنے کو زندگی کا نصب العین بنا لیا- عربی و فارسی میں کم و بیش اسی (۸۰) کتابوں کے مصنف ہیں- کئی کتب فلسفہ کی شروح لکھیں- تفسیر کبیر، امام رازی کا شاہکار ہے- یہ پہلی تفسیر ہے جس میں علمی انداز کی فلسفیانہ بحثیں ہیں- جو لوگ قرآنِ مجید میں خالص فلسفیانہ حیثیت سے غور و فکر کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے یہ تفسیر مشعلِ ہدایت کا کام دے سکتی ہے- بقول منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور و مصنف اسلامی انسائیکلو پیڈیا ''تفسیر مذکور درایت میں اعلیٰ درجہ کی تفسیر ہے- البتہ روایت میں کم پایہ ہے-'' امام صاحب نے ۶۰۶ھ میں یکم شوال بروز عید الفطر بمطابق ۲۹ مارچ ۱۲۱۰ء دوشنبہ کے دن ہرات میں وفات پائی- امام رازی کی اُردو میں مفصل سوانح عمری ''امام رازی'' مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی دارالمصنفین اعظم گڑھ سے ۱۹۵۰ء میں چھپ چکی ہے-

۷- فلسفیِ عالم سے یہاں مراد غالباً مولانا ابوالکلام آزاد ہیں- جنھوں نے تفسیر ''ترجمان القرآن'' میں سورہ کہف کی آیات نمبر ۸۳ تا ۹۸ کے حواشی میں موجودہ اکتشافات کی روشنی میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے-

Marfat.com

(۹۵)

باسمہ سبحانہ

عزیزی- آپ نے معین چیزیں (۱) پوچھی ہیں، جن کے لیے کتاب کا سامنے ہونا ضروری ہے- میرے سامنے کتاب موجود نہیں اگر گھر میں ہے تو نکالوں گا، اگر نہیں تو منگواؤں گا، پھر کچھ عرض کر سکوں گا- ''تیر کا دل میں ترازو ہونا'' عام محاورہ ہے- حقیقتہً ترازو ہونا اسے کہتے ہیں کہ تیر دل میں لگے اور اس طرح کہ نصف اندر چلا جائے اور نصف باہر رہے اور اس سے مراد دل میں کسی چیز کا چھید ڈالنا ہوتا ہے- عام محاورے کی تشریح ضروری نہ تھی- اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں-

مفصل جواب میں یقیناً تاخیر ہوگی کیونکہ میں مسودے پر نظر ثانی میں وقت صرف کرنے پر مجبور ہوں- وہ ختم ہو جائے تو بہ اطمینان دوسری باتوں پر غور کروں- گھبرائیں نہیں- آپ کا لفافہ محفوظ ہے اب صرف کارڈ لکھیں-

مہر

جناب محمد عالم مختار حق صاحب
جھگیاں ناگرہ، ڈاک خانہ ڈھولن وال
براہ اچھرہ ضلع لاہور

حاشیہ خط نمبر ۹۵

۱- آپ کی کتاب ''مطالب بال جبریل'' مطبوعہ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۶ء کے مطالعہ کے بعد بعض استفسارات کیے گئے تھے- ظاہر ہے جواب کے لیے کتاب کا سامنے ہونا لابدی امر تھا-

(۹۶)

۲۰-اکتوبر ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- میری حالت آپ دیکھتے تو یقیناً مجھ پر آنسو بہاتے- دو پھوڑے جائے نشست پر نکلے ہوئے ہیں اور بیٹھنا مشکل ہے- پھر چڈے میں بائیں جانب زخم ہو کر پیپ بہ رہی ہے اور میں ایک قدم بھی چلوں تو ٹیس سے جان نکلتی ہے- لیکن صبح اُٹھ کر دفتر میں آ بیٹھا کہ کام ختم ہو

Marfat.com

جائے اور میں مسودہ حوالے کر سکوں- متعدد شجرے لکھوانے ہیں- ساتھ ہی ابھی سوا سو صفحے کے قریب مسودہ پڑھنا باقی ہے- سب سے بڑھ کر یہ کہ مقدمہ لکھنا ہے، بہت ہی پریشان ہوں-

راجا حسن اختر مرحوم (۱) کے تعلقات میرے علم کی حد تک علامہ اقبالؒ سے اس وقت ہوئے، جب وہ لاہور میں ای اے سی یا ایسے ہی کسی عہدے پر مامور ہوئے تھے اور یہ مرحوم علامہ کے بالکل آخری دور کا معاملہ ہے- مجھے کچھ معلوم نہیں کہ وہ کب مرحوم کے ارشد تلمیذ بنے تھے- علامہ کی زندگی کے آخری دو تین برسوں میں راجا صاحب کی آمد و رفت زیادہ تر رہی- یہ بھی معلوم نہیں کہ انہوں نے کوئی کتاب لکھی یا کوئی خاص کام انجام دیا- البتہ علامہ مرحوم کے اشعار کی ایک خاص وضع کی شرح وہ ضرور کرتے تھے، میں نے یہ شرح بھی کبھی نہ سنی- صرف لوگ بتاتے تھے کہ وہ ایسی شرح کرتے تھے-

علامہ مرحوم کے کلام کی تعبیر و تشریح کی دو صورتیں ہیں- اول یہ کہ ان کے کلام کو اسلام کے پس منظر میں رکھ کر دیکھا جائے لیکن وہ عالمگیر اسلام جو رسول اللہ ﷺ اس دنیا میں لائے اور مقصود یہ تھا کہ دنیا اس پر کاربند ہو جائے- دوسری تعبیر و تشریح وہ ہے جو ۱۹۴۷ء سے کچھ مدت پیشتر ہونے لگی اور اس میں میرے علم و تاثر کے مطابق اسلام کے عالمگیر اصول کے بجائے اسے ''فرقہ وار'' صورت دے دی گئی تھی- میرے علم کی حد تک نہ علامہ مرحوم ایسے اسلام کے کبھی قائل ہوئے اور نہ ان کے کلام کی ایسی تعبیر و تشریح سود مند ہو سکتی ہے- اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں اس کی مثالیں پیش کر کے آپ کو بتاتا-

چند روز میں میرا کام ختم ہو جائے اور مسودہ دے دوں تو اک گونہ فراغت سی محسوس کروں گا- اس وقت آپ آئیں تو کچھ عرض کروں گا لکھنا مشکل ہے، طبیعت بہت گھبراتی ہے-

میں اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا کہ راجا صاحب مرحوم علامہ اقبالؒ کے کلام کے بہترین شارح تھے- اس دنیا میں صرف ایک شخص تھا، جس نے حضرت مرحوم کی صحبت میں سب سے بڑھ کر وقت گزارا اور جسے علامہ مرحوم کے تمام افکار و مقاصد کلام سے آگاہی تھی اور وہ چودھری محمد حسین مرحوم تھے- دوسرا کوئی شخص میرے علم میں نہیں- چودھری صاحب سے بھی جو پوچھئے، وہ عام اسلامی رنگ میں تھا نہ کہ فرقہ وارانہ رنگ میں- اگرچہ علامہ مرحوم کو مسلمانوں کی مادی و روحانی و ذہنی فلاح و برتری سے گہری دلچسپی تھی، لیکن وہ اسلام کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کے روادار نہ ہو سکتے تھے-

Marfat.com

میں ایبٹ آباد میں تھا تو حامد علی خاں صاحب نے ادبی دنیا والوں سے کہہ کر مجھے ایک خط لکھوایا تھا- میں نے کہا تھا کہ لاہور آ کر مضمون لکھ سکتا ہوں انہوں نے اصرار کیا کہ فوراً لکھو ہمیں ادبی دنیا میں چھاپنا ہے- اگر وہ مقالہ پڑھا گیا تو وہ ادبی دنیا کے خاص نمبر (۲) میں چھپے گا- میرے پاس اس کی کوئی کاپی نہیں- قلم برداشتہ ایک گھنٹے میں مضمون لکھ دیا تھا- اگر کوئی اور تھا تو اس سے میں آگاہ نہیں- میرے مقالہ کے آغاز میں شعر تھا:

شمع کی طرح جئیں بزمگہ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

عفو خواہ ہوں- میری حالت واقعی قابل رحم ہے-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
مہر

حواشی خط نمبر ۹۶

۱- راجا حسن اختر کے انتقال (۱۵ر اکتوبر ۱۹۶۴ء) پر مقامی اخبارات ''مشرق'' اور ''امروز'' میں انھیں تلمیذ اقبال اور مفسر کلام اقبال کے خطابات سے نوازا گیا تھا- انھیں خطابات کی توثیق کے لیے عریضہ لکھا گیا تھا- راجا حسن اختر کی پیدائش تحصیل کہوٹہ ضلع راولپنڈی میں ۲۳- فروری ۱۹۰۱ء کو ہوئی تھی- طبیعت میں اسلامیت اور آزادی کا خاص جوش تھا- جو حضرت علامہ اقبال سے وابستگی کا باعث بنا- حضرت علامہ اقبال کی آخری بیماری کے دنوں میں ان کی خدمت گزاری بھی دل و جاں سے کی اور ان کے مزار کی تعمیر میں بھی سرگرمی سے حصہ لیا- مسلم لیگ کی تنظیم کے لیے برابر کوشاں رہے- آپ سی ایس پی افسر تھے اور وقتاً فوقتاً صدر مغربی پاکستان کنونشن مسلم لیگ، رکن قومی اسمبلی اور صدر مجلس اقبال بھی رہے- وفات دل کے دورہ سے ہوئی اور درگاہ سخی سرور کہوٹہ میں آخری آرام گاہ بنی-

۲- مولانا صلاح الدین احمد (متوفی ۱۴ جون ۱۹۶۴ء) مدیر ''ادبی دنیا'' لاہور کے انتقال پر حلقہ اربابِ اُردو لاہور'' کے تعزیتی اجتماع میں مرحوم پر جو مقالات پڑھے گئے ان میں مولانا مہر کا مقالہ بھی شامل تھا- یہ مقالہ بعدازاں ''ادبی دنیا'' دور ششم ۱۹۶۵ء، بیاد گار مولانا صلاح الدین احمد میں چھپ گیا- یہ مقالہ اس کے بعد روزنامہ ''مشرق'' لاہور میں بھی ۱۳ر جون ۱۹۶۵ء کو چھپ گیا-

Marfat.com

(۹۷)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۸-نومبر۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- مجھے کسی زمانے میں اس موضوع سی دل بستگی تھی- اب مدت سے یہ کوچہ چھٹ چکا ہے اور چند مشہور بزرگوں کے سوا کسی کے حالات سے میں واقف نہیں-

شیخ طاہر بندگی (۱) کے حالات اولیا کے تذکروں میں اختصاراً مرقوم ہیں- مثلاً خزینۃ الاصفیا جلد اول ص ۶۸۹ ''تحقیقات چشتی'' طبع قدیم صفحہ ۱۶۳- کنہیالال نے بھی تاریخ لاہور میں کچھ حالات دیے ہیں- مثلاً یہ کہ شیخ موصوف قادری سلسلے میں بیعت ہوئے تھے- سنہ ۱۰۴۱ھ میں وفات پائی- قبر میانی صاحب میں ہے- تحقیقات اور ''خزینہ'' میں زیادہ حالات ہیں مثلاً:

۱- وہ پہلے شیخ سکندر بن شیخ کمال کیتھلی سے سلسلہ قادریہ میں بیعت ہوئے-

۲- پھر شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی کے والد ماجد شیخ عبدالواحد سے وابستہ ہو گئے-

۳- آخر میں شیخ احمدؒ سے سلسلہ مجددیہ میں بیعت ہوئے اور ان کے حکم سے لاہور آئے-

۴- لاہور پہنچ کر شیخ طاہر نے تعلیم و تدریس اور روحانی فیوض کا سلسلہ جاری کر دیا- فقہ و حدیث کی کتابیں نقل کر کے جو کچھ ملتا، اس سے گزارہ کرتے- اغنیاء سے ملاقات کا دروازہ بند کر لیا تھا-

۵- دونوں کتابوں میں شیخ طاہر کا ایک مکتوب بنام شیخ احمدؒ تبرکاً درج کیا گیا ہے-

۶- ایک واقعہ یہ بتایا جاتا ہے کہ مجدد صاحب کے فرزندان ارجمند خواجہ محمد معصومؒ اور خواجہ احمد سعیدؒ کو پڑھاتے تھے- پھر سرہند ہی میں ایک کھترانی (پر) عاشق ہو گئے اور اس جنون نے یہاں تک غلبہ حاصل کر لیا کہ اسلام چھوڑ کر ہندو بن گئے، زنار پہنا- پھر مجددؒ صاحب کی دعا سے از نو راہ ہدایت پائی- مسلمان ہوئے اور درجہ کمال پر پہنچے-

۷- ان کتابوں میں مرقوم ہے کہ ۸ محرم سنہ ۱۰۴۰ھ کو بروز پنجشنبہ بوقت چاشت وفات

Marfat.com

پائی - یعنی ۷ /اگست سنہ ۱۶۳۰ء کو بہ عہد شاہ جہاں - میں نے دن کا حساب کیا تو از روے تقویم تو پنجشنبہ (یعنی جمعرات) یا تو ٦ محرم کو تھا یا ۷ کو - ممکن ہے تاریخ لکھنے والوں کو اشتباہ ہو گیا ہو یا حساب میں کوئی غلطی رہ گئی ہو - ایک دن کا فرق عموماً قابلِ توجہ نہیں مانا جاتا - دن یقیناً پنجشنبہ ہی ہوگا -

بس فی الحال میری معلومات اتنی ہی ہیں اور وہ بھی آپ کی خاطر سے بعض کتابیں فوراً دیکھیں - ممکن ہے داراشکوہ کی کتاب میں بھی کچھ حالات درج ہوں اس وقت دور پڑی ہے اور اٹھنے کی ہمت نہیں - اگر یہ خط صبح ڈاک میں ڈالا اور موقع مل گیا تو لکھ دوں گا ورنہ آپ دیکھ لیں - لطیف کی تاریخ لاہور اس وقت ملی نہیں کہیں رکھ کر بھول گیا ہوں - مہربانی فرما کر اسے بھی دیکھ لیں لیکن ''تحقیقات'' اور ''خزینہ'' سے زیادہ حالات ملنا میرے نزدیک غیر اغلب ہے -

شیخ طاہر کی عمر صرف ۵٦ (پنجاہ وشش) بتائی گئی ہے - اس حساب سے سال ولادت سنہ ۹۸۴ھ بنتا ہے یعنی سنہ ۱۵۷٦ء گویا اکبر کے عہد میں پیدا ہوئے اور شاہ جہاں کے عہد میں وفات پائی - میرا خیال تھا کہ عمر زیادہ ہونی چاہیے تھی - پہلے شاہ سکندر کیتھلی سے وابستہ ہوئے - پھر شیخ عبدالواحد والد ماجد حضرت مجدد، سے پھر حضرت مجدد سے فیض پا کر خلیفہ بنے اور لاہور میں متعین ہوئے - اتنی تھوڑی عمر میں یہ تمام مرحلے طے کر چکنے سے اندازہ ہوتا ہے:

۱- ابتدا ہی میں یہ مشغلہ اختیار کر لیا ہوگا -

۲- دماغ بہت اچھا ہوگا کہ تحصیل علوم کے بعد شیخ مجدد کے صاحبزادوں کے اتالیق بن گئے -

۳- روحانی حدت وتیزی بھی کمال پر ہوگی کہ اتنی جلدی مراحل روحانی طے کر لیے -

۴- یہاں پہنچ کر حسن عمل سے دائرہ اثر بھی اچھا پیدا کر لیا - خزینۃ الاصفیا میں ہے:

''بہ ارشاد طالبان وتلقین ایشاں شب وروز مصروف می ماند - چنانچہ ہزار در ہزار خلق اللہ از یمن توجہ آں ولی اللہ بہ مقامات بلند رسیدند - آخرکار قطبیت خطہ پنجاب بوے تفویض گشت''

خزینہ میں ہے کہ کتب ''فقہ وحدیث'' نقل کرتے تھے - تحقیقات میں کتب ''حدیث و تفسیر'' مرقوم ہے - تحقیقات میں ہے نام طاہر تھا - کمال شاہ کیتھلوی نے ''بندگی'' لقب عطا کیا اور طاہر بندگی مشہور ہوئے - مقبرے کی کیفیت تفصیل سے تحقیقات میں درج ہے -

میں قدرے اچھا ہوں - آپ فکر نہ کریں -

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

Marfat.com

حاشیہ خط نمبر ۹۷

۱- ہمارے مرحوم ومغفور دوست سید بشیر حسین گیلانی معروف بہ بشیر ہندی (متوفی ۱۵ جون ۱۹۸۶ء) مالک گیلانی پریس وسجادہ نشین درگاہ حضرت شیخ محمد طاہر بندگی لاہور، حضرت طاہر بندگی کے سوانح حیات مرتب کر رہے تھے۔ انھیں مہؔر صاحب سے میرے نیاز مندانہ روابط کا علم تھا۔ لہٰذا مہؔر صاحب کی معلومات سے استفادہ کی خاطر آں عزیز کی فرمائش پر یہ عریضہ لکھنا پڑا۔ بشیر ہندی بذاتِ خود مذاق سلیم کے حامل، علم دوست اور اہلِ علم کے قدردان تھے اور اس سلسلے میں وہ بہت فیاض واقع ہوئے تھے۔ عموماً گیروے رنگ کا لباس اور کپڑے کی ٹوپی استعمال کرتے تھے۔ ان کے والد سید مبارک علی شاہ گیلانی مولوی فاضل کے صوفی عبدالمجید پرویں رقم سے خصوصی مراسم تھے اور ان کی گیلانی بک ڈپو مزنگ (مزنگ) لاہور سے شائع ہونے والی متعدد کتابوں کے سرورق پرویں رقم کے کتابت شدہ ہیں۔ پرویں رقم نے مشہور قطعہ:

یاد داری کہ وقتِ زادنِ تو
ہمہ خنداں بُدند و تو گریاں
آں چناں زی کہ وقتِ مُردنِ تو
ہمہ گریاں بوند و تو خنداں

جناب سید مبارک علی شاہ گیلانی کی خدمت میں نہایت خوبصورت انداز میں کتابت کر کے پیش کیا جو ان کی محبت وعقیدت کا شاہکار ہے۔

(۹۸)

GHULAM RASUL MIHR
MUSLIM TOWN
LAHORE

۱۸-نومبر ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم: آپ نے جو کچھ لکھا (۱) اس نے مجھے غور وفکر میں ڈال دیا۔ ایسا کوئی واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا۔ کل میں نے احتیاطاً بعض مفصل کتابیں بھی دیکھیں، جن میں حضرت صدیقؓ کے حالات ذرا زیادہ وسیع پیمانے پر مرقوم تھے، لیکن ایسا کوئی واقعہ مجھے نہ مل سکا، یہاں تک کہ ''ازالۃ الخفا'' (۲) اور ''تحفہ اثنا عشریہ'' (۳) پر بھی ایک نظر ڈالی کیونکہ ان میں طعن آمیز واقعات پر بحثیں کی گئی ہیں۔

Marfat.com

بلاشبہ مختلف لوگوں نے ہر قسم کی روایتیں دے دی ہیں، خصوصاً ''حبیب السیر'' کے مصنف نے یعنی یہ کہ سُنی یہ کہتے ہیں اور شیعہ یہ کہتے ہیں، لیکن مجھے آپ کی بیان کردہ روایات کہیں نہ مل سکیں کہ ان کی حقیقت پر غور کر سکتا - خیال رکھوں گا - جب بھی کچھ ملا تو ضرور اطلاع دوں گا - اتنا بتادوں کہ میرے نزدیک ہی نہیں بلکہ پوری اُمت کے نزدیک حضرت صدیقؓ عزم و ہمت کے اعتبار سے یگانہ حیثیت کے حامل تھے، ان کے برابر کوئی شخص نہ تھا، وہ سب سے بڑھے ہوئے تھے- ان کی خلافت کے ساتھ جو فتنے اُبھرے تھے، ان کے دو حصے تھے- ایک گروہ مرتدین کا تھا جو جھوٹے نبیوں کے پیرو بن گئے تھے اور یہ فتنہ رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے اواخر میں اُبھرآیا تھا- دوسرا گروہ مانعین زکوٰۃ کا تھا یعنی وہ کہتے تھے کہ ہمیں زکوٰۃ مدینہ منورہ بھیجنے کی ضرورت نہیں- پہلے گروہ سے جنگ پر سب آمادہ تھے، دوسرے گروہ سے جنگ میں فاروق اعظمؓ جیسے بزرگ بھی متوقف تھے- اس موقع پر جو بڑا ہی نازک تھا، صرف صدیق اکبرؓ کے عزم و ہمت نے اُمت کے اتحاد و جمعیت کو استوار کر دیا- حضرت ممدوح خود جہاد پر نکل پڑے حالانکہ سب یا اکثر انھیں روک رہے تھے اور ذی القصہ تک خود گئے جو عام روایات کے مطابق مدینہ منورہ سے چوبیس میل پر بجانب نجد تھا- مانعین زکوٰۃ کو ادائے واجبات پر آمادہ کر کے لوٹے- میرے علم کی حد تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہ آیا، جیسا آپ نے بیان کیا ہے-

دوسرے بیان کے متعلق بھی کچھ معلوم نہ ہو سکا- اگرچہ اس میں مجھے کوئی خاص قباحت نظر نہیں آتی- مصالح کے مطابق تقسیمِ مال کے باب میں اختلاف رائے ہمیشہ رہا ہے- ممکن ہے کوئی ایسی بات ہوئی ہو جو حضرت عمرؓ کے نقطۂ نظر کے مطابق درست نہ ہو اور حضرت صدیق اکبرؓ نے ان کے نقطۂ نگاہ کو درست مانا ہو، لیکن میں اس سے اب تک آگاہ نہیں، دیکھوں گا تو بتاؤں گا-

آپ یقین رکھیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیماتِ حقہ سے اس کائنات میں انسانیت یا اسلامیت کا جو بہترین نمونہ پیدا ہوا، وہ حضرت صدیقؓ تھے جو اپنے آپ کو بعض اوقات انکساراً ''ابن ابی قحافہ'' کہا کرتے تھے یعنی ابوقحافہ کے بیٹے، جو حضرت صدیقؓ کے والد ماجد حضرت عثمان کی کنیت تھی- مثلاً جیش اسامہؓ کے ارسال سے جن لوگوں نے اختلاف کیا تھا اور کہا تھا کہ فی الحال اسے روک لیا جائے، ان کے جواب میں حضرت صدیقؓ نے غالباً یہی فرمایا تھا: ابن ابی قحافہ کا یہ منصب نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے مقرر فرمائے ہوئے لشکر کو روک لے-

سیرتیں لکھنے والے لوگ عموماً یہی کرتے ہیں کہ رطب و یابس جمع کر کے کتاب ضخیم

Marfat.com

بناتے ہیں نہ موضوعِ سیرت کی اہمیت پیشِ نظر ہوتی ہے نہ شخصیت کی عظمت کے بنیادی پہلوؤں سے پوری آگاہی حاصل کرتے ہیں اور ایسی آگاہی کے بعد ہی کچھ لکھنا چاہیے، تاکہ واہی باتوں یا روایتوں کو رد کیا جا سکے یا نظر انداز کر دیا جائے - یہ مصیبت عام ہے کوئی کرے تو کیا کرے؟

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں - میں رات کو یہ سطریں لکھ رہا ہوں - شام سے آدمی آتے رہے اور اطمینان سے لکھ نہ سکا -

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۹۸

۱- قاہرہ کے قومی کتب خانہ میں ساتویں صدی ہجری کے ایک ہسپانوی عالم ابوالربیع سلیمان کلاعی بلنسی کی ایک قلمی کتاب ہے ''الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ و مغازی الخلفاء'' اس میں سے جناب خورشید احمد صاحب فارق صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد کی بغاوتوں اور عسکری سرگرمیوں کا اُردو ترجمہ بنام ''تاریخِ رِدّہ'' کیا جسے ندوۃ المصنفین دہلی نے ۱۹۶۳ء میں شائع کیا - اس میں دورانِ مطالعہ بعض ایسے مقامات بھی آئے جن سے طبیعت بہت مکدر ہوئی کہ مصنف کتاب کا ایمان کتنا پختہ تھا کہ وہ ایسے واقعات قلمبند کر کے بھی متزلزل نہ ہوا - مجھے احساس ہوا کہ میں یہ باتیں مولانا کے علم میں لاؤں اور ان کا ردِ عمل معلوم کروں -

۲- ''ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء'' دو حصوں پر مشتمل ہے اور عالم ربانی، جنید زمانی، بخاری ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی یہ مایہ ناز تصنیف ہے - اس کا اصل موضوع تو خلفاء راشدین کی خلافت کا اثبات ہے لیکن اسلامی اصول عمران اور نظریہ سیاست کی پوری تشریح اس میں آ گئی ہے - حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلیؒ جیسے بالغ نظر عالم کی شہادت ہے کہ ''اس موضوع پر پورے اسلامی لٹریچر میں ایسی کتاب موجود نہیں ہے -'' اصل کتاب فارسی زبان میں ہے جو پہلی مرتبہ ۱۲۸۶ھ میں مطبع صدیقی بریلی سے چھپی - غالباً اسی نسخہ کی نہایت عمدہ عکسی طباعت سہیل اکیڈمی لاہور سے ۱۳۹۶ھ میں عمل میں آئی - کتاب کا جو حصہ خلیفہ ثانی کے لیے وقف ہے اس کا اُردو ترجمہ ''فقہ عمرؓ'' کے نام سے مولانا ابویحییٰ امام خاں نوشہروی (م-۱۹۶۶ء) نے کیا جسے ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور نے ۱۹۸۷ء میں بار چہارم شائع کیا - پوری کتاب کا اُردو ترجمہ بھی عرصہ ہوا لاہور سے چھپ

Marfat.com

چکا ہے مگر نایاب ہے- ابتدائی چہارم حصہ کے قریب حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے اپنے ترجمہ کے ساتھ بھی شائع کیا تھا- مجلس علمی ڈابھیل نے اسے عربی میں منتقل کرنے کا بیڑا اُٹھایا تھا مگر اس کا انجام معلوم نہیں- (الفرقان بریلی، شاہ ولی اللہ نمبر ۱۳۵۹ھ)

۳- ''تحفہ اثنا عشریہ'' شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م-۱۲۳۹ھ) کی تصنیف ہے- جو فارسی میں لکھی گئی کیونکہ یہ کتاب ۱۲ ہجری صدیاں گزرنے کے بعد وجود پذیر ہوئی اس لیے تبرکاً بعدد اثنا عشر سے بارہ ابواب پر مرتب کیا گیا- کتاب میں شاہ صاحب نے اہل تشیع کے عقائد اور ان کے مختلف فرقوں کی تفصیل بیان کی ہے- یہ اپنے موضوع پر نہایت مدلل اور متوازن تصنیف ہے جس کا انداز بیان نہایت حکیمانہ اور دل میں تر ازو ہو جانے والا ہے- علماء نے اس کتاب کی تحسین فرمائی البتہ اس کی اشاعت کے دو سال بعد اس کے رد میں مرزا محمد دہلوی نے ''نزہت اثنا عشریہ'' لکھی جس کا جواب شاہ صاحب نے ''عزۃ الراشدین'' کے نام سے دیا- اس کے بعد کم و بیش درجن بھر کتابیں تحفہ کے رد میں اہلِ تشیع نے لکھیں لیکن وہ تحفہ کی چمک دمک کو ماند نہ کر سکیں- شاہ صاحب نے یہ کتاب اپنے تاریخی نام غلام حلیم (۱۱۵۹ھ) سے لکھی اور اسی نام سے چھپی- اس کتاب کی با قاعدہ اشاعت ۱۲۱۵ھ میں کلکتہ سے ہوئی- اس کا ایک نہایت عمدہ ایڈیشن جلی قلم میں مطبع ثمر ہند لکھنو سے ۱۲۹۶ھ میں چھپا جس کی تصحیح کے فرائض مولوی محمد عزیز صاحب نے اور نظر ثانی کا کام سید محمد صادق علی رضوی لکھنوی نے انجام دیا- اس کی طباعت کا تاریخی قطعہ منشی محمد نوروز علی خاں شیدا لکھنوی نے لکھا:

ہوئی فکر شیداؔ کو تاریخ کی
پکارا یہ ہاتف ''ہوا رفض رد''
۱۲۹۶ھ

اس قطعہ کی خوبی یہ ہے کہ جہاں اس کے مادہ تاریخ ''ہوا رفض رد'' سے سنہ طباعت کا استخراج ہوتا ہے وہاں اس لفظ سے کتاب کا موضوع بھی ہاتھ آ جاتا ہے- اس کا ایک اور قابلِ قدر ایڈیشن ۱۳۳۰ھ میں مطبع منشی نولکشور سے چھپا جس کی نہایت عمدہ عکسی طباعت سہیل اکیڈمی لاہور سے ۱۳۹۵ھ میں رو بعمل آئی- کتاب کا اُردو ترجمہ ''ہدیہ مجیدیہ'' کے نام سے مولانا عبدالمجید خاں پیلی بھیتی نے ۱۳۰۷ھ میں کیا جس کی عکسی طباعت میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب کراچی سے ہوئی، (س-ن)- سر سید احمد خان نے ۱۸۴۴ء میں اپنے استاد مولوی نور الحسن کی مدد سے تحفہ کے دسویں اور بارہویں ابواب کا ترجمہ ''تحفہ حسن'' کے نام سے کیا- ایک اور اُردو ترجمہ مولوی سعد حسن خاں یوسفی نے بھی کیا- عربی زبان میں اس کا ترجمہ مولوی اسلمی ابن محمد علی خاں ارکاٹی نے کرا کے ملک

Marfat.com

عرب بھیجا تھا اس کا انجام بھی نا معلوم (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی از ڈاکٹر ثریا ڈار۔ مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۹۱ء)

نوٹ: بغداد کے ایک عالم نے اس کا اُردو سے عربی میں ترجمہ خلاصہ کیا اور علامہ محب الدین خطیب نے اس کو ایک بہترین مقدمہ سے مزین کر کے ریاض سے شائع کیا جو کہ عالمِ عرب میں اس وقت کافی متعارف ہے۔ نیز استاذ المناظرین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اُردو ترجمہ کیا از معلومات ڈاکٹر پیرزادہ عبدالخالق سلمہ (ارشد مدیر ''الرشید'' لاہور)

(۹۹)

یکم دسمبر ۱۹۶۴ء

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، اگر ایسے شعر (۱) پڑھ کر پریشان ہونا ہے تو بہتر ہے نہ پڑھیے، آپ جانتے ہیں کہ ایک شے ہے دین اور اس کے تقاضے، ایک شے ہے ادب اور اس کے سلسلے میں نکتہ نوازیاں۔ دونوں کو ملانے کی ضرورت نہیں، ورنہ تین چوتھائی شاعری پر پانی پھر جائے گا۔

اس کی تاویل ممکن ہے مثلاً جس صراحی میں حب و عشقِ حق کی شراب بھری ہوئی ہے اس سے دو بار قلقل کی صدا سن لینا، زبانی چاروں قل پڑھ دینے سے بدرجہا بہتر ہے، لیکن یہ نکتہ نوازیاں ہیں اور جب کوئی نکتہ ذہن میں آ جاتا ہے تو شاعر یہ نہیں سوچتا کہ اہلِ مسجد و مدرسہ اسے کہاں کہاں کھینچے پھریں گے۔ وہی بات ہے کہ: ''شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد۔''

یہ چھوڑیے، مولانا جامیؔ مرحوم کا ایک فعل ایسا ہے کہ جو کم از کم میرے دل پر ہمیشہ کے لیے گردِ ملال چھوڑ گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جامیؔ کی ''یوسف زلیخا (۲) اس موضوع پر ایک نہایت عمدہ مثنوی ہے، لیکن اس میں انہوں نے ''شب زفاف'' بھی لکھی ہے اور ایک پیغمبر کی شب زفاف لکھنا بڑی ہی رنجیدہ حرکت ہے مگر میں جانتا ہوں کہ جامیؔ کے زمانے سے پیشتر عشقیہ مثنویوں میں شب زفاف لکھنا ایک ضروری شیوہ بن گیا تھا اور حضرت مولانا جامیؔ بھی تقدس کے باوجود اس پر آمادہ ہوئے۔ انھیں مثنوی کی شرطیں پورا کرنے کا خیال رہا یہ خیال نہ ہوا کہ پیغمبر کی شب زفاف نہایت عریاں انداز میں لکھ رہے ہیں اور یہ فعل ایسا ہے کہ عامی کے سلسلے میں بھی اسے اچھا نہیں سمجھا

Marfat.com

جا سکتا۔

آپ کو غالبؔ، حافظؔ، سعدیؔ، اقبالؔ، عرفیؔ، نظیریؔ وغیرہ سب میں ایسے اشعار مل جائیں گے جن کے لیے شرعی پیمانے استعمال کیے جائیں گے تو لاحول کہنے کے سوا چارہ نہ رہے گا، لیکن دوسرے سیکڑوں اعلیٰ اشعار کے پیشِ نظر ہم یا تو ان کی تاویل کر لیتے ہیں یا سمجھ لیتے ہیں کہ عام شاعرانہ انداز اختیار کیا گیا ہے اور شاعری کی پوری سرزمین کو شریعت کی جریب سے ناپنا ممکن نہیں۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

میں نے پرسوں ایک لفافہ نکالا، جس میں آپ کا ایک لفافہ پڑا ملا اور اس پر آپ کا پتا درج ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ آپ کم از کم ایک مرتبہ جوابی لفافہ نہ لکھیں تا کہ میں اس سے کام لے لوں یا بہتر یہ معلوم ہوا کہ وہ لفافہ موجودہ خط میں آپ کو بھیج دوں تا کہ آپ آئندہ اسے استعمال کر سکیں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ میں کھانا کھانے کے لیے اُٹھ رہا تھا، فوراً یہ سطریں لکھ دیں کہ پھر ممکن ہے شام تک فرصت نہ مل سکے۔

آپ کا

مہر

حواشی خط نمبر ۹۹

۱۔ مشہور صوفی شاعر مولانا عبدالرحمان جامیؔ (م۔۸۹۸ھ) کے شعر:

از صراحی دوبار قلقل مے
پیشِ جامیؔ بہ از چہار قل است

پر اپنی تشویش کا اظہار کیا تھا۔ یہ تحریر اسی تشویش کا ازالہ کرتی ہے۔

۲۔ واقعی یہ بڑی جسارت کی بات ہے کہ حضرت یوسفؑ جیسے جلیل القدر پیغمبر کے نکاح کا باب اس طرح بندھا ہے ''نکاح بستن یوسف باز لیخا بفرمانِ خدائے تعالیٰ جل شانہ وزفاف کردن باو۔'' گو پیشتر ازاں فردوسیؔ طوسی بھی اس قصہ پر طبع آزمائی کر چکے تھے مگر جو شہرتِ عام جامی کی یوسف زلیخا کو حاصل ہوئی وہ محتاجِ بیان نہیں۔ ہماری پنجابی زبان کے جامی مولوی غلام رسول عالم پوری (م۔۱۸۹۲ء) نے یوسف زلیخا کا قصہ ''احسن القصص'' کے نام سے لکھا ہے۔ انہوں نے بھی اپنے زورِ قلم کے جوہر دکھائے ہیں۔ انہوں نے اس مقام پر یوسف زلیخا کے سوال وجواب باسٹھ اشعار میں سمو

Marfat.com

دیے ہیں۔ (مطابق نسخہ مطبوعہ پنجابی ادبی اکیڈمی لاہور ۱۹۶۱ء) اس طرح کہ پہلے مصرعہ میں حضرت یوسف کا سوال ''یوسف پچھے دس زلیخا'' سے شروع ہوتا ہے جب کہ زلیخا کی طرف سے'' کہے زلیخا'' کے بعد جواب آتا ہے جوان کی قادرالکلامی پر دال ہے۔

(۱۰۰)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۸۔ دسمبر ۱۹۶۴ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، میں آپ کے تازہ خط کا جواب کیا دوں؟ (۱) میرے نزدیک شعر کا معاملہ دو باتوں پر موقوف ہے اول افتادِ طبیعت، دوم فطری ذوق کی تربیت کے وسائل۔ بعض دل و دماغ ایک خاص وضع کی شعر گوئی پسند کرتے ہیں اور اس دائرے سے باہر نکل ہی نہیں سکتے۔ پھر مختلف لوگوں میں اگر فطرت نے کوئی اچھا جوہر ودیعت کر دیا ہے اور اس کی تربیت کا انتظام ٹھیک نہیں ہو سکا تو ظاہر ہے کہ وہ جوہر پژمردہ و افسردہ ہو کر رہ جائے گا۔

یہ ایسا ہی ہے کہ کسی شخص کے جسم میں ورزش سے بالیدگی اور تقویت کی صلاحیتیں موجود ہوں اور وہ پہلوان بن سکے۔ مگر ورزش یا صحیح ورزش سے محروم رہ جائے تو ظاہر ہے کہ وہ جیسا ہے ویسا ہی رہ جائے گا۔

کیا آپ سمجھتے ہیں کہ شیخ ابراہیم ذوقؔ نے عرفیؔ یا نظیریؔ کا کلام نہ دیکھا ہو گا؟ لیکن چونکہ ان کے فطری اوصاف کو بلند پایہ اشعار سے قطعاً مناسبت نہ تھی۔ لہٰذا وہ ہر جگہ پھر پھرا کر اپنے ہی دائرے میں محدود و مقید ہو گئے اور پوری عمر اسی میں گزار دی۔

میں آپ کے سامنے موجود ہوں۔ میں آٹھویں یا نویں جماعت میں پڑھتا تھا تو ایک دیوان ہاتھ لگا، جو ضامنؔ علی ضامنؔ کا تھا (۲) اسے پڑھنے لگا اور اسی کے انداز میں شعر گوئی شروع کر دی۔ پھر ''آبِ حیات (۳)'' دیکھی اور متفرق شعرا کا کلام نظر سے گزرا۔ تاہم جلد ہی میرزا غالبؔ کا دیوان مل گیا اور اسے پڑھا، لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اپنے استاد (۴) کے پاس لے گیا کہ پڑھا دیں۔ اللہ انھیں بخشے، وہ فاضلِ اجل تھے، مگر تعلیم و تدریس کے لیے جس ضبط و صبر کی ضرورت ہے، اس سے بالکل بے گانہ تھے۔ سوالات کا جواب نہایت عمدہ انداز میں دیتے تھے، مگر

Marfat.com

کوئی چیز باقاعدہ پڑھانا ان کے لیے غیر ممکن تھا- پھر انھیں شراب نوشی کی ایسی لت پڑ گئی تھی کہ ہر وقت پینے ہی کی دھن میں رہتے تھے- کبھی خوش ہوتے تو غالب کی ستائش شروع کر دیتے، طبیعت راہِ اعتدال سے منحرف ہوتی تو مذمت فرمانے لگتے- ایک مرتبہ جوش میں آئے اور پنڈت دیا شنکر نسیم (۵) کو غالب پر ترجیح دینے لگے- اس کی مثنوی کے چند مرصع اشعار سنا کر میرا منہ بند کر دیا- لیکن قدرت کو منظور تھا کہ میں راہِ راست سے نہ بھٹکوں، غالب کے لیے دل میں لگن قائم رہی- میٹرک پاس کر کے کالج میں پہنچا تو غالب سمجھ میں آنے لگا- پھر بیدل کا شوق پیدا ہوا- اس کے نکات (۶) کی غزلیں دن بھر پڑھتا رہتا- سمجھ میں نہ آتیں- فرسٹ ایر میں شیکسپئر کا ڈراما As You Like It پڑھا- اس کے بعض حصے بہت پسند آئے- بیدل سے طبیعت ہٹی اور عرفی پر جم گئی- ایف اے میں ہمارا جو کورس تھا، اس میں عرفی کے قصیدے بھی تھے، وہ میں نے بہت پہلے مکمل کر لیے تھے، پھر نظیری- آگے چل کر غالب، عرفی اور نظیری میرے خاص شاعر رہ گئے- اُردو کے دواوین تو غالب کے بعد بہت کم دیکھے- فارسی کے دواوین ضرور زیادہ دیکھے اور جستہ جستہ اکثر شعراء کا کلام پڑھا- طبیعت کو انھیں چیزوں سے مناسبت تھی اور جیسا بھی ذوق ملا تھا، اس میں بالیدگی کے اسباب مہیا ہوتے گئے-

اب میں آپ کو کیا بتاؤں؟ اُردو میں غالب، میر تقی، انیس میرے نزدیک نہایت بلند پایہ شاعر ہیں، مومن اور شیفتہ بھی اچھے ہیں- مولانا آزاد مرحوم و مغفور شیفتہ کو مومن پر ترجیح دیتے تھے- میری رائے بھی یہی ہے- فارسی میں غالب، عرفی، نظیری اور کلیم ہمدانی میرے نزدیک بہت بلند پایہ ہیں-

عرفی غزلیات و قصائد میں بے مثال ہے- نظیری صرف غزل اچھی کہتا ہے- قصائد کچھ نہیں- کلیم کی غزلیں مجھے مل سکیں، قصائد نہیں مل سکے- طالب آملی کے قصائد و غزلیات دونوں یکساں ہیں- غالب کا کمال یہ ہے کہ قصائد، غزلیات، قطعات، مثنوی، رباعیات، غرض ہر دائرے میں یکساں بلند پایہ ہے- فارسی اور اُردو دونوں میں یہی کیفیت ہے لیکن اُردو کلام کا سرمایہ قلیل ہے- شیفتہ کی غزلیات میں اُردو کے علاوہ فارسی اشعار بھی اچھے ہیں- مومن کی غزلیات، میر تقی کی غزلیات- انیس کے ہاں مرثیہ گوئی کے سوا کچھ نہیں-

آپ یقین کریں گے؟ حضرت امام حسینؓ کے باب میں میرا عقیدہ وہ نہیں جو عام شیعہ حضرات کا ہے اور مرثیہ گو حضرات نے تو عجیب و غریب روایتیں نظم کر دی ہیں- مدت تک میرا دستور یہ

Marfat.com

رہا کہ محرم میں گھر کے اندر تنہا بیٹھ کر انیسؔ کے مرثیے پڑھتا- پانچ دس بند پڑھ کر بے اختیار گریہ شروع ہو جاتا- یہ اس صاحبِ فن کے کمال کی ایسی شہادت ہے، جس کی مثالیں بہ آسانی نہیں مل سکیں گی-

یہ تو میں سرسری طور پر اپنے تاثرات لکھ گیا لیکن شعر کے متعلق بعض پہلو ایسے ہیں، جن کی تشریح لکھنے بیٹھوں تو کتاب مدون ہو جائے- صرف وقتاً فوقتاً بیان ہی کر سکتا ہوں-

ان کے علاوہ جتنے بھی دیوان ملیں پڑھنے چاہییں- زبان، طرزِ ادا، اسلوبِ بندش، وغیرہ متعدد چیزیں ہیں جو مزاولت ہی سے ذہن نشین ہوتی ہیں- اقبال کی ہر چیز قابلِ مطالعہ اور مستحقِ استفادہ ہے- سعدیؔ، حافظؔ وغیرہ کا ذکر میں نے نہیں کیا کہ وہ مشہور اساتذہ ہیں اور کوئی شبہہ نہیں کہ انہوں نے شعر اور زبان دونوں کی گراں بہا خدمات انجام دیں- مگر سعدیؔ کے پند و نصائح سے قطع نظر کر کے اچھی چیزیں زیادہ نہیں ملتیں- یہی کیفیت حافظؔ کی ہے- خسروؔ میں زیادہ اچھی چیزیں مل جاتی ہیں، جامیؔ میں کم، فیضیؔ بھی بُرا نہیں- تذکرے دیکھیں تو آپ کو مختلف شعرا کے منتخب اشعار مل جائیں گے- میرا با قاعدہ مطالعہ محدود ہے لہٰذا آپ کے لیے اچھا رہنما نہیں بن سکتا- بل الانسان علی نفسہ بصیرۃ ولو القٰی معاذیرہ (۷) (قرآن حکیم)

رات ہو چکی ہے- عفو خواہ ہوں- زیادہ نہیں لکھ سکتا-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہرؔ

خانخاناں نے پانچ شعر کی ایک غزل (۸) کہی ہے، جس پر نظیری اور عرفی اور متعدد دوسرے شعرا کی نہایت عمدہ غزلیں ہیں، مگر ویسے پانچ شعر کسی کے ہاں بھی نہیں ملتے-

حواشی خط نمبر ۱۰۰

۱- یہ شعر و شاعری پر عمومی تبصرہ ہے جسے آپ نے میری خواہش پر رقم فرمایا-

۲- مولوی ضامن علی نام، تخلص ضامنؔ- وہ ایک مرد بزرگ، خوش اخلاق اور مشائخ وضع رکھتے تھے اور جلال آباد میں مقیم تھے- ان کے مزید حالات نہیں معلوم ہو سکے- ''گلستانِ سخن'' از مرزا قادر بخش صابر دہلوی مرتبہ خلیل الرحمان داؤدی مطبوعہ مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۶ء میں صرف ایک شعر کا انتخاب کیا گیا ہے:

بُت ہوا اس بُت عیار کے آگے ضامنؔ
کچھ تو بن آتی جو کچھ بات بن آئی ہوتی

Marfat.com

۳- آبِ حیات- اُردو کے ادیب شہیر شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد (متوفی ۱۹۱۰ء) کی بلند مرتبت تصنیف ہے جس میں مشاہیر شعرائے اُردو کی سوانح عمری اور زبان مذکور کی عہد بہ عہد ترقیوں اور اصلاحوں کا بیان ہے- یہ بے مثل کتاب پہلی مرتبہ ۸۱-۱۸۸۰ء میں شائع ہوئی- تب سے اب تک بیسیوں مرتبہ چھپ چکی ہے- اس کتاب کا ایک نہایت صحت مند ایڈیشن آزاد بک ڈپو لاہور نے ۱۹۱۷ء میں شائع کیا- یہ کتاب پرلطف طرز بیان اور اپنی فصیح و بلیغ عبارت آرائی کے لحاظ سے اُردو ادبیات میں اپنا نظیر نہیں رکھتی- کتاب کا اسلوب نگارش اس قدر شستہ و رفتہ، حسین اور دلکش ہے کہ آدمی کتاب کا مطالعہ ایک مرتبہ شروع کر دے تو بس پھر کتاب کا ہی ہو کر رہ جاتا ہے- اُردو ادب میں ایسی کتابیں بہت کمیاب ہیں- بقول ڈاکٹر محمد صادق مصنف ''محمد حسین آزاد احوال و آثار'' آبِ حیات بیک وقت بے اندازہ فکاہات اور سنجیدہ تنقید کا مجموعہ ہے جس میں شروع سے لے کر آخر تک شاید ہی کوئی بے کیف عبارت دکھائی دے- کتاب کا پہلا حصہ اُردو زبان کی نشو و نما اور اس کے تدریجی ارتقاء پر عالمانہ بحث پر مشتمل ہے جب کہ دوسرا حصہ شعرائے اُردو کے سوانح عمری کے لیے مخصوص ہے-

۴- یہ استاد بستی غذاں (جالندھر) کے مولانا حکیم محمد سلیم تھے- ان ہی نے آپ کا تخلص مہرؔ تجویز کیا تھا- مولانا سلیم عربی، فارسی اور اُردو کے فاضل تو تھے ہی بھاشا بھی خوب جانتے تھے اور چاروں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے- انہیں تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ہیئت و علم جفر میں بھی دسترس حاصل تھی- طب کو تو پیشے کے طور پر اختیار کیے ہوئے تھے فنِ خطاطی میں بھی ماہر تھے مگر غالباً اسے ذریعہ معاش نہیں بنایا (غالبؔ ذاتی تاثرات کے آئینے میں- مرتبہ: عبدالشکور احسن و سجاد باقر رضوی- مطبوعہ مجلس یادگار غالبؔ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۶۹ء)

۵- پنڈت دیا شنکر نسیم کشمیری پنڈت تھے- ۱۸۱۱ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے- کوتاہ قد، گندمی رنگ اور چھریرے بدن کے آدمی تھے- حسنِ خلق اور جمال ظاہری سے بہرہ ور تھے- اُردو اور فارسی کی تعلیم حاصل کی اور اساتذہ فن کا کلام اُردو اور فارسی دیکھنا شروع کر دیا- طبیعت کی موزونیت کے سبب بیس برس کی عمر ہی میں اچھے خاصے شاعر بن گئے تھے- حیدر علی آتش سے اصلاح سخن لی- قصہ گل بکاؤلی کو جو اُردو نثر میں تھا، اُردو نظم کا لباس پہنایا جو مثنوی ''گلزار نسیم'' کے نام سے موسوم ہوا- یہ مثنوی ۱۲۵۴ھ کو تکمیل کو پہنچی جس کی تاریخ مصنف نے اس مصرعہ سے استخراج کی:

توقیع قبول روزیش باد

۱۲۵۴ھ

Marfat.com

اس مثنوی کو وہ قبول عام حاصل ہوا کہ باید و شاید۔ ۱۹۴۱ء تک صرف مطبع منشی نولکشور سے اس کے پچیس ایڈیشن شائع ہو چکے تھے:

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

باقی مطابع کا تو ذکر ہی کیا۔ افسوس کہ نسیم نے ۱۸۴۳ء میں جب کہ ان کی عمر ابھی صرف بتیس سال کی تھی اس جہان فانی سے رختِ سفر باندھ لیا۔ رہے نام اللہ کا۔ مولانا محمد حسین آزاد نے آب حیات میں گلزار نسیم کے متعلق لکھا: ''پنڈت صاحب نے ہر مضمون کو تشبیہ کے پردہ اور استعارہ کے پیچ میں ادا کیا۔ اس کا آخری مستند اور صحیح ترین ایڈیشن (مع متن فارسی) رشید حسن خاں (م۔ ۲۰۰۶-۲-۲۶) نے مرتب کیا جو انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دلی سے ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا۔

نکاتِ بیدل۔ جیسا کہ نام سے عیاں ہے مرزا عبدالقادر بیدلؔ عظیم آبادی کی تصنیفِ لطیف ہے جو اسرار و معارف لدنیہ سے مملو ہے۔ اس کے کل نکات کی تعداد چھتر ہے۔ خصوصی اور اہم موضوعات نبوت، ولایت، تقویٰ اور اس کے متعلقات اور رباعیات ہیں۔ بعض مقامات پر اشارات اور حکایات بھی نظم کی ہیں کہیں کہیں غزل بھی ملتی ہے۔ اس کی ترتیب میں گلستان سعدی شیرازی کی جھلک نظر آتی ہے اگر چہ موضوع دونوں کے الگ الگ ہیں۔ وہی اندازِ گلستان کہ پہلے نثر میں نکتہ بیان کرتے ہیں بعدہ غزل و رباعی وغیرہ لاتے ہیں۔ سعدیؔ جو معلم اخلاق مشہور ہیں، وہ پہلے کوئی سبق آموز حکایت نثر میں بیان کرتے ہیں، پھر قطعہ و غزل وغیرہ لاتے ہیں۔ اسی سبب سعدی کی زبان آسان اور سریع الفہم ہے جب کہ نکات کی زبان متصوفانہ اور ادق نکات سے لبریز ہے۔ مولانا نے ٹھیک تجزیہ کیا کہ ''نکات کی غزلیں دن بھر پڑھتا رہتا سمجھ میں نہ آتیں'' مرزا عبدالقادر بیدل ۱۰۵۴ھ میں عظیم آباد (پٹنہ) میں پیدا ہوئے اور وصال ۱۱۳۳ھ میں شاہجہان آباد (دہلی) میں ہوا۔ بیدلؔ کو آغا شاعر قزلباش نے ''بلبلانِ فارس'' مطبوعہ فیروز سنز لاہور ۱۹۳۰ء میں ''پہلوانِ سخن'' سے مخاطب کیا ہے۔ نکاتِ بیدل کلیاتِ بیدلؔ مطبوعہ مطبع صفدری بمبئی ۱۲۹۹ھ میں شامل ہے۔

۷۔ سورۃ القیامہ آیات ۱۴-۱۵: ترجمہ:۔ بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے۔

۸۔ اس غزل کا تعارف آئندہ مکتوب گرامی میں ہوگا۔

(۱۰۱)

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم۔ مجھے قطعاً معلوم نہیں آپ کس خط کا ذکر کر رہے ہیں، میں نے ایک خط میں

Marfat.com

خانخاناں (۱) کے پانچ شعروں کا ذکر کیا تھا- آپ نے لکھا کہ چھ ہیں- مجھے بھی یاد آیا کہ واقعی چھ تھے اور نہایت پر لطف شعر بھول گیا تھا:

بہ کیشِ صدق و صفا حرف عہد بیکار است
نگاہِ اہلِ محبت تمام سوگند است

غالباً یہ شعر بھی اس وقت یاد نہیں آیا تھا:

مرا فروخت محبت ولے ندانستم
کہ مشتری چہ کس است و بہاے من چند است

بہر حال بڑی بے مثال غزل ہے- اس کے جواب میں جو خط آیا، میں نے اس کا جواب دو پہر ہی کو لکھ کر بھیج دیا- وہ خاصا طویل تھا اگر وہ مل چکا ہے تو اس کے بعد آپ کا کوئی خط مجھے نہیں ملا- اگر وہ نہیں ملا تو اب اسے دوبارہ لکھنا اور اس کے مطالب کا اعادہ کرنا ممکن نہیں- اتنا یاد ہے کہ میں نے اس میں بہت سی قیمتی باتیں لکھی تھیں، غالباً اسی میں یہ ذکر بھی آیا تھا کہ صبح کے نوافل کے وقت اقبالؒ کا شکوہ (۲) یاد آیا- دو بندوں نے مضطرب کر دیا، نماز کے بعد دفتر میں پہنچا، بانگ درا نکال کر وہ دو بند بار بار پڑھے، پھر طبیعت تسکین پذیر ہوئی یعنی:

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی ﷺ کو چھوڑا؟
بت گری پیشہ کیا، بت شکنی کو چھوڑا؟
عشق کو عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا؟
رسمِ سلمانؓ و اویسؓ قرنی کو چھوڑا؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثل بلالؓ حبشی رکھتے ہیں
عشق کی "خیر" وہ پہلی سی ادا بھی نہ سہی
جادہ پیمائی تسلیم و رضا بھی نہ سہی
مضطرب دل صفت قبلہ نما بھی نہ سہی
اور پابندی آئینِ وفا بھی نہ سہی
کبھی ہم سے کبھی غیروں سے شناسائی ہے
بات کہنے کی نہیں، تو بھی تو ہرجائی ہے

Marfat.com

آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اقبال نے ان شعروں میں شاعری کے کتنے کمالات دکھائے ہیں- بالکل سادہ شعر ہیں اور یہ ''شکوہ'' ہے یعنی وہ موقع جب خدا سے شکایتیں کرنی ہیں، شکایتوں میں اپنی حالتِ زار پیش کرنا ناگزیر تھا، مگر اس نباضِ فطرتِ انسانی نے ایک بھی شعر ایسا نہ کہا، جو افسردگی زا ہوتا- مسلمانوں کے بہترین کارنامے ایسے انداز میں پیش کیے کہ وہ شکوہ بن گئے- مندرجہ بالا اشعار ایسے مقام پر آئے ہیں، جہاں شکایت کرنے والے کا پہلو دبتا تھا- ضروری باتیں استفہامِ انکاری کی شکل میں پیش کر کے خدا سے کہہ دیا کہ آخر آپ بھی تو ہرجائی بن گئے- شکوہ، شکوہ بھی ہے، مسلمانوں کے بہترین کارناموں کا مرقع بھی- مسلمانوں کے لیے دعوت عمل بھی- جو نظم بہ یک وقت تین وظیفے انجام دے رہی ہے، اس کی عظمت کا اندازہ کون کر سکتا ہے؟

بہ ہر حال اب پھر کبھی خیالات کا دریا بر موقع جوش میں آیا تو ممکن ہے کچھ لکھا جائے- اب یاد سے اس خانے میں رنگ بھرنے کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ باغ کی سیرابی کے لیے پتوں پر پانی چھڑکا جائے حالانکہ ضرورت جڑوں کی آبیاری کی ہے، عفو خواہ ہوں- میں نے خط بھیج دیا تھا اور اسی وقت نہیں ملا تو میرے بخت کی کوتاہی اور تقدیر کی زبونی- اور کیا کہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۰۱

۱- گزشتہ مکتوب گرامی میں مولانا نے خان خاناں کے پانچ شعروں والی غزل کا ذکر کیا تھا مگر اس کی نشاندہی نہیں فرمائی تھی، اس گرامی نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس مکتوب کے متعاقب مکتوب میں، جو شومیٔ قسمت سے محکمہ ڈاک کی حسنِ کارکردگی کے باعث مجھے موصول نہیں ہوا، وہ غزل تحریر فرما کر ارسال کر دی تھی- بہر حال میں نے از خود بیرم خاں خانخاناں کے دیوان مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۹۱۰ء کی ورق گردانی کی مگر مذکورہ غزل اس میں نہ ملی- تاہم بمصداق جوئندہ یابندہ میں نے جستجو جاری رکھی اور مذکورہ غزل ''بزم تیموریہ'' مصنفہ سید صباح الدین عبدالرحمان، مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۴۸ء، میں بحوالہ شعر العجم جلد سوم میں (اس وقت میرے کتب خانے میں یہ کتاب نہ تھی. اب بفضل الہٰ موجود ہے) تلاش کر لی- یہ بیرم خان خانخاناں سے نہیں بلکہ ان کے بیٹے عبدالرحیم خاں خاناں سے متعلق ہے- دونوں باپ بیٹا یکے بعد دیگرے دربار اکبری سے وابستہ رہے اور یہ غزل پانچ نہیں بلکہ چھ اشعار پر مشتمل ہے- خوانندگان گرامی کی دلچسپی کی خاطر یہ پوری غزل بزم

Marfat.com

تیمور یہ سے پیش کی جا رہی ہے:

شمارِ شوق ندانستہ ام کہ تا چند ست
جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزو مند ست
بہ کیشِ صدق و صفا حرفِ عہد بیکار ست
نگاہِ اہلِ محبت تمام سوگند ست
نہ دام دانم و نہ دانہ ایں قدر دانم
کہ پاے تا بسرش ہر چہ ہست در بند ست
مرا فروخت محبت ولے ندانستم
کہ مشتری چہ کس ست و بہاے من چند ست
اداے حق محبت عنایتے ست ز دوست
وگرنہ خاطرِ عاشق بہیچ خرسند ست
ازاں خوشم بہ سخنہاے دلکش تو رحیم
کہ اندکے بہ اداہاے عشق مانند ست

اس زمین میں نظیری کی غزل کا مطلع ہے:

بحرفِ اہلِ غرض قرب و بُعدِ ما بندست
دلِ شکستۂ مارا ہزار پیوند ست

شبلی لکھتے ہیں کہ "خانخاناں کے کلام میں جو صفائی، شستگی، دلاویزی اور سوز و گداز ہے نظیری کی غزل اس سے خالی ہے" (شبلی در شعر العجم جلد سوم) اسی قسم کا اظہار مولانا نے اس غزل کو بے مثال کہہ کر کیا ہے۔

۲۔ "شکوہ" میں وہ سوز و گداز ہے کہ اس کے مطالعہ نے صرف مولانا ہی کو متاثر نہیں کیا بلکہ جو بھی اسے دل لگا کر پڑھے وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ "روزگار فقیر" کے مصنف فقیر سید وحید الدین نے لکھا ہے کہ علامہ نے ۱۹۱۱ء کے انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے میں یہ نظم خاص انداز میں پڑھی تو ان کے ایک مداح اور قدر شناس خواجہ صمد نے جوش مسرت میں اپنا قیمتی دوشالہ ڈاکٹر صاحب کے شانوں پر ڈال دیا جسے اس مجمع عام میں نیلام کر دیا گیا اور رقم انجمن کی تحویل میں دے دی گئی، (روزگارِ فقیر جلد اول، فقیر سپننگ ملز لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۳ء) مولانا نے حالی کے شکوۂ ہند سے موازنہ کرتے ہوئے لکھا کہ "خواجہ حالی کا شکوۂ ہند پڑھنے کے بعد آج بھی ہر انسان پر افسردگی و پژمردگی

Marfat.com

طاری ہو جاتی ہے جس سے قوم کے دلوں اور حوصلوں پر اچھا اثر نہیں پڑتا- اس کے برعکس اقبال نے شکوہ میں ایسا انداز اختیار کیا جس میں مسلمانوں کے عظیم الشان حوصلہ افزا اور زندہ جاوید کارنامے پیش کرنے پر اکتفا کی- لہٰذا اس نظم کے پڑھنے سے حوصلے بلند ہوتے ہیں- قوت عمل میں تازگی آتی ہے، جوش و ہمت کو تقویت پہنچتی ہے- (مطالب بانگ درا از مولانا غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور) نیز دیکھیں مضمون ''شکوہ اقبال اور جلسہ انجمن'' از مولانا مہر مطبوعہ ہفت روزہ ''حمایت اسلام'' لاہور مورخہ ۲۴- اکتوبر ۱۹۶۹ء-

(۱۰۲)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۷- جنوری ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- مجھے یہ اندیشہ تھا، آپ یقین رکھیں کہ ضیاع مکتوب کی وجہ وہ نہیں جو آپ کے خیال میں آئی- میں عموماً نشتر صاحب کو خط دے دیتا ہوں- وہ انھیں ڈاک کے حوالے کرنے میں بڑے محتاط ہیں، صرف میرا ایک خط ضائع ہوا- یعنی میں بیمار ہو گیا تھا- رائٹرز گلڈ راولپنڈی کے اجلاس کے لیے چار صفحے میں نے لکھوائے تھے کیم کو نشتر صاحب کے حوالے کیے کہ انہیں غلام علی اینڈ سنز کی دکان پر جا کر ملک رب نواز کے حوالے کر دیں کہ وہ انھیں جلد سے جلد راولپنڈی پہنچا دیں- ان بچاروں نے آدمی سٹیشن پر بھیج دیا اور ریلوے میل سروس میں وہ لفافہ ڈلوایا- زیادہ ٹکٹ لگائے مگر نہ وہ مکتوب الیہ کو ملا اور نہ مکاتب کے پاس واپس آیا- میں رائٹرز گلڈ کے سکرٹری کے نزدیک جھوٹا اور بے اعتبار ثابت ہوا- لیکن کیا کیا جائے- عرفی ہی کے الفاظ دہرا کر تسکینِ خاطر کا سامان بہم پہنچایا جا سکتا ہے- اس غریب پر فسق کی تہمت لگی تھی تو ایک قطعہ لکھا تھا، جس کا آخری شعر یہ تھا:

تہمتِ فسق ز جہال نہ بربادِ تو رفت
یوسف ایں را متحمل شد و مریم برداشت

میرے پاس تقویت الایمان (۱) کے متعدد نسخے ہیں- صیانتہ الانسان کے ہونے کا بھی وسوسہ ہے- ۱۳۱۸ھ سے مراد ہے ۱۹۰۰ء- اگر آپ کسی اتوار کو ''صیانت'' اور تقویت کا نسخہ لے کر آ جائیں یا کہنا چاہیے آ سکیں تو مجھے بے حد خوشی ہوگی- آپ کو معلوم ہے کہ میں روزے (۲)

Marfat.com

نہیں رکھتا، جسم مساعدت سے قاصر ہے۔لیکن پابندی لازم ہے اور اس ماہ مبارک میں کام بڑھ جاتے ہیں۔ ایک اضافہ تو التزاماً تلاوت کلام پاک کا ہے۔ روزانہ کم از کم ایک پارہ پڑھوں تو دورہ مکمل ہو اور میرا معمول مدت دراز سے یہی ہے کہ کم از کم رمضان میں دور پورا کر لیتا ہوں۔

باقی خیریت۔ میں نے کیا کچھ لکھا تھا؟ اب یاد بھی نہیں۔ افکار کا معاملہ عجیب ہے۔ ایک مرتبہ جس طرح ان کا سیل آتا ہے، ضروری نہیں کہ ہر مرتبہ اسی طرح آئے۔ میں نے فارسی میں عرفیؔ، نظیریؔ، غالبؔ اور کلیمؔ کے نام لکھے تھے۔ اُردو میں غالبؔ اور اقبالؔ کے۔ لیکن یہ بھی لکھا تھا کہ مطالعہ جتنا وسیع ہوگا۔ اسالیب بیان پر عبور کے زیادہ سے زیادہ مواقع ملتے جائیں گے۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہرؔ

حواشی خط نمبر ۱۰۲

۱۔ مجھے پروفیسر محمد ایوب قادری (متوفی ۱۹۸۳ء) سے برسبیل تذکرہ معلوم ہوا تھا کہ مہرؔ صاحب ''تقویۃ الایمان'' مرتب کر رہے ہیں، میں نے اس سلسلہ میں اپنے کتب خانہ کے مندرجہ ذیل نسخوں کا ذکر کیا تھا:

صیانۃ الانسان عن لمۃ الشیطن (مصنف نامعلوم) مطبع احمدی ۱۳۰۲ھ۔ اس کتاب میں شاہ اسماعیل کی ''تقویۃ الایمان'' اور ان پر کیے گئے اعتراضات کا مفصل ومدلل جواب ہے۔

تقویۃ الایمان مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۸ھ۔ (اس کتاب کے ہم رشتہ بعض رسائل تذکیر الاخوان وغیرہ بھی چھپے)۔ مولانا کے اس مجوزہ نسخے کی قسمت کا حال تو کچھ معلوم نہیں اور نہ ہی آپ سے کبھی اس کا ذکر ہوا، البتہ پیشتر ازیں آپ ''تقویۃ الایمان'' کا ایک نسخہ ۱۹۵۵ء میں مرتب کر چکے تھے جسے ''ادارہ اشاعتہ السنۃ'' لاہور نے شائع کیا، اس میں مولانا کا مبسوط مقدمہ شامل ہے۔ جس میں اس نسخہ کی ترتیب، تہذیب، تبویب، بغلی عنوانات کا اضافہ اور تخریج آیات واحادیث کے خصوصی اہتمام کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ سالکؔ ومہرؔ (مدیران روزنامہ ''انقلاب'' مرحوم) کے متعلق مشہور ہے کہ اول الذکر روزے پابندی سے رکھتے تھے جب کہ موخر الذکر پکے نمازی تھے۔ چنانچہ اسی مناسبت سے ان ہر دو حضرات کے متعلق کسی کا مشہور مقولہ ہے کہ ''سالکؔ ومہرؔ صوم وصلوٰۃ کے پابند ہیں'' شعر کی زبان میں اسے غالباً ''صنعت ارصاد'' کہتے ہیں۔

Marfat.com

(۱۰۳)

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم - ابھی ملفوف ملا - میں نے معمولی اطلاع کے لیے لفافہ صرف کرنا مناسب نہ سمجھا ''داشتہ ہم بکار آید'' کے مطابق لفافہ رکھ لیا ہے اور عرض ہے کہ میں اس کتاب (۱) کے نام سے بھی ناواقف تھا - مجھے ضرور ایک دوروز کے لیے دکھا دیجیے - تعجب ہے کہ ''تقویت'' کی متواتر روایت کو کیوں کر توڑا گیا؟ اگر چہ وعدہ نہ تھا لیکن میں گزشتہ اتوار کو برابر آپ کا منتظر رہا - یہ انتظار اپنے تصورات کی بنا پر تھا اور اس پر خوش تھا اگر چہ کہنے والوں نے کہہ دیا ہے -

تیغ رومی و خنجرِ ہندی
نہ کند آنچہ انتظار کند

اُردو شاعروں نے انتظار کو جس انداز میں بیان کیا ہے اس کے متعلق کیا عرض کروں؟

دعا ہے اللہ تعالیٰ بہ ہر حال آپ کو خوش، خوشحال اور خوش مآل رکھے:

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

جناب محمد عالم مختار حق صاحب
موضع جھگیاں ناگرہ ڈاک خانہ ڈھولن وال - براہ اچھرہ ضلع لاہور

حاشیہ خط نمبر ۱۰۳

۱- جس کتاب کے متعلق یہ گفتگو ہے اب حافظہ یاوری نہیں کرتا کہ کہاں اور کس کے پاس یہ کتاب دیکھی تھی، بہرحال اس کتاب کا نام تھا ''التحقیق الجدید علیٰ تصنیف الشہید'' مولفہ مولوی حافظ حکیم عبدالشکور مرزاپوری - اس میں ثابت کیا گیا تھا کہ ''تقویۃ الایمان'' مولانا محمد اسماعیل محدث دہلوی کی تصنیف نہیں اور یہ محرف غیر معتبر بھی ہے نیز بعض دیگر منسوبات کا بھی ذکر کیا گیا تھا میں نے گزارش کی تھی کہ دیباچہ میں ان اعتراضات کو بھی پیش نظر رکھا جائے -

Marfat.com

(۱۰۴)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۲۶-جنوری ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم-آپ نے ٹھیک کہا-نولکشوری نسخہ دیوان عرفی (۱) میں وہی ہے جو آپ نے لکھا ہے اور عجیب امر یہ ہے کہ مولانا شبلی مرحوم نے ''شعرالعجم'' میں اس قطعہ کے آخری دو شعروں کو ملا دیا تھا یعنی پہلے شعر کا پہلا مصرعہ، دوسرے شعر کے دوسرے مصرعے سے پیوست کر دیا تھا-میں نے ''شعرالعجم'' کو دیکھا تھا (حصہ سوم جو اتفاق سے سامنے پڑا تھا اور اسی میں عرفی کا ذکر ہے) تو اس میں خود دونوں شعر الگ الگ لکھ دیے تھے اور آخری شعر کا پہلا مصرعہ یونہی لکھا ہے:

ستم تہمت جہال نہ برباد تو رفت

تاہم مجھے مدت دراز سے مصرعہ اسی طرح یاد ہے، جس طرح لکھا یعنی:

تہمت فسق ز جہال نہ برباد تو رفت

میرے نزدیک نولکشوری مصرعہ بہتر ہے اور اغلب ہے، عرفی نے یہی لکھا ہو-زیادہ اشعار یاد ہوں تو بعض اوقات کسی مصرعے میں ضرور گڑبڑ ہو جاتی ہے-

مجھے یاد نہیں کہ میرے پاس رسوا کا دیوان (۲) ہے یا نہیں-آپ نے علائی کا ذکر کیا تو یاد آتا ہے کہ اس قسم کی کوئی نہ کوئی چیز نظر سے گزری ہے-ان صاحب نے (یعنی رسوا نے) زیادہ تر غزلیں اور قصیدے غالب کی زمینوں میں کہے تھے اور شاید غالب سے تلمذ بھی ہو-بہر حال اگر آپ کو دیوان رسوا یاد ہو تو جس وقت جی چاہے آئیں اور لے جائیں-مجھے نہ اس کی شکل یاد ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ کہاں ہوگا-آپ تھوڑی سی زحمت کسی وقت گوارا فرمالیں-

ایک صاحب حافظ محمد خان شہیر (۳) تھے-وہ اصلاً رام پور کے تھے، ان کے والد بہ سلسلہ ملازمت وسط ہند میں چلے گئے-شہیر نے وہیں تعلیم و تربیت پائی کیونکہ والد نے وہیں کچھ زمینیں خرید لی تھیں اور وہیں سکونت اختیار کر لی تھی-شہیر میں شعر کا ذوق فطری تھا-شخصاً یا بذریعہ مراسلت غالب سے استفادہ کیا پھر بھوپال میں انھیں تحصیلداری کا منصب مل گیا تھا-نواب صدیق

Marfat.com

حسن مرحوم کے زمانے میں شہیرؔ بھوپال میں تھے۔ ان کا کوئی مجموعہ کلام تو میری نظر سے نہیں گزرا۔ مگر نواب صاحب کی متعدد کتابوں پر انہوں نے منظوم تقریظیں لکھی تھیں، جو کتابوں کے ساتھ چھپ گئیں۔ انھیں پڑھنے کے بعد میرا اندازہ یہ ہے کہ غالبؔ کے بعد اس کے انداز میں فارسی اشعار اگر کسی شخص نے لکھے ہیں تو وہ شہیرؔ تھا اور صرف شہیرؔ۔

آپ جانتے ہیں کہ کسی کتاب پر تقریظ نثر میں بھی لکھی جائے تو نہایت غیر دلچسپ اور سراپا مجموعہ تکلفات ہوتی ہے لیکن شہیرؔ نے منظوم تقریظیں ایسی دل پذیر لکھی ہیں کہ دس مرتبہ پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔

اور کیا لکھوں؟ صفحے کا صفحہ خالی جا رہا ہے اور یہ کتنا ظلم ہے کہ خیال میں کوئی بات آتی نہیں۔ مغرب کا وقت ہے۔ دماغ سرکشی پر آمادہ ہے۔ اگر حافظہ مساعدت کرتا تو کوئی ذاتی واقعہ ہی قلمبند کر دیتا۔ نظیریؔ کیا خوب کہہ گیا ہے:

شیریں تر از حکایتِ ما نیست قصہ
تاریخ روزگار سراپا نوشتہ ایم

لیکن یاد ہی کچھ نہیں آتا۔ مولانا ابوالکلام آزادؔ مرحوم و مغفور نے ایک مرتبہ کسی سے فرمایا تھا کہ میں نے اپنے حالات مرتب کر دیے ہیں اور خلاف معمول اس خودنوشت سوانح عمری میں صرف ایک شعر لکھا ہے اور وہی کافی ہے یعنی:

ہر کسے را دامنِ تر ہست اما دیگراں
بازے پوشند و ما در آفتاب انداختیم (۴)

کوئی شخص اپنے حالات کے لیے جس میں ہر قسم کے واقعات آئیں گے، ثقہ بھی اور غیر ثقہ بھی، اچھے بھی اور بُرے بھی روشن بھی، جن سے دوسرے کسبِ ضیا کریں، تاریک بھی، جو دوسروں کے لیے خلجان و سراسیمگی کا باعث ہوں یقین رکھیں کہ اس سے موزوں تر شعر کوئی نہیں ہو سکتا۔ یعنی ہر شخص کے ہاں خوبیاں ہی خوبیاں نہیں، برائیاں اور معصیت کاریاں بھی ہیں۔ دوسروں کا یہ حال ہے کہ اسے اُٹھا کر دوبارہ پہن لیتے ہیں۔ ہم نے یہ نہیں کیا بلکہ اسے دھوپ میں ڈال دیا ہے کہ سب کو حقیقت حال کا علم ہو جائے۔ یعنی اپنی کوئی بات چھپانے کی کوشش نہیں کی پردہ پوشی ہمارا شیوہ نہیں۔ محض اچھائیاں ہی نہیں اچھالیں، جیسے رسم عام ہے، برائیاں بھی برابر رکھ دیں تاکہ جسے موازنہ کرنا ہو، کھوج میں وقت صرف نہ کرے۔ دیکھے اور جو فیصلہ چاہے کر لے۔

Marfat.com

میں نے زندگی میں صرف دو شخص دیکھے، جنہیں تصنع، بناوٹ اور ملمع سازی سے کبھی دل بستگی نہ ہوئی - ایک مولانا دوسرے علامہ اقبال غفر الله له - یہ نہیں کہ دونوں اپنے عیوب کی تشہیر کے لیے ڈھنڈورچی ڈھونڈتے پھرتے تھے - ہاں احباب کی محفل میں بننے کی کبھی کوشش نہ کی - ان کی فطرت تصنع کی عادی ہی نہ تھی اور لطف یہ کہ دونوں کا یہ شیوہ ان کے عقیدت مندوں کے سامنے تھا - جو کوئی ایسی بات سنتے بھی تو اس پر یقین کے لیے تیار نہ تھے - اب وہ باتیں یاد آتی ہیں تو ان دونوں کے تصور سے دل تڑپ اُٹھتا ہے کہ خدایا، ہماری گنہگار اور نااہل آنکھوں نے ایسے بزرگ بھی دیکھے ہیں - ہمارے نازیبا سامعہ نے ایسے حق پرستوں اور حق جو ہستیوں کے کلام سے بھی برسوں استفادہ کیا ہے - فضل و رحمت کے ظہور کے لیے صلاحیت شرط نہیں - و الله یختص برحمته من یشاء (۵) یہ رتبہَ بلند ملا جس کو مل گیا -

مہر

دیکھیے آپ کی خوشنودی کے لیے نماز میں چند لحوں کی تاخیر ہوگئی اور ہمارے پاس ہے بھی کیا؟

حواشی خط نمبر ۱۰۴

۱- میں نے مولانا کے مکتوب گرامی نمبر ۱۰۲ میں عرفی کے شعر کے مصرعہ اولیٰ کے بارے میں لکھا تھا کہ قصائد عرفی مطبوعہ نولکشور پریس کانپور ۱۸۷۶ء میں مصرعہ اس طرح ہے:

ستم تہمتِ جہال نہ بریادِ تو رفت

جب کہ مولانا نے ''تہمتِ فسق ز جہال نہ بر بادِ تو رفت'' لکھا تھا آپ کی وضاحت کے بعد میں نے شعر العجم حصہ سوم اُٹھا کر دیکھی تو اس میں شعر کی یہ صورت نظر آئی:

اہل دنیا ہمگی تہمت گیرند و فساد
عیسیٰ ایں را متحمل شد و مریم برداشت

البتہ مولانا کی یہ بات درست ہے کہ شعر العجم میں دو الگ الگ مصرعوں کو شعر کی صورت دی گئی ہے - قصائد عرفی میں دونوں اشعار جن کے مصرعے متاثر ہوئے اس طرح ہیں:

اہل دنیا ہمگی تہمت گیرند و فساد
رحتِ خود را کہ ازیں ورطہ مسلم برداشت
ستم تہمتِ جہال نہ بر یادِ تو رفت
یوسف ایں را متحمل شد و مریم برداشت

Marfat.com

البتہ کلیات اشعار مولانا عرفی شیرازی از انتشارات کتابخانہ سنائی (ایران) میں دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح ہے:

ستم تہمت جہال نہ بر ما و تو رفت

مولانا شبلی نے شعر میں عیسیٰ لکھا ہے جب کہ قصائد اور کلیات عرفی میں عیسیٰ کے بجائے یوسف ہے اور یہی درست ہے جیسا کہ اہلِ علم پر عیاں ہے- البتہ ہمارے دور نافرجام میں متنبّی قادیاں آنجہانی مرزا غلام احمد علیہ ماعلیہ نے جو تہمتیں حضرت عیسیٰ پر لگائی ہیں اس لحاظ سے کچھ بعید نہیں کہ شبلی نے غلام احمد کی خرافات پڑھ کر مصرعہ میں تصرف کر دیا ہو-

۲- میرے کتب خانے میں فارسی دیوانِ رُسوا از مولانا احمد حسن رسوا، بجنوری ثم انبالوی تھا جو بفرمائش نواب علاء الدین احمد خاں علائی (م ۱۸۸۴ء) فرمانروائے لوہارو ترتیب پایا اور مطبع منشی نولکشور لکھنو سے ۱۸۸۱ء میں اشاعت پذیر ہوا- اس دیوان میں ایک ورق (۵۶-۵۵) غائب تھا جو بعد میں مولانا کا نسخہ لے کر کتابت کروا کے اس میں چسپاں کر دیا گیا- تذکروں میں رسوا تخلص کے دو اردو شاعروں، جن میں سے ایک مسلمان شیخ عبدالمجید غازی پوری اور دوسرے ہندو آفتاب رائے ہیں، کا ذکر ملتا ہے مگر احمد حسن رسوا کے حالات سر دست دستیاب نہیں ہوئے- جیسا کہ مولانا نے شبہہ کا اظہار کیا مصنف کے غالب کے تلامذہ میں سے ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملا البتہ اس کے قصائد وغزلیات میں بلاشبہہ غالب کا رنگ جھلکتا ہے- اس کے دیوان کا ایک نظر سے جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے کہ رسوا کو شاعری کی ہمہ اصناف پر یکساں قدرت حاصل ہے- دیگر اساتذہ فن کے تتبع میں بھی اس کا کلام ملتا ہے- مثلاً عرفی کے نعتیہ قصیدہ جس کا مشہور شعر ہے:

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت ست نہ صحراست
آہستہ کہ رہ بردمِ تیغ ست قدم را

کی زمیں میں افضل البشر بعد از انبیاء بالتحقیق سیدنا و مولانا امیر المومنین ابا بکر صدیق ؓ کی منقبت میں جو قصیدہ کہا ہے اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

آں لفظ اولی الفضل کہ در سورۂ نور ست
در شانِ وے آمد کہ شرف داد قسم را

(واقعہ افک میں حضرت مسطح بن اثاثہ کے ملوث ہونے پر حضرت ابوبکر صدیق نے ان کی آئندہ اعانت نہ کرنے کی قسم اُٹھائی تھی اس آیت کریمہ (۲۲:۲۴) میں قسم توڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا)

Marfat.com

دیوان کے خاتمہ پر جو تقاریظ اور قطعات تاریخ ہیں ان میں بقاعدۂ زبر و بینات جدول مادۂ تاریخ کی دی گئی ہے جو لائق تحسین ہے افسوس کہ اس قاعدہ کے جاننے والے اب خال خال تو کیا شاید ہی کوئی ڈھونڈے سے مل سکے۔

۳- شہیر، افتخار الشعرا حافظ خان محمد خان، مولوی غلام محمد خان رام پوری کے صاحبزادے تھے۔ ۱۲۶۲ھ میں نرسنگھ پور کندیلی میں پیدا ہوئے۔ ''نورچشم راحتِ جاں'' تاریخ ولادت ہے۔ شہیر کو شعر گوئی کا شوق اوائل عمر ہی سے تھا۔ حسنِ اتفاق سے غالب کا سا استاد میسر آ گیا شعر و سخن کے رموز سے خوب آگاہ تھے شہیر غالب کی وفات کے بعد ۱۸۷۲ء میں بھوپال میں ۶۰ ساٹھ روپے مشاہرہ پر ملازم ہو گئے۔ چندے نواب صدیق حسن خاں کے دونوں صاحبزادوں مولوی نور الحسن خاں کلیم اور مولوی علی حسن خاں کے اتالیق رہے۔ شہیر کا مایہ ناز ذخیرہ وہ فارسی قصائد ہیں جو انہوں نے نواب شاہ جہاں بیگم والیہ بھوپال اور ان کے شوہر نامدار نواب صدیق حسن خاں کی مدح میں کہے۔ ۱۹۰۱-۱۹۰۰ء میں بھوپال میں لاولد فوت ہوئے اور سیفیہ کالج کے متصل قلندر شاہ کے تکیہ میں مدفن ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: تلامذہ غالب طبع دوم از مالک رام مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی، ۱۹۸۴ء۔

۴- تبرکاتِ آزاد مرتبہ مولانا غلام رسول مہر، کتاب منزل لاہور، (س ن) پر آپ نے جو اشعار بطور یادگار مجھے لکھ کر دیے ان میں یہ شعر شیخ سعدی شیرازی سے منسوب ہے۔

۵- سورہ بقرہ آیت ۱۰۵ ترجمہ: ''اور اللہ خاص فرما لیتا ہے، اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے۔

(۱۰۵)

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم۔ آج صبح ایک کتاب کی تلاش تھی، حسن اتفاق سے ''کلیات رسوا'' مل گئی۔ وہ میں نے نکال کر الگ رکھ لی ہے۔ آپ جب چاہیں آ کر لے جائیں اُمید ہے بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

جناب محمد عالم مختار حق صاحب
موضع جھگیاں ناگرہ۔ ڈاک خانہ ڈھولن وال
براہ اچھرہ۔ لاہور

Marfat.com

(۱۰۶)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۱۰-فروری ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم- اب مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کا پتا ناقص ہے (۱)- میں نے آپ کو دو کارڈ لکھے، ایک کا مضمون یہ تھا کہ دیوان رسوا کا خیال ضرور ہے، مگر معلوم نہیں کہاں ہے- آپ آئیں اور نکال لیں- دوسرے روز میں کسی کتاب کی تلاش میں تھا اور اتفاقیہ دیوان رسوا مل گیا نکال کر باہر رکھا اور آپ کو اطلاع بھیجی کہ مل گیا ہے لے جائیں- یہ عید سے پیشتر کے خط ہیں- لیکن صدائے برنخاست- اندازہ ہو گیا کہ آپ کو خط نہیں ملے- تلف ہوئے ہیں اور اس کا سخت قلق ہے- انسان کی مساعی کا یہ انجام ہو تو اسے لکھنے کا حوصلہ ہی نہیں رہتا-

اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر وسائل تلاش کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور مجھے اپنی مشقت کے نتائج بہتر صورت میں دیکھنے کی مسرت حاصل ہو-

میں چھ روز سے بیمار ہوں- یعنی عید کے دن سے اور تکلیف اتنی زیادہ ہے کہ اپنے قول کے مطابق:

بنائے ہستی من در تزلزل افتاد است
بہ ہر نفس کہ کشم سیر مرگ زار کنم
نفس ز سینۂ تنگم چناں بروں آید
کہ گوئی قلب ز داماں خویش خار کشد

یعنی ہستی کی بنیاد میں زلزلہ پیدا ہو گیا- ہر نفس مرگ زار کی سیر کرتا ہوں میرے سینہ تنگ سے سانس اس طرح باہر آتا ہے کہ تو کہے، دل اپنے دامن سے کانٹے چن چن کر باہر پھینک رہا ہے- ظاہر ہے کہ اس پریشان حالی میں کچھ لکھنا مشکل ہے ایسی باتیں آپ آئیں تو زبانی کر لیں- میں بے بس ہوں- یہ سطریں بہ مشکل لکھی ہیں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
مہر

Marfat.com

آپ کا پہلا لفافہ بھیجنا چاہتا تھا - جلدی میں ملا نہیں - تلاش کے لیے صبر درکار اور میں صبر سے بالکل بے بہرہ -

حاشیہ خط نمبر ۱۰۶

۱- نیا پتا ناقص نہیں تھا - آپ کے دونوں مذکورہ گرامی نامے موصول ہو گئے تھے - (دیکھیے خط ۱۰۴، ۱۰۵) البتہ عرض جواب میں تاخیر پر کوتاہی میری جانب سے ہوئی کہ میں رسیدگی مکتوبات کی اطلاع بروقت نہ دے سکا - جس پر میں نے معذرت کر لی -

(۱۰۷)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۲ - مارچ ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیزی - اپنا تاثر پیش کر دینے کا مطلب یہ نہیں کہ خدانخواستہ دل میں کوئی بات باقی ہے - آپ نہ بھی لکھتے تو بات رہ ہی نہیں سکتی تھی - (۱) صرف یہ عرض کیا کہ مجھ ایسے حساس اور جذبات کے معاملے میں حد درجہ ذکی آدمی کو اس قسم کے معاملات میں واقعی تکلیف ہوتی ہے -

باقی رہا معاملہ رُسوا کی شاگردی کا تو آپ بار بار جس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں، (۲) وہ تمام تلامذہ کے باب میں حرف آخر نہیں، میں ایک یا دو آدمیوں کا حوالہ دے سکتا ہوں، جو خود اپنے آپ کو مرزا غالبؔ کا شاگرد لکھتے رہے لیکن ان کا ذکر تلامذہ میں موجود نہیں -

بلاشبہہ میرے پاس کوئی مثبت شہادت نہیں، مگر اسلوب بیان سے یہی متبادر ہوتا ہے کہ رُسوا کو غالبؔ سے خاص تعلق تھا اور علائی والی لوہارو کے ہاں اس کا ہونا اور اس کی سعی سے کلام چھپنا اس کی مزید شہادت ہے - یہ میرا تاثر ہے، ضروری نہیں آپ اسے صحیح سمجھیں -

شعر کا ترجمہ وہی ہے جو پہلے کیا - مصرعہ اولیٰ میں مزید خوبی یہ ہے کہ "مگرے کہ آتش بگورم از وست" سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ مرزا کے قول کے مطابق اس کی قبر میں آگ پڑے گی تو صرف شراب نوشی کے باعث - اور کوئی جرم اس نے بظاہر نہیں کیا یعنی کبائر میں سے - مطلب یہ نہیں کہ آپ اس مطلب کو سامنے رکھ کر پورے شعر کا ترجمہ نئے سرے سے کرنے لگیں - شاعر اپنے

Marfat.com

کلام میں کئی پہلو ملحوظ رکھتا ہے۔ ضروری ہے کہ ان تمام پہلوؤں تک رسائی کی کوشش کی جائے۔
اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

''بجانم'' کیوں؟ ''گورم''، ''مورم'' کا قافیہ ہے، ''بجانم''، ''مورم'' کا قافیہ کیوں کر بنے گا؟ (۳)

حواشی خط نمبر ۱۰۷

۱۔ یہ استفسار تھا اس الزام کے متعلق کہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے تحریراً یا تقریراً علامہ اقبال کا نام کبھی استعمال نہیں کیا۔ مولانا نے میری تشفی تو کر دی تھی مگر ایک طویل عرصہ گزر جانے کے بعد صحیح حوالہ ذہن میں مستحضر نہیں ہو رہا تھا تو میں نے اپنے دیرینہ کرم فرما محترم جناب عبدالرشید ارشد صاحب (مدیر الرشید) سے بذریعہ ٹیلیفون استفسار کیا تو انہوں نے دو منٹ میں میری مشکل حل کر دی۔ ارشد صاحب ماشاءاللہ صرف مدیر ہی نہیں ہیں اچھا خاصا ادبی ذوق رکھتے ہیں اور بعض اوقات میرے حواشی میں اپنی مفید معلومات سے اضافہ کر کے انہیں مزید نفع بخش بنا دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ (i) مولانا ابوالکلام آزاد نے غبار خاطر کے مکتوب نمبر ۲۰ (مورخہ ۱۱، مارچ ۱۹۴۳ء) میں علامہ کا یہ شعر استعمال کیا ہے:

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ و فغاں نیز کنند

(زبور عجم)

ii۔ ہفت روزہ ''البلاغ'' کلکتہ (مدیر مولانا آزاد) کے پہلے شمارہ (مورخہ ۱۲، نومبر ۱۹۱۵ء) کے صفحہ اول پر علامہ کی ایک نظم بعنوان ''نوا را تلخ تر می زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی'' شائع ہوئی ہے۔ اب یہ نظم ''بانگ درا'' میں زیر عنوان ''عرفی'' شامل ہے۔ میں نے اس نظم کا بانگ درا میں مطبوعہ نظم سے موازنہ کیا تو دو مزید تبدیلیاں نظر آئیں۔

اولاً:

تغیر آ گیا ایسا مزاجِ اہلِ عالم میں (البلاغ)
مزاجِ اہلِ عالم میں تغیر آ گیا ایسا (بانگ درا)

Marfat.com

ثانیاً:

صدا تربت سے آئی شکوۂ اہلِ جہاں کم کن (ابلاغ)

صدا تربت سے آئی شکوۂ اہلِ جہاں کم گو (بانگِ درا)

لہٰذا ثابت ہوا کہ جو کچھ سنا وہ افسانہ تھا جس کا حقائق سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ (برادر محترم کا حسن ظن ہے۔ میں نے ان کا فون آنے پر قاضی افضل حق قرشی کی کتاب ''اقبال کے ممدوح علماء'' دیکھی اور بتا دیا۔ ارشد مدیر ''الرشید'' لاہور)

۲۔ اس کتاب سے مراد مالک رام (م۔ ۱۶، اپریل ۱۹۹۳ء) کی ''تلامذہ غالب'' ہے جو مرکز تصنیف و تالیف نکودر سے ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی۔

۳۔ میں نے غالب کے شعر:

گرے کہ آتش بگورم ازوست

بہ ہنگام پرواز مورم ازوست

کا ترجمہ لکھا تھا اور ساتھ ہی اپنی کوتاہ فہمی کے سبب گورم کے بجائے جانم کا لفظ تجویز کر دیا تھا۔

(۱۰۸)

Ghulam Rasul Mihr ۱۱۔ مارچ ۱۹۶۵ء
Muslim Town
Lahore

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! اس معاملے کو طول دینے کی ضرورت نہیں، معاملہ گزر چکا، جو کچھ ہونا تھا ہو چکا ہے اب اسے کرید کر کیا نتیجہ نکلے گا؟ ایسے معاملات میں اظہار تاثرات کا مدعا محض یہ ہوتا ہے کہ آئندہ حتی الامکان احتیاط کی جائے۔ خدانخواستہ یہ خیال ہی نہیں ہو سکتا کہ آپ نے دانستہ وہ سب کچھ کیا ہوگا۔ نادانستہ ہوا اور نتائج کا صحیح اندازہ نہ کرتے ہوئے ہوا۔ مضیٰ مامضیٰ

''پرویں رقم'' مرحوم (۱) کے بارے میں میرے لیے کچھ لکھنا مشکل ہے۔ آپ آئیں اور مجھ سے مختلف باتیں سن لیں یہ ممکن ہے۔

آپ کو شاید معلوم نہ ہو کہ شفاء الملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی نظامی مرحوم و مغفور (۲) میرے نہایت عزیز دوست تھے۔ ۱۹۲۳ء میں ان سے گہرا ربط ضبط پیدا ہوا۔ جوان کے

Marfat.com

انتقال (۱۵ستمبر ۱۹۳۷ء) تک بہ دستور قائم رہا- پھر ان کی بیگم مرحومہ و مغفورہ مجھ سے اپنے عزیزوں کا سا سلوک فرماتی رہیں- میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا- وہ بھی میرے غریب خانے پر تشریف لاتی تھیں- ان کا انتقال حکیم صاحب مرحوم کے وطن جگراؤں (ضلع لدھیانہ) میں ہوا- جہاں وہ چند روز کے لیے گئی تھیں، بیمار ہوئیں، مجھے اطلاع دی، میں نے لکھا کہ فوراً حاضر ہو کر آپ کو لے آتا ہوں- فرمایا: تکلیف نہ کرو، طبیعت اچھی ہو رہی ہے- میں خود آ جاؤں گی لیکن اچانک مزاج بگڑا اور وفات پائی- مجھے چوتھے دن اطلاع ملی-

''پرویں رقم'' حکیم صاحب مرحوم کے شاگرد تھے- خطاطی میں بھی حکیم صاحب کو کمال حاصل تھا- یہ خطاب حکیم صاحب ہی نے دیا تھا اور اگر اسے نمائش نہ سمجھا جائے تو عرض کروں کہ حکیم صاحب نے خطاب مجھ سے تجویز کرایا تھا یعنی ''پرویں رقم'' (۳) میرا تجویز کردہ ہے-

مجھے ان کی بہت سی باتیں یاد ہیں- لیکن لکھنے کے لیے وقت اور فرصت چاہیے- وہ میرے ہاں ناپید ہے- آپ بے شک ان کے بارے میں معلومات جمع کر لیں- ان کا بیٹا اقبال بھی آپ کو بہت سی باتیں بتائے گا-

جس حد تک مجھے علم ہے حضرت علامہ مرحوم و مغفور نے دین محمد کاتب (۴) سے ایک کتاب لکھوائی تھی- غالباً زبور عجم، (۵) دین محمد عجیب بزرگ تھے- نہایت باکمال خطاط مگر اپنی مرضی کے آدمی تھے- گھر سے دہی لینے نکلے اور حج کو چلے گئے- کتاب کی تکمیل میں خاصی زحمت اٹھانی پڑی اس لیے پرویں رقم کی طرف متوجہ ہوئے- (ان کا نام عبدالمجید تھا اور اس زمانے میں ''پرویں رقم'' خطاب نہیں ملا تھا) ان کا خط نہایت عمدہ اور دل آویز تھا- پھر انہیں سے لکھواتے رہے- اگرچہ آخر میں ان کی طرف سے خاصی تاخیر ہو جاتی تھی-

آپ کا جو لفافہ اس روز نہیں ملا تھا، آج مل گیا ہے احتیاطاً اسے بھی واپس بھیجتا ہوں-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۰۸

۱- منشی عبدالمجید پرویں رقم مرحوم و مغفور کا خاندان برصغیر پاک و ہند کے ایسے معدودے چند خاندانوں میں سے ایک ہے جن کی عظمت و برتری کا علم نسل درنسل برصغیر پاک و ہند پر صدیوں سے لہراتا رہا ہے- آپ کا سلسلہ نسب سات واسطوں سے مولوی حافظ محمد عارف خوشنویس عہد مغلیہ سے جا ملتا ہے-

Marfat.com

اس خاندان سے بعض کو مغل شہزادوں کے معلم ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ منشی عبدالمجید پرویں رقم مرحوم ابن خلیفہ عبدالعزیز خوشنویس نے آبائی پیشہ ہی اختیار کیا اور ابتدا میں حافظ خلیفہ نور احمد (م، ۱۹۱۵ء) کے آگے زانوے تلمذ تہ کیا۔ اور اس فن کو بام عروج تک پہنچانے کے لیے شب و روز مشق میں منہمک رہنے لگے یہاں تک کہ مروجہ طرز قدیم میں کمال حاصل کر چکنے کے بعد اس طرز میں مزید دلکشی اور جاذبیت آفرینی کے لیے آمادہ ہوئے۔ چنانچہ اسے عملی جامہ پہنانے کی خاطر شفاء الملک حکیم فقیر محمد صاحب چشتی مرحوم، جو فن طبابت میں عدیم النظیر دستگاہ رکھنے کے علاوہ ایک اچھے ادیب، بلند پایہ مصور اور خط نستعلیق میں اجتہاد کا درجہ بھی رکھتے تھے، کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے مشورہ کے طالب ہوئے۔ حکیم صاحب نے ان کے اس اقدام پر آفرین کہی اور اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔ بلکہ بعض پیچدار و مرکب حروف کے خاکے بھی خود ہی تیار کر کے دیے۔ ملتان کے مشہور خوشنویس فتح علی سے بھی بعض اوقات منشی صاحب مشورہ لیا کرتے تھے (فتح علی ملتانی کا ایک قطعہ لاہور کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ ملاحظہ ہو ''تعارف مخطوطات گیلری از ڈاکٹر انجم رحمانی۔ مطبوعہ عجائب گھر لاہور ۱۹۸۸ء) اور اس طرح اپنی مساعی جمیلہ اور خداداد ذہانت بروئے کار لا کر اس فن میں ایک نئی طرز کے بانی ہوئے جو پیشروؤں سے قدرے مختلف مگر خوبصورت اور جاذب نظر ہے۔ پرویں رقم فرمایا کرتے تھے کہ میری لکھائی میں خیال حکیم صاحب کا اور قلم میرا ہوتا ہے۔ (نقوش لاہور نمبر) منشی عبدالمجید پرویں رقم نے قدیم طرز کو جدید طرز کا لباس پہنانے اور اس میں ترمیم کرنے کی خاطر باقاعدہ پروگرام بنایا۔ مفرد و مرکب حروف والفاظ کے خاکے مرتب کیے۔ پہلے حروف کے دائرے شمسی ہوتے تھے آپ نے انہیں بیضوی طرز میں ڈھالا۔ ان میں جاذبیت اور توازن پیدا کیا۔ سالہا سال کی عرق ریزی و دیدہ کاوی کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ قدیم طرز تحریر کو بدلنے میں کامیاب ہوئے۔ لہٰذا بجا طور پر پرویں رقم طرز جدید کے موجد کہے جانے کے مستحق ہیں۔ پرویں رقم مرحوم حافظ غلام محی الدین صاحب قصوری کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ حافظ صاحب مرحوم نے ہی علامہ اقبال کی نماز جنازہ پڑھائی۔ یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ علامہ اقبال مرحوم کی کتابوں کی کتابت کی سعادت اگر پرویں رقم کے حصہ میں آئی تو علامہ مرحوم کی نماز جنازہ پڑھانے کا شرف پرویں رقم کے شیخ طریقت کو حاصل ہوا۔ آپ کی سکونت لوہاری منڈی لاہور میں تھی۔ یہیں اس فن کو درجہ کمال کو پہنچا کر مورخہ ۱۴ر اپریل ۱۹۴۶ء کو یہ قدسی صفات مسافر راہی ملک عدم ہوا۔ پیر غلام دستگیر نامی نے یہ قطعہ تاریخ کہا:

Marfat.com

چو عبدالمجید از جہاں کرد رحلت
بگفتم کہ شد خوش قلم از جہانے
ز تاریخ فوتش چو پرسند نامی
بگو "رفت پرویں رقم از جہانے"

۱۳۶۵ھ

۲- شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی نظامی (متوفی ۱۹۳۷ء) کو طب پڑھنے کا شوق اوائل عمر سے ہی تھا۔ اپنے وطن جگراؤں ضلع لدھیانہ سے عربی اور فارسی کی تعلیم پا کر حاذق الملک حکیم عبدالمجید خاں کے زیر نگرانی تعلیم پائی اور نسخہ نویسی پر مامور رہے۔ لاہور آ کر ذاتی مطب شروع کیا اور کامیاب علاج کیے۔ جلد ہی آپ کی طبی ذہانت کا شہرہ ہو گیا۔ اپنے دواخانہ میں خود ہی دوائیں تیار کرنے کا اہتمام کیا۔ اس فن میں یہاں تک کمال حاصل کیا کہ تمام معالجات صرف چودہ دواؤں میں محدود کر دیے تھے اور ان ہی کے ادل بدل یا اوزان میں کمی بیشی سے ہر مرض کا کامیاب علاج کرتے۔ حکومت نے ان کی طبی خدمات کے پیش نظر "شفاء الملک" کا خطاب دیا۔ خطاطی میں بھی انہیں درجہ اجتہاد حاصل تھا۔ شعر گوئی سے بھی شغف تھا۔ مصوری سے بھی دلچسپی تھی۔ "شفا منزل" کے نام سے ایک بڑی عمارت پانی والا تالاب اندرون لاہور میں تعمیر کرائی تھی جس کا بڑا حصہ طبیہ کالج کو ہبہ کر دیا تھا۔ حکیم صاحب لاہور کی علمی و ادبی مجلسوں کے روح رواں تھے۔ مولانا مہر سے گہرے روابط تھے۔ علاج معالجہ میں بھی مولانا ان سے مشورہ لیتے۔ مولانا کی طبیعت بڑی حساس تھی۔ ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو جاتے۔ ایک مرتبہ آشوب چشم کے عارضہ میں مبتلا ہوئے تو حکیم صاحب سے اپنی باطنی کیفیت کا یوں اظہار کیا:

رہیں مدام نثار رہِ شفا منزل
ترے کرم سے اگر پا سکیں شفا آنکھیں

لوح مزار پر کندہ تاریخ وفات کے مطابق حکیم صاحب کی رحلت ۱۶، اکتوبر ۱۹۳۷ء کو ہوئی۔ (نہ کہ ۱۵ ستمبر ۱۹۳۷ء کو) تو مولانا ہی نے لوح مزار کا قطعہ کہا جو سات اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کا مقطع ہے

اس خاک پہ بخشش کے برستے رہیں انوار
اس خاک پہ رحمت کی گھٹا ہو گہر افشاں

آپ کو گورستان میانی صاحب میں سپرد خاک کیا گیا۔ رہے نام اللہ کا۔

۳- مولانا نے ایک صحبت میں مجھ سے بیان فرمایا کہ میں نے ثریا رقم اور پرویں رقم کے خطابات تجویز کیے

Marfat.com

تھے-حکیم صاحب نے پرویں رقم پسند فرمایا اور یہی خطاب دیا گیا- یہ مارچ ۱۹۲۸ء کی بات ہے-اس کا تذکرہ انقلاب کے سالگرہ نمبر مورخہ ۲۳، مارچ ۱۹۲۸ء کے "تشکر" میں کیا گیا-اس خطاب کے عطا ہونے کے بعد پرویں رقم نے اسی سال حروف تہجی کی ایک بدیع المثال مشق نہایت نفیس اور دبیز کاغذ پر لکھ کر بڑے اہتمام سے چھپوائی جس کے درمیان میں اپنی چھوٹی سی عکسی تصویر بھی دی اور اسے چوک جھنڈا لاہور سے شائع کیا اور اس ارزانی کے دور میں اس مشق کی قیمت ایک روپیہ مقرر کی جس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پرویں رقم کو اپنی قدر و قیمت کا خود بھی اندازہ تھا- (بزم پرویں رقم نے اس مشق کا از سر نو عکسی ایڈیشن ذوالقرنین چیمبر گنپت روڈ لاہور سے شائع کر دیا ہے) اسی قسم کا ایک اور واقعہ خوانندگان گرامی کی دلچسپی کے لیے نقل کیا جاتا ہے جس کی تائید جناب سید نفیس الحسینی صاحب (سرپرست اعلیٰ "الرشید") بھی کرتے ہیں- یہ واقعہ مولانا ظفر اقبال مرحوم نے پرویں رقم کے تلمیذ رشید برادرم الحاج محمد اعظم منور رقم سے از خود بیان کیا کہ اسلامیہ پارک چوبرجی میں میری رہائش گاہ زیر تعمیر تھی- میں اس کے لیے پتھر لکھوانے کے لیے پرویں رقم کی خدمت میں حاضر ہوا- پتھر ساتھ لیتا گیا اور درخواست کی کہ اس پر "فصیح منزل" کتابت کر دیں- آپ نے اس کا محنتانہ دو سو روپے طلب کیا- میں نے کہا کہ میں تو صرف پچیس روپے بطور حق الخدمت دے سکتا ہوں- اس سے زیادہ کی میرے بس کی بات نہیں- کیونکہ میں محض ایک سکول ٹیچر ہوں جس کی تو تنخواہ بھی اتنی نہیں- میں دو سو روپے کیسے ادا کر سکتا ہوں- آپ راضی نہ ہوئے- میں پتھر اٹھا کر واپس لے آیا- میری رہائش گاہ تعمیر ہو گئی اور اس میں مَیں منتقل بھی ہو گیا البتہ پتھر کی جگہ خالی چھوڑے رکھی- اس واقعہ کے کم و بیش ایک سال بعد کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ایک روز مسجد خراسیاں (اندرون لوہاری گیٹ) کے پاس ہم دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا- علیک سلیک کے بعد پرویں رقم صاحب نے پوچھا- مولوی صاحب! پتھر لکھوا لیا؟ میں نے کہا "نہیں-" کہنے لگے لاہور میں اچھے اچھے کاتب ہیں- تاج الدین زریں رقم ہیں- محمد صدیق الماس رقم ہیں ان سے لکھوا لیتے- میں نے کہا، مجھے تو صرف آپ سے لکھوانا تھا- جب آپ نے انکار کر دیا تو میں نے پتھر لکھوانے کا خیال ہی دل سے نکال دیا- یہ جواب سن کر پرویں رقم بہت متاثر ہوئے اور آپ نے کہا کہ آپ نے فن کی قدر کی- جاؤ پتھر لے آؤ- میں (پچیس ہی میں بقول مہر صاحب) لکھ دوں گا چنانچہ میں دوبارہ پتھر لے کر حاضر ہوا- آپ نے لکھا اور واقعی بے مثل لکھا- اس واقعہ کی تصدیق مولانا غلام رسول مہر کے روزنامچہ مورخہ ۱۳، دسمبر ۱۹۷۰ء کے اشارات سے بھی ہوتی ہے- (یاد رہے کہ مولانا ظفر اقبال کے والد مشہور مصنف و مولف مولانا غلام قادر فصیح تھے-ان کے نام کی نسبت سے اپنی رہائش گاہ کا نام فصیح منزل رکھا-)

Marfat.com

(راقم نے حضرت سید نفیس الحسینی مدظلہ سے روایت کی تصدیق چاہی تو انہوں نے فرمایا پروین رقم صاحب نے ۲۵ روپے طلب کیے تھے ان دنوں یہ بہت بڑی رقم تھی - ارشد مدیر الرشید لاہور)

۴- حاجی دین محمد نے حکیم احمد علی خاں سے تعلیم و تربیت حاصل کی اور انہوں نے ہی آپ کو فن کتابت کی تحصیل کی طرف آمادہ کیا - چنانچہ آپ نے کتابت سیکھنے کے لیے حافظ نور احمد کی شاگردی اختیار کر لی اور قلیل مدت میں اپنی شبانہ روز محنت سے اس فن میں مہارت حاصل کر لی - ('' پاک و ہند میں اسلامی خطاطی '' مصنف ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، مطبوعہ کتاب خانہ نورس لاہور ۱۹۷۶ء میں استاد کا نام منشی عبدالغنی الملقب بہ تھولکھا ہے) کتابت کے علاوہ آپ نے پینٹنگ کی بھی مشق کی اور کتبے اور سائن بورڈ لکھنے میں کمال حاصل کر لیا - جلی حروف میں کتابت ان کا خاص مشغلہ تھا - ۱۱۷۱ء میں نیو انارکلی میں بوٹوں کی مشہور دکان '' کرنال شاپ '' والوں نے اپنی دکان پر '' کرنال شاپ '' لکھوانا چاہا - حاجی صاحب نے دیوار کا ناپ لے کر بازار سے کاغذ خریدا اور بادشاہی مسجد پہنچے - جس کے صحن میں مطلوبہ سائز میں کاغذ جوڑ لیا اور پنسل پکڑ کر '' کرنال شاپ '' کے الفاظ لکھے - جس کا صرف حرف '' پ '' ۳۵ فٹ لمبا تھا - پھر یہی الفاظ نہایت چابکدستی سے دیوار پر منتقل کر دیے - حاجی صاحب کا یہ شاہکار مدت تک زائرین کو دعوت نظارہ دیتا رہا مگر اب بلڈنگ کا اوپر کا حصہ منہدم ہو جانے کے باعث (پ) کا حرف ضائع ہو چکا ہے - صرف اس کے نقطے حرف (ل) میں باقی رہ گئے ہیں - جبکہ (ل) کا اوپر کا حصہ اور قدرے '' ز '' کا حصہ ضائع ہو چکے ہیں - دکان کے اس حصہ میں اب '' واحد شوز '' والے جوتوں کا کاروبار کرتے ہیں - کرنال شاپ کا موٹو تھا

ہمارا مال بھی اچھا ہے اور قیمت بھی ارزاں ہے
اسی باعث تو شہرت پا گئے کرنال کے جوتے

اس کے علاوہ مسجد کوٹ عبداللہ شاہ مزنگ، جامعہ القرآنیہ چوک جھنگ کا دے کتبات اور کتب خانہ ملک دین محمد اینڈ سنز بل روڈ لاہور (اب اس عمارت کی جگہ ایک پلازہ بن گیا ہے، البتہ بورڈ کندہ کاتب کے دستخط راقم کے پاس محفوظ ہیں) ملک صلاح الدین ... کی دکانوں پر جلی خط کے نمونے ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں - مسجد داتا گنج بخش (...) پر بھی ... کے نمونے تھے - ایک قطعہ وفات جامی لاہوری کا اس دیوار میں نصب تھا ... تھا - ۱۹۲۶ء میں علامہ اقبال نے پنجاب لیجسلیٹو کونسل کی ... کا انتخاب ... تو حاجی صاحب نے نہایت قلیل عرصہ میں اتنا بڑا اشتہار لکھا کہ علامہ اقبال نے ... فرمایا کہ حاجی صاحب تو '' کاتب کی فیلوں '' ہیں ... اسی وقت

Marfat.com

''فیکون'' ہو گیا- ان سے اس قسم کے کئی واقعات منسوب ہیں- راقم الحروف نے ان کے بعض اشتہارات دیکھے ہیں جن میں حاجی صاحب نے فنی کمالات کا مظاہرہ کیا ہے- ان میں:

i- چہلم مولانا ابوالحسنات قادری خطیب مسجد وزیر خاں ۱۳۸۶ ہجری

ii- عرس حضرت میاں غلام اللہ شرقپوری نقشبندی ۱۳۸۷ ہجری-

iii- عرس الامام الاعظم ابوحنیفہ لائلپور ۱۹۶۳ء-

قابلِ ذکر ہیں- حاجی صاحب کی انتہائی کوشش ہوتی کہ اشتہار میں کوئی جگہ ایسی نہ رہ جائے جہاں کچھ لکھا نہ گیا ہو- حتیٰ کہ وہ حاشیہ کو بھی نہیں بخشتے تھے- وہاں بھی کچھ نہ کچھ تحریر کر دیا کرتے تھے- یہی وصف ان کو معاصرین میں امتیازی حیثیت بخشتا تھا- اس باکمال استاد کا انتقال لاہور میں یکم اگست ۱۹۷۱ء کو نوے سال کی عمر میں ہوا- انا للہ وانا الیہ راجعون-

۵- زبورِ عجم تو کیا حاجی دین محمد کاتب نے علامہ اقبال کی کسی کتاب کی کتابت نہیں کی بلکہ زبورِ عجم کے نقش اولین کی کتابت کا سہرا منشی محمد صدیق الماس رقم کے سر ہے (ماہنامہ خوشنویس لاہور مئی ۱۹۵۰ء) منشی محمد صدیق الماس رقم (متوفی ۳۰ مارچ ۱۹۷۲ء- اُردو جامع انسائیکلو پیڈیا مطبوعہ شیخ غلام علی پبلشرز لاہور ۱۹۸۷ء میں تاریخ وفات ۱۳، مارچ ۱۹۷۲ء دی گئی ہے جو درست نہیں) برصغیر کے ممتاز خطاط تھے- آٹھویں جماعت تک تعلیم ڈی سی ہائی سکول ڈسکہ (سیالکوٹ) سے حاصل کی- مگر سایہ پدری سے محرومی کے سبب آگے نہ پڑھ سکے- پھر کسی دکان پر بہی کھاتہ لکھنے کا کام شروع کیا لیکن طبیعت جلد ہی اچاٹ ہو گئی- ازاں بعد طبعی مناسبت سے اپنے ماموں حکیم محمد عالم خوشنویس سے کتابت سیکھی اور تلاشِ روزگار میں لاہور آ گئے اور اپنے فن میں اس قدر مہارت بہم پہنچائی کہ معاصرین نے انہیں ''خطاط العصر'' تسلیم کیا- منشی صاحب کو علامہ اقبال کی ''زبورِ عجم'' کی کتابت کی سعادت بھی حاصل ہوئی جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۷ء میں شائع ہوا یعنی جب منشی صاحب کی عمر صرف بیس سال تھی- اس عمر میں کتابت میں اتنی پختگی کا پیدا ہو جانا ایک حیرت انگیز اور غیر معمولی واقعہ ہے (رسالہ ''کتاب'' لاہور برائے نومبر ۱۹۶۷ء میں محمد بدر منیر صاحب نے ''زبورِ عجم'' کی کتابت ۱۹۳۴ء میں ہونا بیان کیا ہے جو درست نہیں)

منشی صاحب کی خطاطی کے نمونے مینارِ پاکستان پر دیکھے جا سکتے ہیں- انہیں سائن بورڈ لکھنے میں بھی کمال حاصل تھا- ان کے کتابت شدہ بورڈوں میں روزنامہ زمیندار لاہور، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور، طارق منزل بیگم پورہ قابلِ ذکر ہیں- آپ کو الماس رقم کا خطاب اظہر امرتسری مدیر روزنامہ زمیندار نے مولانا ظفر علی خاں کی تجویز پر دیا تھا- اس مقام پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے وہ یہ

Marfat.com

کہ ''داستانِ مصوری'' کے مرتبین (ناشر سرفراز آرٹسٹ لاہور، سیالکوٹ) نے الماس رقم کے حالات کے ضمن میں زردوزی والے قرآن مجید کی کتابت کو الماس رقم سے منسوب کیا ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں- یہ محض ایک سیاسی ڈرامہ تھا جو اس وقت کھیلا گیا- صحیح صورت حال حقائق کی روشنی میں اس طرح ہے کہ زردوزی والے قرآن مجید کے متن کی کتابت کی سعادت رئیس القلم جناب حافظ محمد اعظم نصیری کو حاصل ہوئی- حافظ صاحب کوٹ عبداللہ شاہ کی تاریخی جامع مسجد کے پیش امام بھی تھے اور اسی مسجد میں بیٹھ کر انہوں نے ۷۷۴ دنوں میں شبانہ روز کی محنت شاقہ سے اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا- ۱۴"x۱۸" کی تقطیع میں یہ قرآن پاک ۱۲۱۴ صفحات پر ۱۳۸۷ ہجری میں مکمل ہوا- تکمیل کتابت کی خوشی میں حافظ صاحب کے اعزاز میں بزم پرویں رقم نے ایک استقبالیہ دیا اور حافظ صاحب کو خراج تحسین پیش کیا گیا- یہ بات بھی یاد رہے کہ زردوزی کے کام کا شرف محلہ نوہریاں اکبری منڈی لاہور کے زردوز جناب عطا محمد کو حاصل ہوا- انہوں نے ایک جلد دس پاروں پر مشتمل چھ ماہ میں تیار کی- یہ نقرئی جلد عقیق اور فیروزہ سے مرصع تھی- تین جلدوں پر مکمل سیٹ غالباً تین مرحلوں میں مدینہ منورہ شریف بھیج دیا گیا-

(۱۰۹)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۱۶، مارچ ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، میرے سامنے کم از کم دس گیارہ مرتبہ تو یہ ذکر ضرور ہوا کہ پرویں رقم حکیم صاحب کے شاگرد تھے اور پرویں رقم بھی موجود تھے، پھر میں نے مختلف مواقع پر انہیں حکیم صاحب سے مشورہ کرتے ہوئے بھی دیکھا- اب میں یہ کہوں کہ انہوں نے ابتداء سے کتابت حکیم صاحب ہی سے سیکھی تھی تو یہ دعوی بداہتہً غلط ہوگا- تاہم اتنا جانتا ہوں کہ پختگی و مشاقی کے دور میں وہ اکثر حکیم صاحب کے پاس آتے تھے اور حکیم صاحب کچھ نکتے بھی سمجھایا کرتے تھے، چونکہ مجھے خطاطی سے کبھی دلچسپی نہیں ہوئی، اس لیے نکتے یاد نہ رکھے یا توجہ سے سنے ہی نہیں-

پھر حکیم صاحب نے جب فرمایا کہ کوئی عمدہ اور بالکل نیا خطاب تجویز کرو، میں اپنے اس شاگرد کو دینا چاہتا ہوں تو عبدالمجید مرحوم بھی موجود تھے- میں کچھ دیر سوچتا رہا- یہ یاد نہیں کہ

Marfat.com

اسی وقت یا دوسرے تیسرے دن (کیونکہ میں اس زمانے میں روزانہ حکیم صاحب کے پاس جایا کرتا تھا) میں نے بیٹھے بیٹھے ''پرویں رقم'' تجویز کیا- حکیم صاحب اور عبدالمجید دونوں بے حد خوش ہوئے- یہی خطاب دیا- غالباً اس کے لیے کوئی خاص مجلس آراستہ نہیں ہوئی تھی-

نازش رضوی صاحب (۱) کے بیان کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا- حکیم صاحب میرے نہایت عزیز دوست تھے میرے سامنے انہوں نے کبھی ایسے الفاظ نہیں فرمائے جو نازش سے آپ نے منسوب کیے یعنی ان کا مضمون دیکھ کر-

میں راولپنڈی جانا چاہتا ہوں، دو چار روز کے لیے- کچھ ضروری کام ہیں- موٹر کے لیے کہا ہے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کب آئے- اگر اتوار سے پیشتر آ گئی تو چلا جاؤں گا- یہ بھی ممکن ہے کہ ایک دو روز بعد جاؤں- آج یا کل پتا چلے گا- اگر گیا تو اِن شاء اللہ اگلے اتوار، ورنہ بے تکلف آ ئیں-

بھائی میں ''حل معما'' (۲) کے فن سے بالکل بے بہرہ ہوں- ابتدائی دور میں چند معمے دیکھے تھے اور ان پر خوش ہوا تھا- پھر حقائق کی طرف توجہ منعطف ہوگئی اور ادبی ہیر پھیر، اینچ پیچ کچھ نہ جان سکا-

صہبائی مرحوم (۳) نے حل معما پر ایک رسالہ لکھا ہے اسے ایک مرتبہ پڑھنا چاہا- چند سطریں پڑھنے کے بعد طبیعت اُکتا گئی اور چھوڑ دیا- مثلاً مومن (۴) نے ''مہتاب رائے'' کا معما کہا تھا:

بنے کیوں کر کہ ہے سب کار اُلٹا
ہم الٹے، بات الٹی، یار الٹا

آخری مصرعے کے ''ہم'' اور ''بات'' اور ''یار'' کو الٹنے سے مہتاب رائے بنتا ہے-
لیکن معما باز عجیب وغریب کاوشیں کرتے ہیں- مثلاً اغلب ہے آپ کے منقولہ شعر میں ''منزل'' کی جگہ خانہ رکھیں (کیونکہ منزل اور خانہ مترادف ہیں) اور اس سے ''خان'' نکالیں- اس طرح خانخاناں بنالیں- میں اس فن سے بالکل نابلد ہوں اور عفو خواہ-

مکتوبات سلیمانی میرے پاس ہے اور آپ سے نسخہ لینا غیر ضروری ہے- ایک نسخہ کافی ہے-

Marfat.com

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں - اگر میں گیا تو لکھ دوں گا، نہ لکھا تو سمجھ لیں کہ نہیں گیا - ان شاء اللہ تعالیٰ -

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۰۹

۱- نازش رضوی صاحب (متوفی ۲۸ مئی ۱۹۹۱ء) نے ایک مضمون میں لکھا تھا کہ حکیم صاحب موصوف پرویں رقم کو اپنے مفید مشوروں سے وقتاً فوقتاً نوازتے رہتے تھے مگر باقاعدہ ان سے تلمذ نہ تھا - اس کے جواب میں صراحت کی گئی -

۲- میر محمد حسین حکیم فغفور لاہیجانی (متوفی ۱۰۲۹ ہجری الہ آباد) نے خانخاناں کے نام کا ایک معمہ لکھا:

بخاک پاک او گیرند منزل
اگر خود سر شوند ایں جان و ایں دل

اس کے حل کے لیے پوچھا گیا تھا -

۳- امام بخش صہبائی کا نسب والد ماجد کی طرف سے حضرت عمر فاروق تک اور والدہ مشفقہ کی جانب سے حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی تک پہنچتا ہے - آپ فارسی کے مسلم الثبوت استاد، مصنف اور شاعر تھے - سنہ ۱۸۴۰ء میں چالیس روپے مشاہرہ پر دہلی کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے - فارسی اور اُردو میں فکر سخن بھی کرتے تھے - غالب اور صہبائی میں گہرے تعلقات تھے - مگر ''قاطع برہان'' کے قلمی مناقشہ میں غالب ان سے کبیدہ خاطر ہو گئے - جنگ آزادی سنہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے ہاتھوں بے گناہ شہید ہوئے - مفتی صدرالدین آزردہ نے کہا:

کیونکر آزردہ نکل جائے نہ سودائی ہو
قتل اس طرح سے بے جرم جو صہبائی ہو

لسان العصر سید اکبر حسین اکبر الہ آبادی نے لکھا:

نوجوانوں کو ہوئیں پھانسیاں بے جرم و قصور
مار دیں گولیاں پایا جسے کچھ زور آور
وہی صہبائی جو تھے صاحب قول فیصل
ایک ہی ساتھ ہوئے قتل پدر اور پسر

Marfat.com

ان کی متفرق چیزیں ان کے تلمیذ دین دیال میر منشی کے ا نام سے ''کلیات صہبائی'' کے نام سے چھپ گئی تھیں- جس میں مکاتیب و دیوان کے علاوہ پندرہ دیگر رسائل بھی شامل ہیں- ''حدائق البلاغت'' از شمس الدین فقیر کا عربی سے اُردو میں ترجمہ بھی کیا- ایک تذکرہ شعراء بھی ان سے یادگار ہے جو ۱۸۴۲ء میں چھپا- تذکرہ اہلِ دہلی (باب چہارم آثار الصنادید) از سرسید احمد خاں مطبوعہ انجمن ترقی اُردو پاکستان کراچی (س-ن) میں مولانا امام بخش صہبائی کے حالات کے ضمن میں مذکورہ رسالہ کا نام ''گنجینہ رموز'' تحریر کیا گیا ہے-

۴- حکیم مومن خاں، مومن تخلص، علوی سادات اور نجبائے کشمیر سے تھے- سنہ ۱۸۰۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے- والد کا نام حکیم غلام نبی تھا- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مومن علی نام رکھا اور آپ نے ہی کان میں اذان کہی- ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی- پھر شاہ عبدالقادر دہلوی کی شاگردی اختیار کی اور یہیں عربی، فارسی، حدیث، فقہ، منطق، معانی وغیرہ کی تکمیل ہوئی- والد اور چچا سے فن طب کی تکمیل کی- نواب فیض محمد خاں والی جھجر کے دربار میں تین ماہ تک شاہی طبیب بھی رہے مگر شاعری کو اپنا پیشہ بنایا- علم نجوم میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے- شعر و شاعری تو گویا گھٹی میں پڑی تھی- ابتدا شاہ نصیر سے بھی اصلاح لی- شاعری کی جملہ اصناف پر طبع آزمائی کی- ان کا شمار اچھے غزل گو شعرا میں ہوتا ہے- ان کا کلام نازک خیال اور بلند پروازی کا آئینہ دار ہے- بعض قصائد میں ان کی عالمانہ و فاضلانہ شان ان عربی ٹکڑوں سے ظاہر ہوتی ہے جنہیں وہ بے تکلفی سے استعمال کر جاتے ہیں جیسے:

الحمد لواهب العطايا — اس شور نے کیا مزہ چکھایا
والشكر لصانع البريه — جس نے ہمیں آدمی بنایا

انہیں تاریخ گوئی میں بھی ملکہ حاصل تھا- شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے وصال کی تاریخ کیا کہی، ان کے جملہ مناقب و محاسن اس میں سمو کر رکھ دیے ہیں:

دستِ بیدادِ اجل سے بے سروپا ہو گئے
''فقر و دین، فضل و ہنر، لطف و کرم، علم و عمل'' (۱۲۳۹ھ)

ان کی تصانیف کے نام یہ ہیں: کلیات اُردو مرتبہ عبدالرحمٰن آہی مرحوم- دیوان فارسی مرتبہ احسن اللہ خاں اور انشائے فارسی- مومن نے ۱۸۵۱ء میں دہلی میں انتقال کیا-

Marfat.com

(۱۱۰)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، میں خودستا اور خویش پرور نہیں لیکن یقین رکھیں کہ کتابوں کے علاوہ خود مجھ میں بعض چیزیں ایسی ہیں جو شاید بڑے بڑے کتب خانوں میں بھی نہ مل سکیں۔ کتابیں بے جان چیزیں ہیں، میں ''کتاب ناطق'' (۱) ہوں اور علمی، سیاسی، مذہبی امور میں طویل مشغولیت بلکہ انہماک کے باعث اللہ نے میرے ذہن کے بعض دریچے کھول دیے ہیں۔ بیسیوں چیزوں کو میں دوسروں سے بالکل مختلف انداز میں دیکھتا اور سوچتا ہوں۔ کتابوں کے جانے کا غم کیوں؟ اور کتابیں نہیں صرف اخبارات و رسائل (محض ایک حصہ) گئے ہیں وہ بھی دور نہیں۔ دسترس سے باہر نہیں۔ ان سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں گے۔ میرے پاس کوئی بھی استفادہ نہیں کر سکتا تھا۔ میری چیزیں محفوظ ہو جائیں گی، جو میرے پاس صرف اس حد تک محفوظ تھیں کہ ایک جگہ بند تھیں، اب سیکڑوں حسب دلخواہ ان سے استفادہ کریں گے اور یہ سلسلہ خیر جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

عرفیؒ نے قصائد میں کئی جگہ لکھا ہے ''بہ مدح خویش مے گوید'' اور ایک قصیدے میں جو ابوالفتح گیلانی کی مدح میں ہے، بے تاب ہو کر کہا ہے:۔

بگویم از گہر خویش گرچہ بے ادبی است
کہ در حضور ہما سر کنم ستایش خاد
زدودمانِ اصیلم ہمیں گواہم بس
کہ شرم ایں سخنم خوے ز چہرہ بیروں داد

(خوے پڑھنے میں خے بہ معنی پسینہ)

یعنی میں اپنی اصل و نسل کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں اگرچہ یہ بے ادبی ہوگی کہ ہما کے سامنے چیل کی ستائش کی جائے۔ میں ایک اصیل خاندان سے تعلق رکھتا ہوں، اس کی گواہی کے لیے محض یہی کہہ دینا کافی ہے کہ یہ بات زبان سے نکالنے کے ساتھ ہی میرا چہرہ شرم سے عرق عرق ہو گیا۔

Marfat.com

یقین رکھیں، میری بھی یہی کیفیت ہے۔ اپنے بارے میں کچھ کہتے ہی شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہوں۔ عبدالمجید مرحوم (۲) کی کیفیت یہ تھی:

میانہ قد مائل بہ پستی، دبلا پتلا جسم، داڑھی تھی مگر ہلکی، سر پر پگڑی باندھتے تھے اور عموماً تنگ آستین والا کرتا اور شرعی پاجامہ (نہ کہ شلوار) پہنتے تھے۔ سردیوں میں کوٹ پہن لیتے تھے۔ لباس سادہ سا تھا۔ میں نے انہیں ہمیشہ کم سخن پایا، یعنی بات کم کرتے تھے۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں،

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہرؔ

حواشی خط نمبر ۱۱۰

۱۔ مولانا نے سیاسیات برصغیر کے متعلق جملہ ذخیرہ ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان یونیورسٹی آف دی پنجاب (اولڈ کیمپس لاہور) کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اس ذخیرہ کی فہرست بعدازاں یونیورسٹی نے List of Mihr Collection کے نام سے ستمبر ۱۹۶۹ء میں چھاپ دی تھی۔ اس میں کل نوادرات کی تعداد ۹۶۹ ہے جس میں ۴۷۵ انگریزی کے اور بقیہ اُردو کے ہیں۔ میں نے اپنی اس تشویش کا اظہار کیا تھا کہ اب تک استفادہ و استفاضہ کی جو سہولتیں مجھے آپ کے یہاں حاصل تھیں اس سے محروم ہو جاؤں گا۔ اس کے جواب میں انہوں نے اپنے لیے ایک ہی لفظ ''کتابِ ناطق'' استعمال کر کے میری ساری تشویش دور کر دی۔ اسے مولانا کی خودستائی یا تعلی پر محمول نہ کیا جائے مگر حقیقت یہی ہے کہ میں نے واقعی انہیں کتابِ ناطق ہی پایا۔ جیسا کہ قارئین کرام مکاتیب گرامی کے مطالعہ سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ موصوف کو جس موضوع کے متعلق بھی دعوت دی گئی، انہوں نے کبھی اپنی نارسائی یا ہیچمدانی کا سہارا نہیں لیا اور یہ معمولی بات نہیں۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست ،
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا نے اپنے دعویٰ کی تصدیق میں اگلے پیرا میں قصائد عرفیؔ سے استشہاد کیا ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت کہہ سکتا ہوں کہ اب ان کے پایہ کی ہرفن مولا نابالغ نظر شخصیت نظر نہیں آتی۔

۲۔ عبدالمجید مرحوم یعنی پرویں رقم۔

Marfat.com

(۱۱۱)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۳۱-مارچ ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیزی اپنے سوالات (۱) کا جواب لیجیے، میں گھبرایا ہوا ہوں اور اٹھ کر اندر جا رہا ہوں- پیٹ قل ہو اللہ پڑھ رہا ہے، دماغ معطل ہے، گویا پتھر بن چکا ہے-

۱- غالب کا شعر:

برتر ہے پرد ز ملک، بہر کسر نفس
خودرا بہ بند سلسلۂ آدم افگنم

یعنی میں فرشتوں سے بھی اوپر اُڑا جا رہا تھا اور کسر نفس کے لیے اپنے کو سلسلہ آدم کے بند میں ڈال دیا- اسی غزل میں بعض نہایت اہم اشعار ہیں:

دوزند اگر بہ فرض زمیں را بہ آسماں
حاشا کزیں فشار بر(۲) ابرو خم افگنم
پرسد ز ذوق گرم روی باوخاشم
دوزخ کجاست تا بہ رہِ ہمدم افگنم

اگر زمیں اور آسمان کو بہ فرض محال ایک دوسرے سے ملا کر سی دیں تو یقین رکھو کہ اس فشار (بھینچنے) سے میری پیشانی پر خم نہ آئے گا-

ہمدم میری گرم روی کے بارے میں پوچھ رہا ہے- میں چپ ہوں کیا بتاؤں؟ دوزخ کہاں ہے جسے اُٹھا کر اس کے راستے میں ڈال دوں؟

ii- مجھے کچھ یاد نہیں- ایک پیشانی چھوٹی سی تھی (۳)، جو غالباً پرویں رقم نے لکھی تھی یا ممکن ہے بڑی بھی ہو- یہ کام صرف سالک صاحب مرحوم کا تھا، میرا کچھ تعلق ان امور سے نہ تھا- لیکن پرچے کہاں سے دوں؟ میرے پاس جو جلدیں تھیں، وہ چلی گئیں، جو باقی ہیں، وہ بھی جلدیں ہیں-

Marfat.com

چونکہ مکمل نہیں اس لیے کیا معلوم ان میں وہ پیشانی ہے بھی یا نہیں اور مل بھی جائے جو ظاہر ہے کہ آپ جلد تڑوانا گوارا نہ فرمائیں گے۔ آخر مکمل جلدوں کو نامکمل بنانا کیوں کر پسند فرما سکتے ہیں؟

iii- سوسائٹی (۴) کا نام سوچنے دیجیے۔ میں تجویز اسم میں کوئی خاص صلاحیت نہیں رکھتا۔

iv- شمس مینائی (۵) کا دیوان میرے پاس نہیں۔ یہ نام بھی پہلی مرتبہ سنا ہے۔

اور کیا عرض کروں۔ اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۱۱

۱- میں نے اپنے عریضہ مورخہ ۶۵-۳-۳۰ میں مولانا سے چار استفسارات کیے تھے۔ یہ انہی کے نمبروار جوابات ہیں۔ سوالات سن لیجیے تاکہ تفہیم جوابات میں دقت نہ ہو:

i- کسرِ نفس کی سند میں آپ نے استاد غالبؔ کا جو شعر سنایا تھا وہ تحریر فرمادیں۔

ii- پرویں رقم مرحوم نے میری تحقیق کے مطابق آپ کے اخبار ''انقلاب'' کی دو بار پیشانی (انقلاب) تحریر فرمائی۔ پہلی مرتبہ خط نسخ میں اور بار دگر خط نستعلیق میں۔ آپ میری دلچسپی کی خاطر دو ایسے اخبار مہیا فرمادیں جن کی پیشانیاں پرویں رقم کی تحریر کردہ ہوں۔

iii- پرویں رقم کے متعلق جس سوسائٹی کی تشکیل کا ذکر کیا تھا اس کا کوئی موزوں سا نام تجویز فرمادیں۔

iv- دیوان شمس مینائی آپ کے کتب خانہ میں ہو تو مطلع فرمائیں۔

۲- کلیاتِ غالب مطبوعہ منشی نولکشور پریس لکھنو ۱۸۹۲ء میں ''بر'' کی جگہ ''در'' ہے۔

۳- یہ چھوٹی پیشانی ''انقلاب'' استقلال افغانستان نمبر ۱۹۴۲ء کی ہے اور یہ خط نستعلیق میں ہے۔ اس میں خوبی یہ ہے کہ ب کا نقطہ ب کی مد میں ڈالا گیا ہے جس طرح فصیح منزل کی ف کا نقطہ ف کے سرے میں ڈالا گیا ہے۔ خط نسخ میں ''انقلاب'' والا اخبار تو رہا ایک طرف بلکہ اب اس کا بلاک بھی میرے ذخیرۂ تبرکات مہر میں شامل ہے۔

۴- مجوزہ سوسائٹی کا نام پرویں رقم کے تلمیذ رشید برادرم محمد اعظم منور رقم نے ''بزم پرویں رقم'' رکھا ہوا تھا اور یہی قائم رہا۔

۵- شمس مینائی (امیر مینائی سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے)۔ ہندوستان کے مردم خیز خطہ امرتسر میں

Marfat.com

فارسی شاعری کا پہلا دور مولوی ابو محمد حسن شعری قادری مخاطب بہ فخر الشعراء و آفتاب ہند (متوفی امرتسر ۱۲۹۸ھ) پر ختم ہوا۔ نشاۃ ثانیہ کا احیا جن اساتذۂ فن کا رہینِ منت ہے ان میں حکیم فیروز الدین طغرائی، غلام قادر فرخ، محمد حسین عرشی اور ہمارے ممدوح جناب شمس مینائی سرفہرست ہیں۔ ان کا پورا نام شیخ عبدالرحمان تھا اور کنیت ابوالمعانی تھی۔ اُردو میں تخلص شمس اور فارسی میں مینائی کرتے تھے۔ آپ کی ولادت امرتسر میں ۱۸۷۶ء میں ہوئی۔ حالات کی ناسازگاری کے سبب مڈل سے آگے تعلیم جاری نہ رکھ سکے اور اپنے آبائی پیشہ یعنی پیتل تانبے کے برتنوں کی خرید و فروخت سے منسلک ہو گئے۔ سنہ ۱۸۹۶ء میں بمبئی چلے گئے اور نقرئی برتن بنانے والے ایک کارخانے میں ملازمت اختیار کر لی۔ اس دوران رسالہ ''خدنگ نظر'' لکھنو میں ہم طرحی غزلوں کے مطالعہ اور مشاعروں میں شرکت کے سبب طبیعت شعر گوئی کی طرف مائل ہو گئی۔ ایک غزل ''خدنگ نظر'' کو بھیجی جو شائع ہو گئی جس نے ان کے شوق شعر گوئی کو مہمیز کا کام دیا۔ یوں ذوق شعر بڑھتا گیا اور آخر کار باقاعدہ مشاعروں میں بھی شرکت کرنا شروع کر دی۔ بمبئی میں چار سال قیام کے بعد سنہ ۱۹۰۰ء میں امرتسر واپس آ گئے۔ اپنی خداداد صلاحیت، ذہانت، سرعت فہم اور قوی حافظہ کے سبب فارسی زبان میں بھی خاصی مہارت بہم پہنچائی۔ اور اس میں بھی مشق سخن کرنے لگے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے بعض سالانہ جلسوں میں بھی اپنا کلام سنانے کا موقع ملا۔ مینائی نے قدیم و جدید دونوں طرزوں میں تمام اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ ۱۹۴۷ء میں اُردو و فارسی مجموعہ کلام کو ''جام مینائی'' کے نام سے امرتسر سے چھپوالیا تھا جس کا دیباچہ شیخ عبدالقادر مدیر ''مخزن'' کا لکھا ہوا ہے۔ بدقسمتی سے تقسیم ملک کے فرقہ وارانہ فسادات کی افراتفری میں دیوان کے سارے نسخے تلف ہو گئے سوائے ایک نسخہ کے جو وہ لاہور ریڈیو سٹیشن کو بھیج چکے تھے اور یہی نسخہ بعد میں ان کے کام آیا۔ اس علمی زیاں کے علاوہ ان کا نوجوان بیٹا بھی فسادات میں شہید ہو گیا اور خود وہ امرتسر سے ہجرت کر کے لاہور پہنچے اور رام گلی نمبر ۷ برانڈرتھ روڈ لاہور میں قیام پذیر ہو گئے اور ایک نوجوان محمد اصغر مینائی کو اپنا متبنیٰ بنا لیا۔ پیکو لمیٹڈ کے زیرِ اہتمام چھپنے والے رسالہ ''حقیقت اسلام'' کے مدیر جناب مولانا محمد امین شرقپوری (متوفی ۲۹۔ جون ۱۹۶۷ء) کے دفتر میں اکثر ان کی نشستیں رہتیں۔ یہیں تلامذہ کا حلقہ جمتا اور یہیں اصلاح سخن کے ساتھ ساتھ آپ ان کی فکری تربیت بھی فرماتے۔ لاہور کے ممتاز اخبارات و رسائل میں آپ کا کلام بھی چھپتا رہا جن میں رسالہ ''حمایتِ اسلام''، ''آئینہ''، ''عارف''، ''حقیقت اسلام'' اور روزنامہ ''امروز'' شامل ہیں۔ آپ نہ صرف یہ کہ اچھا کہتے تھے بلکہ مشاعروں اور بعض دیگر

Marfat.com

تقریبات میں ترنم کے ساتھ اپنا کلام بھی سنایا کرتے کہ سامعین مسحور ہو جاتے - ان کے تلامذہ کا حلقہ بڑا وسیع ہے - مجھے سردست ان کے دو شاگردوں کا علم ہوا ہے - ایک نجم نعمانی سبزواری اور دوسرے برادرم نصرت نوشاہی - آخری وقت وہ اپنی نعتیہ نظم پڑھ رہے تھے جس کا مقطع ہے:

عرب آپ کا ہے عجم آپ کا ہے
یہ بندہ خدا کی قسم آپ کا ہے

کہ ان کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی - اس دن ماہ ستمبر کی یکم اور سال ۱۹۵۴ء تھا - اناللہ وانا الیہ راجعون - آپ کا جسد خاکی گورستان میانی صاحب میں سپرد خاک کر دیا گیا - آخر میں ان کے فارسی کلام کے بھی چند اشعار سماعت فرمائیں:

بیا ساقی زخود آگاہیم دہ مئے حُب رسول اللہیم دہ
سرِ عرش بریں خواہم پریدن دمِ روح الامیں ہمراہیم دہ
مگرداں منکشف اسرارِ حق را نجات از جادۂ گمراہیم دہ
بہ مینائی بکن عین نوازش گدایم شان شاہنشاہیم دہ

(۱۱۲)

۲۷- اپریل ۱۹٦۵ء
بوقت عشاء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم - مجھے اپنی نالائقی کے اعتراف میں تامل نہ ہونا چاہیے، اپنے احوال پر شرمسار ہوں، مگر سوچتا ہوں تو بے بس بھی، اور اضطراری صورت میں گناہوں کی سنگینی کم ہو جاتی ہے، پھر جو شخص معترف ہو اُسے تو میرے نزدیک زیادہ گنہگار بھی نہ سمجھنا چاہیے -

میں نے بارہا ارادہ کیا کہ کتابیں کھنگالوں اور جتنی بھی نکل سکیں نکالوں - (۱) جو میرے پاس نہ ہوں، نیاز صاحب کی دکان پر جاؤں اور وہاں سے لے آؤں، لیکن یہ ارادہ اب تک لباس عمل نہ پہن سکا، اس میں بھی میرا قصور کم ہے اور حالات کی رفتار بے پناہ کی ذمہ داری بہت زیادہ ہے - میں نے کچھ کام سنبھال رکھے ہیں، بعض اوقات خیال ہوتا ہے کہ آئندہ کے لیے کمی کروں، لیکن لوگ دے جاتے ہیں اور میں شرم کے مارے انکار نہیں کر سکتا - پھر ان میں سے بعض انجام دینے پڑتے ہیں - بیٹھتا ہوں تو ان میں انہماک کے بعد کچھ یاد نہیں رہتا اور دوسرے کام ملتوی کرتا جاتا ہوں -

Marfat.com

سوچتا ہوں تو احساس ہوتا ہے کہ یہ کچھ اچھی بات نہیں مگر نہ اپنی طبیعت بدل سکتا ہوں اور نہ زیادہ منظم و باقاعدہ بن جانے کی ہمت ہے۔

ایک معاملہ دوستوں اور ملنے والوں کا بھی ہے۔ وہ اپنی محبت سے مجبور ہو کر آتے ہیں اور جب آتے ہیں تو وقت کا سررشتہ میرے ہاتھ سے نکل جاتا ہے، صرف پچھلے ہفتے کی کیفیت سنیے:

۱۔ میں بعض ضروری کام پورے کر رہا تھا۔ اچانک جمعہ کو بیمار ہوا۔

۲۔ حکیم صاحب (۲) کی تجویز کے مطابق تصفیہ خوں کے لیے مشہور نسخہ خاندان شریفی شروع کیا، جس میں شاہترہ چرائتہ بھی شامل ہیں۔

۳۔ حکیم صاحب نے کہا کہ چینی کی جگہ خمیرہ بنفشہ ملا کر پیو، دو نسخے پیے اور اچانک اسہال شروع ہو گئے معلوم ہوا کہ معدہ زیادہ حساس ہو گیا ہے، دن بھر پریشان رہا رات کو قدرے سکون ہوا۔

۴۔ صبح کو شہر جانا تھا، مگر طبیعت قابو میں نہ تھی۔

۵۔ نیاز صاحب کے ساتھ گیا، مگر فرینکلن والوں سے مل کر واپس آ گیا شیخ مبارک علی تک جانے کی ہمت نہ پڑی حالانکہ ہفتے کو میرے شہر جانے کا اولین مقصد مبارک علی ہی ہوتے ہیں۔

۶۔ گھر پہنچا تو پھر اسہال شروع ہو گئے۔ رات تک طبیعت مضطرب رہی۔

۷۔ صبح اٹھا تو قدرے اچھا تھا۔ ایک عزیز نے بٹیریں بھیج دیں، جو میرے خاص ذوق کی چیز ہیں، مگر کھا نہ سکا۔

۸۔ صبح کرسی پر آ کر بیٹھا۔ پہلے مولانا سید طلحہ (۳) آ گئے، ان سے فارغ نہیں ہوا تھا کہ ڈاکٹر عاشق بٹالوی (۴) تشریف لائے۔ ضروری باتیں کرنی تھیں، کچھ کیں، پھر حکیم احمد شجاع (۵) اور ملک اسلم (۶) آ گئے۔ میں دو بجے اندر گیا اور ایک لمحہ بھی کام پر صرف نہ کر سکا۔

۹۔ کھانا کھا کر سو گیا، عصر کے وقت اٹھا صرف دو خط لکھے اور بس۔

یہ میرے اضطراری دورۂ حیات کا عام شیوہ ہے، مگر خوش ہوں، دوستوں کا حلقہ محدود ہے اور بہت محدود مگر ان کے لیے وقت نہ نکالوں اور بے دریغ تو کیا جنگل میں جا بسوں؟

آپ سے عفو خواہ ہوں۔ نیت نیک ہے اور انما الاعمال بالنیات (۷) خدا چاہے تو ارادہ پورا ہو جائے۔ آپ کا اضطراب بجا ہے، لیکن بعض حالات میں صبر و شکیب بھی خالی از منفعت نہیں۔ آپ نے ایک مرتبہ میری ان کتابوں کی فہرست لکھی تھی، جو آپ کے پاس ہیں وہ

Marfat.com

فہرست ایک مرتبہ پھر لکھیے - میں آہستہ آہستہ یہاں بھی دیکھوں گا اور دکان پر بھی جاؤں گا بلکہ ملک رب نواز صاحب سے کہہ دوں گا، کہ وہ آپ کے لیے کتابوں کا انتظام کر دیں، بعض کتابیں خود میرے پاس بھی نہیں اور میں مدت سے انھیں لانے کے لیے جانا چاہتا ہوں، مگر دکان تک جانے کی مہلت نہیں ملتی - کم و بیش تین مہینے سے ترس رہا ہوں، مگر پبلشرز یونائیٹڈ ہی سے لوٹ آنا پڑتا ہے-

یہی کاغذ سامنے تھا - اُٹھتے اُٹھتے یہ سطریں لکھ دیں - میں نے براؤن کا ترجمہ (۸) نہیں دیکھا اور نہ مظہر علی کی حقیقت سے آگاہ ہوں - اس نے ایران میں کچھ مدت گزاری تھی اور ایک کتاب بھی لکھی تھی جو بہت قیمتی ہے غالباً اس کا نام ہے ''ایرانیوں میں ایک سال''، ممکن ہے دورانِ قیام ایران میں اپنا نام مظہر علی رکھ لیا ہو-

والسلام علیکم و رحمتہ اللہ و برکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۱۲

۱- مولانا نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ ''آپ کے لیے کچھ کتابیں رکھی ہیں - کسی فرصت کے وقت نکال کر دوں گا -'' میں نے اس وعدہ کی یاد دہانی کرائی تھی جس کا جواب حاضر ہے-

۲- حکیم صاحب سے مراد حکیم محمد حسن قرشی (متوفی ۸۱-۱۲-۱۶) ہیں - حکیم صاحب قرشی دواخانہ کے بانی اور آپ کا شمار برصغیر پاک و ہند کے ممتاز طبیبوں میں ہوتا ہے - آپ ۱۸۹۶ء میں گجرات میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم وہیں پائی - طبی تعلیم کی تکمیل لاہور اور دہلی سے کی - پھر طبیہ کالج لاہور میں ہی پروفیسر مقرر ہو گئے - بمبئی میں بھی کچھ عرصہ اس پیشہ سے منسلک رہے پھر مستقل طور پر ۱۹۲۰ء میں لاہور اُٹھ آئے - آپ سماجی فلاحی اور رفاہی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے - یہی وجہ ہے آپ متعدد بورڈوں، مجلسوں اور کمیٹیوں کے فعال رکن رہے - آل پاکستان آیورویدک یونانی طبی کانفرنس اور حکومت پاکستان کے مقرر کردہ طبی بورڈ کے تاحیات صدر رہے - پنجاب یونیورسٹی نے انھیں ایران میں منعقدہ بوعلی سینا کی برسی میں شرکت کے لیے اپنا مندوب مقرر کیا - سالہا سال طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل رہے - وہ علامہ اقبال کے دوست اور معالج بھی رہے - ۱۹۵۶ء میں فریضہ حج کی ادائیگی کے دوران شاہ سعود کے سرکاری مہمان رہے - مشرق وسطیٰ اور موتمر عالم اسلامی کی کانفرنسوں میں شریک ہوتے رہے - انھیں طبی خدمات کے صلے میں ''شفاء الملک'' کا

Marfat.com

خطاب دیا گیا آپ نے متعدد طبی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں مندرجہ ذیل بطور خاص قابلِ ذکر ہیں:

دستور الاطباء امور طب، مسیح الملک، سلکِ مروارید، تذکرۃ الاطباء، بیاضِ مسیح، بیاضِ خاص، طبی فارماکو پیا۔ طبی موضوع پر بعض عربی کتب کو بھی اُردو کا جامہ پہنایا۔ آپ کے مزار واقعہ قبرستان میانی صاحب میں یہ مختصر سی تکلف سے پاک اور سادہ عبارت کندہ ہے ''حکیم محمد حسن قرشی۔ وفات ۶ ؍دسمبر ۱۹۷۴ء'' (آپ علامہ اقبال مرحوم اور حضرت مفتی محمد حسنؒ بانی جامعہ اشرفیہ کے خصوصی نیاز مندوں میں سے تھے اور آپ کے بیٹے حکیم آفتاب احمد قرشی مرحوم مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے بانیوں میں سے تھے اور تحریک پاکستان میں خصوصی کردار ادا کیا۔ ارشد)

۳۔ سید طلحہ حسنی۔ آپ کے والد کا نام سید محمد تھا۔ جو ریاست ٹونک میں معتمد الملک ظفر جنگ کے لقب سے ممتاز اور ناظم پرگنات (کلکٹر) کے عہدہ پر فائز تھے۔ اس لحاظ سے انہوں نے تنعم اور امارت کے ماحول میں آنکھیں کھولیں اور بچپن گزارا۔ ٹونک ہی میں ابتدائی تعلیم پائی۔ دس سال کی عمر میں دارالعلوم ندوۃ العلما میں داخل ہو گئے پھر ٹونک میں مدرسہ ناصریہ میں تکمیل علوم کی۔ ذریعہ معاش کے لیے طب کا پیشہ اختیار کیا اور دہلی جا کر خاندان شریفی کے مقتدر حکیم غلام رضا خاں سے طب کی تعلیم حاصل کی اور کچھ عرصہ بمبئی میں مطب بھی کیا۔ پھر پنجاب یونیورسٹی لاہور سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات امتیاز سے پاس کیے اور یہی امتیاز ان کے اورنٹیل کالج میں بحیثیت استاد کے تقرری کی تقریب بن گیا۔ وہ ۱۹۱۶ء میں کالج کے استاد مقرر ہوئے اور پورے چالیس سال اس عہدہ پر فائز رہے۔ اس طرح انہوں نے اپنی زندگی کی طویل ترین اور خوشگوار ترین مدت لاہور میں گزار دی۔ اسی سبب لاہور میں ان کا حلقہ احباب بھی بہت وسیع اور متنوع بھی تھا جن میں بڑی مقدس اور دینی شخصیات، ادباء، فضلاء، شعراء، سکالرز اور مصور حضرات بلاتفریق مکتب فکر شامل تھے۔ وہ نظری طور پر تقلید کے پابند نہ تھے لیکن تمام معاملات اور عبادات میں فقہ حنفی پر عامل تھے۔ البتہ دو چیزوں کا ان کو کبھی تحمل نہیں ہوا۔ ایک کسی کو تعدیل ارکان کا خیال کیے بغیر جلد نماز پڑھتا نہیں دیکھ سکتے تھے اور نماز کے بعد فوراً اسے نصیحت کرتے۔ دوسرے ٹخنے سے نیچے پاجامہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔ علماء اور مشائخ تک کو لطیف پیرائے میں تنبیہ کر دیا کرتے۔ ۱۹۲۶ء میں حج کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے۔ یہ وہ سال ہے جس میں حج کے موقع پر سلطان ابن سعود کی دعوت پر مکہ معظمہ میں موتمر عالم اسلامی کے اجلاس منعقد ہوئے اور اس طرح انہیں عالم اسلام اور ہندوستان کے علماء و زعماء سے ملاقات کا موقع میسر آیا۔ حافظہ غیر معمولی طور پر قوی تھا۔ مطالعہ میں بڑا انہماک تھا اور

Marfat.com

ان کی اصلی غذا اور مشغلہ کسی مفید نئی کتاب کا پڑھنا تھا۔ مطالعہ کے وقت سرخ پنسل ضرور پاس رکھتے اور اپنی پسند کے مقامات اور جملوں کے نیچے سرخ پنسل سے خط لگا دیتے۔ (راقم الحروف بھی اس اچھی یا بری عادت کا شکار ہے) انھوں نے اپنی پسندیدہ کتب پر نہایت پراز معلومات مضمون (بصورت مکتوب بنام سید ابوالحسن علی ندوی) لکھا جس کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہیں۔ (ملاحظہ ہو صفحہ ۶۰ مشاہیر اہلِ علم کی محسن کتابیں۔ مرتبہ محمد عمران خاں ندوی مطبوعہ معارف پریس اعظم گڑھ سنہ ۱۹۴۶ء)۔ ان کا دوسرا ذوق مجلس آرائی لطف صحبت علمی و تاریخی تذکرے تھے۔ ان کو ہر جگہ اور ہر دور میں ایسے لوگوں کی تلاش رہتی جو ان کے فارغ اوقات میں گھنٹوں ان کے پاس بیٹھیں اور گفتگو میں شریک ہوں۔ سید طلحہ میں زندہ دلی اور شگفتگی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہ اپنے لطیفوں اور بذلہ سنجیوں سے روتوں کو ہنسا دیتے اور راہ چلتوں کو ٹھہرا لیتے۔ ریٹائرمنٹ کے بعد وہ کراچی میں مستقل طور پر رہائش پذیر ہو گئے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ان کا تعلق دارالتصنیف لمیٹڈ کراچی سے ہو گیا۔ تصنیف و تالیف سے انہیں کچھ زیادہ مناسبت نہ تھی۔ حضرت ام سلمہؓ کی سیرت نواب سلطان جہاں بیگم صاحبہ والیہ بھوپال کی فرمائش پر لکھی مگر چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ ان کی اصلی علمی یادگار ان کا وہ فاضلانہ عربی کتاب کا نامکمل مسودہ ہے جو عہدِ صحابہ کے تمدن و معاشرت پر سالہا سال سے لکھنا شروع کیا تھا۔ یہ سارا مسودہ بیاضیں اور یادداشتیں مولانا ظفر احمد انصاری (رکن رابطہ عالم اسلامی) کے توسط سے مولانا ابوالحسن علی ندوی کو مکہ معظمہ بھیج دی گئیں۔ اس جامع کمالات ہستی اور علم و معلومات کے کنز مخفی کا انتقال کراچی کے ایک ہسپتال میں ۲۵، ستمبر ۱۹۷۰ء بروز جمعتہ المبارک ہوا اور مجاہد آباد کالونی کے ایک دور افتادہ قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے۔

بہ ہر بہار گل کہ زیرِ گل بر آرد سر
گلے برفت کہ ناید بصد بہارِ دِگر

۴۔ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی۔ مشہور صحافی اور تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، مورخ اور صاحب طرز ادیب تھے۔ قیام پاکستان کی جدوجہد سے ان کی وابستگی کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اس حوالے سے ان کی تحریریں تاریخی اور ادبی دستاویزات کی حیثیت اختیار کر گئی ہیں کیونکہ وہ تحریکِ پاکستان میںؔ نہ صرف عملی طور پر شامل رہے بلکہ اس کے عینی شاہد بھی ہیں۔ اس لیے ان کا کہنا ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کے ضمن میں آتا ہے۔ آپ بٹالہ کے مشہور پولیس افسر غلام اکبر خاں کے فرزند ارجمند تھے۔ دوران تعلیم ہی انہوں نے کالج میگزین میں لکھنا شروع کر دیا تھا۔ ان کی تصانیف میں دو جلدوں میں چند یادیں چند تاثرات (مشاہیر اہل علم و ادب اور وابستگان سیاست کے شخصی خاکے)

Marfat.com

اور ہماری قومی جدوجہد (جنوری ۱۹۴۰ء تا دسمبر ۱۹۴۲ء) شامل ہیں۔ ان کی تصنیف ''اقبال کے آخری دو سال'' کو قبول عام حاصل ہوا۔ وہ افسانہ نویسی بھی کرتے تھے اور ان کے افسانوں کا مجموعہ ''سوز ناتمام'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ آپ نے ۱۷، جولائی ۱۹۸۹ء کو داعی اجل کو لبیک کہا اور ماڈل ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں آسودہ خواب ہوئے۔

۵- حکیم احمد شجاع الایوبی الانصاری (متوفی ۴، جنوری ۱۹۶۹ء) حکیم شجاع الدین کے بیٹے تھے۔ پیدائش لاہور میں ۱۸۹۴ء میں ہوئی۔ ان کا خاندان، خاندانِ حکیماں کے نام سے مشہور ہے۔ علی گڑھ کے فارغ التحصیل تھے۔ اُردو زبان و ادب اور فنونِ لطیفہ سے خاص شغف تھا۔ پُرگو شاعر، مسلم الثبوت انشا پرداز، ڈرامہ نگار اور افسانہ نویس تھے۔ ان کے بعض افسانوں کے نام ہیں: حسن کی قیمت، اندھا دیوتا، گناہ کی رات، آرام شاہ کی بیٹی۔ قدیم تہذیبی اقدار اور وضع کے پابند تھے۔ ۲۳-۱۹۲۲ء میں پندرہ روزہ ادبی مجلّہ ''ہزار داستان'' جاری کیا جو افسانوں اور ڈراموں کے لیے وقف تھا اور بچوں کے لیے ایک ہفتہ وار رسالہ ''نونہال'' جاری کیا۔ مجلس آئین ساز پنجاب کے سیکرٹری بھی رہے۔ متعدد تصانیف بھی ان سے یادگار ہیں۔ قرآن کریم کی تفسیر بنام ''افصح البیان فی مطالب القرآن'' لکھی جس کی جلد اول (پارہ اول تا پنجم) جدید اُردو ٹائپ پریس لاہور سے ۱۳۷۳ھ میں شائع ہوئی۔ بقیہ پارے غیر مطبوعہ صورت میں حکیم صاحب کے خاندان میں محفوظ تھے۔ شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کو تحت متن رکھا ہے اور دوسرے کالم میں سلیس اُردو میں تشریح کی گئی ہے۔ بقول ڈاکٹر سید محمد عبداللہ تفسیری مباحث میں وہ سرسید سے متاثر تھے۔ قیام پاکستان کے بعد جب سردار عبدالرب نشتر کی گورنری کے عہد میں مجلس زبان دفتری قائم ہوئی تو حکیم صاحب اس کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور کارکنان ادارہ کے تعاون سے ہزار ہا دفتری اصطلاحات کے اُردو ترجمے کر ڈالے۔ یہ اصطلاحات کتابی صورت میں بعد ازاں بنام ''دفتری اصطلاحات و محاورات کی لغت'' (انگریزی اُردو) مجلس زبان دفتری حکومت پنجاب نے ۱۹۷۶ء میں شائع کر دیں۔ ان کی تصانیف میں باپ کا گناہ، عشق اور فرض، رستم و سہراب، آخری فرعون، اور ''گردِ کارواں'' (شعری مجموعہ) شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی خودنوشت سوانح حیات ''خوں بہا'' کے پہلے حصہ (۱۸۹۳ء تا ۱۹۱۵ء) میں اپنی زندگی کے پہلے بائیس سال کے مشاہدات قلمبند کیے اور اس عہد کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا پورا نقشہ پیش کر دیا۔ حکیم صاحب گل افشانی گفتار میں کمال کا درجہ رکھتے تھے اور محفل آرائی تو ان پر ختم تھی۔ حکیم صاحب نے اپنی حینِ حیات میں یوں تو سینکڑوں علمی و ادبی مضامین لکھے ہوں گے مگر ان کا مضمون ''لاہور کا چیلسی'' شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ

Marfat.com

مضمون لاہور کے بھاٹی دروازہ کے متعلق ہے جس کے مطالعہ سے پرانے لاہور کا مجموعہ طور پر سماجی اور ثقافتی منظر نامہ ہی ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں آجاتا بلکہ لاہور کی علمی و ادبی زندگی کا پورا نقشہ آنکھوں میں کھنچ آتا ہے اور پتا چلتا ہے کہ آج سے اسی سو برس پیشتر بھاٹی دروازہ نہ صرف ادیبوں اور شاعروں کا بڑا مسکن تھا بلکہ اکثر علمی و ادبی محفلیں بھی وہیں جما کرتی تھیں۔ یہ پرلطف اور معلومات افزا مضمون ''نقوش'' لاہور کے شمارہ نمبر ۱۰۴ برائے جنوری ۱۹۶۶ء اور شمارہ نمبر ۱۰۸ برائے ستمبر ۶۷ میں اشاعت پذیر ہوا۔ کاش کوئی اور احمد شجاع علمی میدان میں قلم بکف اٹھے اور لاہور کے دیگر دروازوں کو اپنی جولانگاہ بنائے تو اس طرح لاہور کی سماجی، ثقافتی، علمی اور ادبی تاریخ محفوظ ہو جائے۔ پرکتھوں۔

یک کاشکے بود کہ بصد جا نوشتہ ایم

۶۔ ملک اسلم۔ سردست اتنا ہی معلوم ہو سکا کہ آپ اورینٹل کالج لاہور میں اسلامیات کے ایسوسی ایٹ پروفیسر تھے اور دوران ملازمت ہی ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

۷۔ انما الاعمال بالنیات۔ احادیث نبوی کی مشہور مستند کتاب بخاری شریف کی پہلی حدیث۔ ترجمہ: اعمال کا دارومدار نیت پر ہے یعنی ہر آدمی کو وہی ملے گا جو وہ نیت کرے۔

۸۔ لٹریری ہسٹری آف پرشیا از براؤن کا فارسی ترجمہ ایران سے شائع ہوا تھا جس میں ڈاکٹر براؤن کی دستخطی تصویر چھپی تھی۔ اس تصویر پر اس نے دستخط براؤن کی بجائے مظہر علی کیے ہیں۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تھا۔ ڈاکٹر براؤن ایڈورڈ گرینول (۱۸۶۲ء۔ ۱۹۲۶ء) بیسویں صدی کا مشہور اور ہر دلعزیز مستشرق ہے جس نے عربی اور ترکی کے علاوہ فارسی زبان اور ایران کی مذہبی و علمی اور ادبی تاریخ میں مقام تخصیص حاصل کیا تھا۔ ۱۸۸۲ء میں طب اور علوم طبیعیہ میں اور ۱۸۸۴ء میں السنہ شرقیہ میں اعلیٰ سند حاصل کی۔ اس نے ۱۸۸۷ء میں ایران کا سفر اختیار کیا اور ایک سالہ قیام کے دوران ایرانیوں کے ادبیات بلکہ ان کے فکر و مزاج کے بارے میں بھی گہری بصیرت حاصل کی اور واپسی پر اپنے مشاہدات کی سرگزشت ''ایک سال ایرانیوں کے ساتھ'' ۱۸۹۳ء میں قلم بند کی۔ اس کتاب کی تالیف میں براؤن نے فارسی، عربی، انگریزی، فرانسیسی، روسی اور جرمن زبان کے مآخذ سے بھرپور استفادہ کیا۔ اس کے علاوہ اس نے بہت سی کتابیں تالیف و تصنیف کیں اور بعض کے متن مفید حواشی کے ساتھ شائع کیے ان میں:

تذکرۃ الشعرا: دولت شاہ سمرقندی

تذکرہ لباب الالباب: محمد عوفی

Marfat.com

چہار مقالہ: نظامی عروضی سمرقندی

بیاضِ فارسی: (فارسی شعراء کا منتخب کلام) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

براؤن کی علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر ۱۱ اقوام کے مستشرقین نے ان کی ساٹھویں سالگرہ پر محققانہ مضامین کا ایک مجموعہ ''عجب نامہ'' مرتب کر کے بطور ارمغان عقیدت ۷- جنوری ۱۹۲۲ء کو ان کی خدمت میں پیش کیا۔ (تفصیل کے لیے اُردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد چہارم کی طرف رجوع کریں۔) براؤن ۱۹۰۲ء سے وفات تک کیمبرج یونیورسٹی میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز رہا۔ اس کی تصانیف میں تاریخ ادبیات ایران چار جلدوں میں سب سے زیادہ قابل قدر کارنامہ ہے۔ اس کی چوتھی جلد عہدِ جدید (۱۵۰۰ تا ۱۹۲۴ء) کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ سید وہاج الدین احمد کنتوری (جامعہ عثمانیہ) نے کیا اور انجمن ترقی اُردو ہند نے ۱۹۳۹ء میں شائع کیا۔ براؤن کے حالات پر آقائے میرزا محمد خاں قزوینی نے ایک کتاب بنام ''شرح زندگانی استاد ادوارد براؤن مرحوم'' فارسی زبان میں لکھی جس کا انگریزی میں ترجمہ کے ایم مترا ایم اے پروفیسر فارسی دیال سنگھ کالج لاہور نے کیا جو ۱۹۳۴ء میں بہاری لال ورما ہندی پریس لاہور سے شائع ہوا۔ ڈاکٹر براؤن کی وفات پر علامہ اقبال نے مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ کہہ کر زبردست خراجِ عقیدت پیش کیا:

نازشِ اہلِ کمال ای جی براؤن — فیضِ او در مغرب و مشرق عمیم
مغرب اندر ماتمِ او سینہ چاک — از فراقِ او دلِ مشرق دو نیم
تا بفردوسِ بریں ماویٰ گرفت — گفت ہاتف ''ذالک الفوز العظیم''

۱۹۲۶ء

(سرودِ رفتہ از مولانا غلام رسول مہرؔ)

(۱۱۳)

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، فہرست دیکھی، (۱) بعض کتابوں کا ملنا تو بالکل خارج از بحث ہے۔ مثلاً تاریخ سندھ (کلہوڑہ دور) یہ بڑی ہی عجیب کتاب ہے لیکن بارہ تیرہ سال چھپے ہوئے ہو گئے سندھی دوست کہیں سے پیدا کر سکیں تو ممکن ہے میرے پاس اب اس کی صرف دو کاپیاں ہیں۔ ایک رکھنے کے لیے۔ اور دوسری تصحیح کے لیے۔ تاریخ تہذیب اور تمدن عرب (۲) غالباً ایک کتاب

Marfat.com

کے دو نام ہیں- جو زیفین بھی اب ملنی مشکل ہے-''عظما کے معاشی نظریات (۳) کسی کی کتاب تھی- مجھ سے اس کی تصحیح کرائی گئی تھی، اور چھاپا بھی کسی نے تھا- مجھے اس کی پانچ کاپیاں ملیں، جو شہر ہی میں بٹ گئیں یا کہنا چاہیے کہ لے لی گئیں- ایک کاپی سلام لے گیا- میرے پاس صرف ایک کاپی ہے'' سیاسیات اسلامیان ہند (۴) بالکل غیر ممکن ہے کہ مل جائے- یہ میں نے ۱۹۴۰ء میں لکھی تھی مسلم لیگ کے شعبہ خارجہ نے چھاپی اب نہ وہ لیگ رہی، نہ اس کا شعبہ خارجہ، کہاں سے ملے گی، ''سیرۃ ابن تیمیہ (۵) مولوی عبدالعزیز مرحوم نے چھاپی تھی، وہ دوبارہ چھاپنا چاہتے تھے اور میں نے اس میں ترمیم بھی شروع کر دی تھی لیکن وہ بیمار ہو گئے- میں غافل- ان کے انتقال نے کام کا سلسلہ ہی درہم برہم کر ڈالا، اب اُردو میں امام ابن تیمیہ کے متعلق دو نہایت اہم کتابیں (۶) چھپ گئی ہیں، اگر چہ میرے نزدیک ان پر لکھنے کی ضرورت فی الحال باقی ہے، مگر اس کے لیے آدمیوں کا ایک گروہ چاہیے، فرد کیا کر سکتا ہے؟ ذہن انسانی کا ارتقاء ابھی چھپی نہیں یا کم از کم مجھے علم نہیں کہ چھپ گئی- انسائیکلو پیڈیا کی دوسری اور تیسری جلد طبع نو پر موقوف ہے- مجھے معلوم نہیں یہ کس مرحلے پر ہے پتا لوں گا- باقی کے لیے اِن شاء اللہ مجھے ساعی سمجھیے- ابھی کئی کتابیں زیرِ طبع ہیں- مختصر تاریخ عالم اور بے شمار کتابیں سکولوں کے لیے لکھی گئی تھیں- اب وہ غالباً نہ مل سکیں- میرے پاس بھی بعض ہیں اور بعض نہیں- ملک رب نواز کہیں سے کوئی کاپی پیدا کر سکیں تو ممکن ہے-

افسانہ یا فسانہ کے کئی معنی ہیں- مثلاً قصہ، کہانی، سرگزشت، روداد وغیرہ، ان معنی میں عموماً مستعمل ہے- ایک معنی اس چیز کے بھی ہیں جس کی اصل واساس کوئی نہ ہو مثلاً

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا، جو سنا افسانہ تھا

طول طویل بات کو بھی کہتے ہیں- اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا- آپ نے جو شعر لکھا، (۷) وہ قصہ کہانی اور سرگزشت کے معنی میں بالکل درست ہے-

میری کتابیں درہم برہم ہیں، کیونکہ میں نے پانچ چھ الماریاں نئی بنوائی تھیں، اس وجہ سے کتابیں اوپر نیچے ہو گئیں- ان الماریوں کے چوکھٹے لگنے باقی ہیں، یہ کام ہو جائے تو تھوڑی سی فرصت نکال کر ساری کتابیں از سرِ نو مرتب طریق پر رکھوں گا- اس سلسلے میں بھی کچھ کتابیں نکل آنے کی اُمید ہے- یہ سب اِن شاء اللہ حاضر کروں گا- اطمینان رکھیں- میرے وعدے ''مواعید عرقوب (۸) نہیں- البتہ ایفاء عہد میرے مشاغل کی کثرت کے باعث متاثر ہو جاتا ہے- عرقوب غالباً ایک عرب تھا جس کے وعدے کبھی شرمندہ ایفا نہ ہوئے-

Marfat.com

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہرؔ

حواشی خط نمبر ۱۱۳

۱- میں نے مطلوبہ کتابوں کی فہرست بھیج دی تھی- اس کا جواب ہے- بحمد اللہ اکثر کتب جن کی تفصیل دی گئی ہے بعد میں آپ نے فراہم فرمادیں- بقیہ بازار سے خرید لی گئیں اور اب میں تحدیث نعمت کے طور پر کہہ سکتا ہوں کہ میرے کتب خانہ کے مہرؔ سیکشن میں مہرؔ صاحب کی جملہ کتب موجود ہیں-

۲- تاریخ تہذیب اور تمدن عرب دو مختلف کتابیں ہیں- تمدن عرب تو ڈاکٹر گستاولی بان (فرانسیسی محقق) کی کتاب Civilization des Arabs کا اُردو ترجمہ ہے جس کے مترجم سید علی بلگرامی ہیں جب کہ مولانا کی ترجمہ شدہ کتاب کا نام ''عرب اور اہلِ عرب'' ہے اور یہ مستقل وجود رکھتی ہے اور تاریخ تہذیب ایک الگ کتاب ہے- جس کے مصنفین کرین برنٹن، جان بی کرسٹوفر اور رابرٹ ایل ولف ہیں- جسے شیخ غلام علی پبلشرز لاہور نے ۱۹۶۵ء میں شائع کیا جب کہ ''عرب اور اہلِ عرب'' کا مصنف رچرڈ ایچ سینگر ہے- اسے مکتبہ معین الادب لاہور نے ۱۹۶۱ء میں شائع کیا-

۳- یہ کتاب جارج سول کی تصنیف ہے- کتاب پر بطور مترجم ڈاکٹر ایس ایم اختر اور مولانا غلام رسول مہرؔ کے نام درج ہیں جبکہ مہرؔ صاحب نے صرف تصحیح کا ذکر کیا ہے نہ کہ ترجمہ کا- کتاب مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۶۰ء میں شائع کی-

۴- مولانا کی تصانیف کی گردآوری کے لیے میں اتنا بیتاب تھا کہ میں نے آپ سے کتاب عاریتاً لے کر اس کی کتابت کروالی- بعد میں اصل کتاب بھی بحمد اللہ دستیاب ہوگئی- یہ کتاب مولانا نے ۱۹۳۹ء میں لکھی نہ کہ ۱۹۴۰ء میں-

۵- سیرت امام ابن تیمیہ الہلال بک ایجنسی لاہور سے ۱۹۲۵ء میں شائع ہوئی-

۶- مولانا کا اشارہ ان دو کتابوں کی طرف ہے- i- حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ از محمد ابوزہرہ اُردو ترجمہ از سید رئیس احمد جعفری، ناشر اہلِ حدیث اکادمی لاہور ۱۹۶۱ء- اس میں مولانا مہرؔ کا سیر حاصل مقدمہ شامل ہے-

ii- امام ابن تیمیہ از افضل العلماء حافظ محمد یوسف کوکن عمری ایم اے (ریڈر شعبہ عربی، فارسی و اُردو مدراس یونیورسٹی) مدراس ۱۹۵۹ء- افضل العلماء ۴، نومبر ۱۹۱۶ء کو مدراس سے تقریباً ۹۵ میل دور ایک مردم خیز قصبہ مینمبور میں پیدا ہوئے- اس قصبہ کی ساری آبادی نائطہ مسلمانوں پر مشتمل ہے جو حنفی المسلک ہیں- گو یہ خاندان عرصہ سے مدراس میں آباد ہے لیکن اس کی مادری زبان اُردو ہے-

Marfat.com

کوکن مرحوم نے جامعہ دارالسلام عمرآباد میں تعلیم حاصل کی بعد میں مسلم کالج مدراس سے افضل العلماء اور منشی فاضل کی سند حاصل کی۔ بعد میں وہ دارالمصنفین اعظم گڑھ میں سید سلیمان ندوی کی زیرِ نگرانی علمی کاموں میں مشغول رہے اور ساتھ کے ساتھ قرآن مجید بھی حفظ کرلیا اور دارالمصنفین کی مسجد میں محراب بھی سنائی۔ سید صاحب نے ہی ان کی موزونی طبع کی مناسبت سے ان کے لیے سوانح ابن تیمیہ کا موضوع تجویز کیا تھا۔ بعد میں انہوں نے معلمی کا پیشہ اختیار کرلیا جس سے ان کی علمی صلاحیتوں کو خوب جلا ملی۔ اور مدراس و کرناٹک کے کتب خانوں میں موجود قدیم مخطوطات کی ترتیب و تدوین کو لائق توجہ سمجھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کلیات ابجدی، مثنوی ہفت جوہر، بہار اعظم جاہی اور اصل الاصول فاضلانہ مقدمات اور مفید حواشی کے ساتھ شائع کیں اور بعض درسی کتب بھی تیار کیں۔ ۱۹۵۷ء میں حکومت ہند کے وظیفہ پر قاہرہ یونیورسٹی گئے اور جدید عربی ادب سے واقفیت بہم پہنچائی۔ پھر کالی کٹ یونیورسٹی میں اسی موضوع پر خطبات دیے جو تین جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی شاہکار تصنیف ابن تیمیہ ہے۔ اس کے علاوہ ''خانوادہ قاضی بدرالدولہ'' بھی نہایت عمدہ تصنیف ہے۔ انگریزی میں ان کی ایک وقیع کتاب Arabic and persian in carnatic ہے جو ایم لٹ کا مقالہ ہے۔ وہ کامیاب مترجم بھی تھے اور بعض انگریزی کتابوں کو اُردو جامہ پہنایا۔ کئی مسلم ممالک کی سیاحت کی مگر ایک حادثہ میں صاحب فراش ہو گئے اور یہی علالت ان کی جان لیوا ثابت ہوئی اور آپ ۱۶، اکتوبر ۱۹۹۰ء کو مدراس میں اپنے گھر میں رحلت کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ستمبر ۱۹۸۱ء میں کوکن صاحب پاکستان تشریف لائے اور کراچی سے ہوتے ہوئے اورینٹل کالج لاہور میں بھی قدم رنجہ فرمایا۔ اس دور میں محترم جناب ڈاکٹر وحید قریشی صاحب کالج کے پرنسپل تھے۔ راقم ایک عرصہ سے ان کی نوازشات والطاف کریمانہ کا مورد ہے اور اسی حوالہ سے مجھے بھی ان کی تشریف آوری پر ڈاکٹر صاحب نے یاد فرمایا اور آں موصوف سے متعارف کرایا۔ آپ کا جسم دبلا پتلا، قد لمبا اور رنگ سانولا تھا جو مدراسیوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ آپ فصیح اُردو میں روانی سے کلام کرتے تھے۔ ان کی اُردو سن کر انہیں مدراسی کہنا گویا ان پر تہمت لگانے کے مترادف ہے۔ کوکن صاحب نے وطن واپسی پر ازرہِ کرم اپنی پانچ کتابوں کا ایک سیٹ بھی بطور عطیہ جناب ڈاکٹر صاحب کی وساطت سے راقم کو مدراس سے بھجوایا۔ دعا ہے کہ خداوند کریم مرحوم کے اس اخلاص محبانہ اور جذبہ صادقہ کو ان کے لیے آخرت کا توشہ بنائے۔ آمین!

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ابن تیمیہ پر اردو میں جو علمی و تحقیقی کام ہوا ہے اس کا ایک جائزہ محترم جناب ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے اپنی کتاب ''شیخ الاسلام ابن تیمیہ'' میں پیش کر دیا ہے۔ یہ

Marfat.com

کتاب ادارہ تصنیف وتحقیق پاکستان کراچی سے ۱۹۸۹ء میں چھپی - مولانا عطاء اللہ حنیف مرحوم کی اطلاع کے مطابق عربی میں ایک نہایت اعلیٰ اور جامع کتاب ''ابن تیمیہ السلفی'' کے نام سے استاد محمد خلیل ہراس نے لکھی جو بڑی تقطیع کے دو صد صفحات پر محیط ہے - اسے **المطبعة الیوسفیه طنطا** (مصر) نے ۱۹۵۲ء میں شائع کیا - (کوکن عمری کی کتاب ''ابن تیمیہ'' ذوالنورین اکیڈیمی کی طرف سے بھی باہتمام مولانا عزیز الرحمان خورشید برادر کلاں مولانا سعید الرحمان علوی (متوفی ۲۰، اکتوبر ۱۹۹۴ء) شائع ہوئی - ارشد)

۷- یہ ایک مصرعہ تھا: حنین وبدر کے افسانے پھر دہرائے جائیں گے -

۸- تشریح تو مولانا نے خود ہی کر دی - البتہ ہمارے دور کے ایک نغز گو شاعر نے اسے اس طرح باندھا ہے:

مواعید عرقوب وعدے ترے
تجھے کیا پڑی میں مروں یا جیوں

(صفحہ ۱۶۲ مزمور میر مغنی از عبدالعزیز خالد - ٹریڈ اینڈ انڈسٹریز پبلی کیشنز لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۹ء)

(۱۱۴)

۲۰ مئی ۱۹۶۵ء

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، کتابوں کے باب میں معلوم ہوا - میں خود اس انتظار میں ہوں کہ اپنی کتابوں کو از سر نو مرتب کروں وہ دو تین مہینے سے بے ترتیب پڑی ہیں - میں نے پہلے چاہا تھا کہ لکڑی کی نئی الماریاں بنواؤں - پھر ایک صاحب نے رائے دی کہ جو الماریاں دیواروں میں ہیں، ان کی لکڑی نکلوا کر سیمنٹ کی بنوا لو - چنانچہ یہی کیا، جگہ خاصی نکل آئی لیکن ابھی دو الماریوں کے فریم اور دو دروازے لگنے ہیں، یہ لگ جائیں تو کتابیں ترتیب سے رکھوا دوں اور جو جو نکل سکیں نکال لوں -

ایک پریشانی یہ ہوئی کہ نشتر صاحب بوجہ ضعف صحت جواب دے گئے اور میں تذبذب میں ہوں - ایک قدم پہاڑ کی طرف اُٹھتا ہے، پھر جی چاہتا ہے کہ ایک جگہ بیٹھے رہنا زیادہ مناسب ہے اور ابھی تک پہاڑ پر مکان کا انتظام بھی نہیں ہو سکا - اس وجہ سے میرے وقت پر ایک آفت اور آ گئی اور مجھے خود سب کچھ لکھنا پڑتا ہے - کام کی رفتار سست ہو گئی ہے - فرصت بالکل ناپید ہو گئی -

Marfat.com

سیاسیات والا رسالہ میں نے کسی بڑی جلد میں بندھوالیا تھا - وہ ضرور نکل آئے گا - اب یاد نہیں کہ کہاں ہے - ابن تیمیہ والا نسخہ آپ نے یاد دلا دیا لیکن فی الحال کوئی بھی دسترس میں نہیں کہ کچھ عرض کرسکوں -

بخاری کی کتاب الوضو کا ساٹھواں باب ہے، باب البول قائماً وقاعداً (۱) اور اس میں حضرت حذیفہ کی روایت ہے جس کا مفہوم یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک گھوڑے کے پاس اسی طرح کھڑے کھڑے پیشاب کیا، جس طرح لوگ کھڑے ہوتے ہیں - لہٰذا نفس جواز میں تو کلام کی گنجائش نہیں اور دین کا معیار رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس ہے، نہ کہ ہمارے تصورات و معمولات؟

باقی رہا پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا معاملہ تو اس بارے میں انتہائی احتیاط ضروری ہے، کیونکہ جسم کے کسی حصے پر چھینٹے پڑنا منافی نظافت ہے اور اس معاملے کے کئی پہلو ہیں -

۱ - مقام بول ریتلا ہو تو چھینٹے پڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا -

۲ - مقام بول نشیب میں ہو یعنی غار یا گڑھے کا کنارا تو چھینٹے نہیں پڑ سکتے یا ایسے ہی دوسرے مقامات تصور فرما لیجیے -

۳ - مبال یعنی پیشاب کے مقامات بنے ہوئے ہوں جیسے موجودہ دور میں جا بجا موجود ہیں تو ان میں چھینٹوں کا کوئی امکان ہی نہیں -

حضرت علامہ اقبال کے ارشاد (۲) سے میں واقف نہیں لیکن داعی حق اور معلم دین کی حیثیت میں حضور ﷺ کی ذات اقدس کے متعلق کئی باتیں ایسی مذکور ہیں جو ہمارے دور کے معتاد تصورات کے لیے شاید خوشگوار نہ ہوں، مثلاً اپنے جوتے خود سی لینا - اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کو بہ نفسِ نفیس رفو فرما لینا - یا جائے ضرور میں جانے اور بیٹھنے کے آداب - یہ تعلیم دین کے اجزاء ہیں، کوئی ان سے اعراض کیوں کرسکتا ہے؟ پھر حضور ﷺ نے زخم کھائے، مشقتیں اور مصیبتیں اٹھائیں، بھوکے رہے، دشمنوں سے بچنے کے لیے تین روز ایک تاریک غار میں گزارے جہاں ایک روایت کے مطابق حضرت صدیقؓ کو سانپ نے کاٹا تھا، اگرچہ انہوں نے احتیاطاً تمام سوراخ بند کردیے تھے - ایک رہ گیا تھا اور اس پر اپنا پاؤں رکھ دیا - اتفاق سے اسی میں سانپ تھا - یہ بھی مذکور ہے کہ حضور ﷺ کے مسکن مبارک کی کچی دیوار پھٹ گئی تھی اور حضور ﷺ نے اس پر پھٹے پرانے کمبل ٹھونس دیے تھے تاکہ بارش کا پانی اندر نہ آسکے -

Marfat.com

ہمارے تمدن کے عادی ان واقعات کے باب میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھ سکتے کیونکہ طمطراق ان کی گھٹی میں پڑ چکا ہے۔ وہ اپنے ہی جیسے ایک آدمی کو وقتاً فوقتاً ادھر اُدھر پھرتے دیکھتے ہیں تو اس کے آگے پیچھے دائیں بائیں استقبال و پیشوائی کے جاہ و جلال کی فراوانی ہوتی ہے۔ پھر وہ ایک گاڑی میں بیٹھ کر چار گھوڑے یا اس سے بھی زیادہ جتوا تا ہے اور اس پر سوار ہو کر دکھاتا ہے کہ دیکھو میں حاکم اعلیٰ ہوں۔ ایسے مناظر کے عادی لوگ اس انتہائی سادگی کا تصور بھی نہیں کر سکتے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حیاتِ طیبہ بسر کی۔ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ صدیقؓ نے خلیفہ رسول ہو کر آخری وقت میں فرمایا تھا کہ میرے کفن کے لیے دو چادریں تو وہ لے لینا جو میرے جسم پر ہیں اور انہیں دھو لینا۔ ایک چادر اور شامل کر لینا۔ جب عرض کیا گیا کہ تین نئی چادریں خریدی جا سکتی ہیں تو اس مکمل ترین پیکر تعلیمات نبوی ﷺ نے فرمایا: ”نئے کپڑوں کی ضرورت مردوں سے زیادہ زندوں کو ہے۔“ کب یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اسی دنیا میں صرف چودہ سو سال پیشتر مصر و ایران و شام کا فاتح فاروقؓ جو کپڑے پہنتا تھا، اس میں تیرہ تیرہ پیوند لگے ہوتے تھے۔ اسلام دنیا میں اس لیے آیا تھا کہ انسانیت ہی نہیں پوری مخلوق کی بہترین خدمت کا مکمل ترین نمونہ پیش کرے۔ اس لیے نہیں آیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس کے باب میں ایسے تصورات قائم کیے جائیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ تمام مخلوق کی خدمت کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہو سکتا ہے کہ اسلامی لشکر میدان جنگ کے لیے روانہ ہوا تو تاکید کی گئی کہ جانور ضرورت سے زیادہ ذبح نہ کیے جائیں۔ درخت نہ کاٹے جائیں، باغ یا فصلیں برباد نہ کی جائیں، عبادت گزاروں کو آزار نہ پہنچایا جائے یعنی مسیحی راہبوں کو۔ بچوں، عورتوں اور بوڑھوں سے تعرض نہ کیا جائے۔ جو لوگ لڑنے پر آمادہ نہ ہوں انہیں ہرگز دکھ نہ دیا جائے صرف لڑنے والوں سے مقابلہ کیا جائے۔ خدمت کا بہترین معیار اس کے سوا کیا ہو گا کہ قحط پڑا تو حضرت فاروق نے بے چھنے آٹے کی روٹی روغن زیتون سے کھانی شروع کر دی۔ بوڑھے ہو چکے تھے، اس غذا سے ریاح پیدا ہوتے، پیٹ میں قراقر شروع ہوتا تو اس پر انگشت مبارک رکھ کر فرماتے۔ کچھ ہی کر تجھے اس وقت تک یہی کھانے کو ملے گا جب تک لوگوں کے لیے خورونوش کی تکلیف باقی ہے۔

غرض مطلب یہ ہے کہ جو ذات پاک دین کا آئینہ، دین کا پیکر، دین کا معیار اور اسوۂ حسنہ ہے، اس کے کسی ثابت شدہ عمل کے بارے میں تذبذب یا اپنے ہاں کے متعارف معمولات کی بناء پر حیرت موجب حیرت ہے۔

Marfat.com

بہ مصطفیٰ ﷺ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ و برکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۱۴

۱- میں نے آنحضرت ﷺ کے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے متعلق دریافت کیا تھا۔

۲- حضرت علامہ کا قول ہے ''میں تو یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا کہ کوئی شخص میرے پاس آ کر یہ کہے تمہارے پیغمبر نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔'' (صفحہ ۱۱۳ روزگار فقیر جلد اول از فقیر سید وحیدالدین مطبوعہ سپننگ ملز لمیٹڈ کراچی ۱۹۶۳ء)

(۱۱۵)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۲، جون ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم! دین کے مبادی ومبانی کے بارے میں میرے تصورات وہ نہیں رہے جو عموماً رائج ہیں۔ مولانا عبدالحق حقانی (۱) کی تفسیر بھی میرے نزدیک پرانے تصورات کے مطابق ہے۔ وہ بڑے حنفی عالم تھے اور ان کا رنگ وہی ہے جو عام رہا۔ سرسید مرحوم (۲) کی تفسیر میں بھی بدیہی غلطیاں موجود تھیں۔ انہوں نے اعتراضات اغیار سے بچنے کے لیے جو طریقہ اختیار کیا تھا، وہ اصولاً غلط بھی تھا اور کمزور بھی، لیکن ان پر اعتراض کرنے والوں نے یہ کبھی نہ سوچا کہ انہیں تفسیر کیوں لکھنی پڑی؟ اگر یہ سمجھ لیتے تو خود بھی فضول کاوشوں سے بچ جاتے اور دنیا کو بھی بچا لیتے۔ مدت سے اعتراضات یا تردیدات کی حیثیت مثبت نہیں منفی چلی آتی ہے۔ یعنی یہ نہیں سوچا جاتا، جو تقاضے سامنے آ گئے ہیں، ان پر غور کیا جائے، یہی دیکھا جاتا ہے کہ فلاں نے مقررہ طریق سے انحراف کیا ہے۔ لہٰذا اسے خوب رگیدا جائے۔

میں نے ان کی تفسیر دیکھی نہیں یعنی بالاستیعاب، جستہ جستہ بعض حصے دیکھے ہیں۔ میں

Marfat.com

ایسی کتابیں پڑھنے میں وقت صرف کرنا مناسب نہیں سمجھتا جن سے کوئی مثبت فائدہ حاصل ہونے کا امکان نہ ہو۔

میں نے جو کچھ پہلے (۳) لکھا تھا وہ کافی تھا۔ دورِ حاضر میں جا بجا پیشاب خانے بن گئے ہیں، جن میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے چھینٹے پڑنے کا کوئی امکان نہیں۔ اصل سوال جواز کا ہے نہ کہ امر و حکم کا اور جواز کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی ایسا کرے تو نفس قیام پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ہوگا تو اس بنا پر کہ چھینٹوں کا خیال نہ رکھا گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ جن چیزوں کے عادی ہیں، ان سے باہر نکلتے ہوئے گھبراتے ہیں، چاہتے ہیں شریعت میں ایسا حکم نہ ہوتا۔ لیکن جو شریعت عالمگیر تھی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے تھی، اس میں تمام خطوں اور دنیاؤں کے تقاضے پیشِ نظر رہے، یہ شریعت حقہ اسلامیہ کا اعجاز ہے۔ اسے خامی نہ قرار دینا چاہیے۔ کیا کوئی دوسری شریعت ایسی مثالیں پیش کر سکتی ہے؟ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہیں ایسی ہی باتوں نے شریعت اسلامیہ پر محکم الایمان بنا دیا۔ دوسرے لوگ اس پر بدکتے ہیں۔

آپ کی محبت کا شکریہ، میں خود اس وقت بدحال ہوں۔ اطمینان نصیب ہو تو کچھ عرض کروں۔

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

مکرر! میں نے مولانا حقانی کی تفسیر کے بارے میں جو رائے دی ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں خدانخواستہ ان کے علم و فضل کا منکر ہوں، حاشا و کلا۔ انہوں نے اپنے دور کی روش عام کو اپنایا، تقاضوں کا نہ کوئی اندازہ کیا اور نہ غالباً وہ کر سکتے تھے۔ مسلمانوں نے ۱۸۵۷ء سے پہلے بھی اور بعد میں بھی زیادہ تشدد کے ساتھ انگریزی تعلیم کی مخالفت کی تھی، اگر وہ اپنے نظام کو مکمل کر کے اس پر عمل پیرا ہو جاتے تو یقیناً فائدہ پہنچتا، لیکن یہ بھی سلبی تحریک رہی ''انگریزی نہ پڑھو۔'' نہ پڑھو، مگر کیا پڑھو؟ اس نفی کا اثبات کوئی نہ تھا۔ اس ''لا'' کے ''الا'' کا سراغ ناپید تھا۔ نتیجہ صرف یہ نکلا کہ مسلمان جاہل بھی رہے۔ نظم و نسق ملک میں سے بھی حصہ نہ پا سکے۔ ساتھ ہی تجارت و صنعت غرض ہر ضروری چیز میں پیچھے رہ گئے۔ پھر اضطراراً تعلیم کی طرف متوجہ ہوئے۔ ادھر خود انگریزوں کو احساس ہوا کہ ایک ہی قوم کو مرجع اعتماد بنا لینا ٹھیک نہیں، یوں مسلمانوں کو ملازمتوں میں بار

Marfat.com

ملنے لگا- یہیں سے وہ فرقہ وار کشمکش شروع ہوئی جس نے انجام کار نہایت خوفناک نتائج پیدا کیے-

مولانا حقانی کا تعلق پچھلے دور سے تھا- میں پیدا ہی نئے دور میں ہوا- پھر خدا نے اپنی رحمت سے میرے دل میں بعض اصول دین حق پیوست کر دیے- اب سب کچھ انہیں کی روشنی میں دیکھتا ہوں- مولانا حقانی کی کتاب میرے لیے کارآمد نہیں رد و کد اور مناظروں کے کوائف نفس واقفیت کے لیے تو ٹھیک ہیں، اور ان سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ میں نے تو بہت کم آدمی دیکھے، جنہوں نے رد و کد میں حق و انصاف کا پاس ملحوظ رکھا ہو- عموماً فریق مخالف کو زیادہ سے زیادہ بُرے رنگ میں پیش کرنے کا دستور عام ہے اور اندھا دھند تحریفات ہوتی رہتی ہیں- غلط بیانیاں ہوتی ہیں- اقتباسات میں بددیانتی کا طریقہ بھی مسلوک ہے-

مہؔر

حواشی خط نمبر ۱۱۵

۱- تفسیر فتح المنان معروف بہ تفسیر حقانی (آٹھ جلدوں میں) پہلی سات جلدیں ۱۳۰۵ھ سے ۱۳۱۳ھ کے عرصہ کے دوران طبع ہوئیں جب کہ آخری اور آٹھویں جلد جو پارہ عم پر مشتمل ہے- ۱۳۱۸ھ میں مطبع مجتبائی دہلی سے چھپی- تفسیر ہذا کا ایک ایڈیشن (چار جلدوں میں) مکتبۃ الحسن جامعہ اشرفیہ لاہور نے نہایت عمدگی سے چھاپا- تفسیر حقانی نے بہت شہرت پائی تفسیر میں شانِ نزول اور ترکیب نحوی کا خاص اہتمام کیا گیا ہے- تفسیر میں مسائل تصوف بھی بیان کیے گئے ہیں- اسلوب واعظانہ اور انداز مناظرانہ ہے- اس کا شمار اُردو کی درجہ اول کی تفاسیر میں ہوتا ہے- سرسید احمد خاں سے قرآن مجید کے معانی اور مطالب میں جو تحریف اور غلطیاں سرزد ہوئیں ان کا مدلل جواب دیا ہے- مذاہب باطلہ بالخصوص آریاؤں اور عیسائیوں کے افکار باطلہ کا رد کیا گیا ہے- دہریوں اور نیچریوں کے اعتراضات کا بھی نہایت معقول جواب دیا ہے- خاصے کی چیز تفسیر کا مقدمہ ہے جو "البیان فی علوم القرآن" کے نام سے دلی پرنٹنگ ورکس دہلی سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوا- مولانا انظر شاہ مدرس دارالعلوم دیوبند نے تفسیر حقانی پر حواشی تحریر فرمائے ہیں- مولانا عبدالحق حقانی (۱۲۶۷- ۱۳۳۵ھ) گمتھلہ ضلع انبالہ کے رہنے والے تھے- ابتدائی تعلیم اپنے علاقہ میں حاصل کی- پھر کانپور پہنچے اور درس نظامی کی کتابیں مولانا عبدالحق اور مولانا لطف اللہ سے پڑھیں پھر مراد آباد جا کر حدیث مولانا عالم علی نگینوی سے پڑھی- پھر دہلی جا کر مولانا سید نذیر حسین محدث سے بھی استفادہ کیا- زاں بعد مدرسہ فتح پوری دہلی میں تدریس پر مامور ہوئے اور وہیں سکونت اختیار کر لی- تفسیر

Marfat.com

کے علاوہ ان کی تصانیف میں اصول فقہ کی کتاب حسامی کی ''تعلیق نامی'' اور اصول دین میں ''عقائد الاسلام'' شامل ہیں-

۲- سرسید احمد خاں- رنگ سرخ و سفید- چہرہ نہایت پر رعب، پیشانی بلند، سر بڑا، بھنویں جدا جدا، آنکھیں متناسب اور نہایت روشن، ناک چھوٹی، کان لمبے، گلے میں بڑی سی رسولی، لمبی داڑھی میں بالکل چھپی ہوئی- جسم فربہ، قد لمبا، ہڈی چوڑی چکلی، ہاتھ پاؤں قوی اور زبردست، بدن گٹھیلا اور مضبوط، صورت وجیہ، وزن پورا ساڑھے تین من، لباس ترکی، معاشرت انگریزی، یہ تھا جوادالدولہ عارف جنگ ڈاکٹر سرسید احمد خاں مرحوم بانی علی گڑھ کالج، مجدد زبان اُردو، باعث تخلیق مسدس حالی کا حلیہ جسے شیخ محمد اسماعیل پانی پتی نے اپنے مضمون ''سرسید احمد خاں'' مطبوعہ ''نقوش'' لاہور شخصیات نمبر ۲ برائے اکتوبر ۱۹۵۶ء میں بیان کیا- سرسید احمد خاں (۱۸۱۷ء-۱۸۹۸ء) کا دہلی کے معزز سید خاندان سے تعلق تھا- باپ سید محمد متقی خاں درویش صفت انسان تھے- سرسید کو آخری مغل فرمانروا بہادر شاہ ظفر نے جوادالدولہ و عارف جنگ کے خطابات سے نوازا تھا- ایسٹ انڈیا کمپنی میں بطور منصف مقرر ہوئے- بعد میں ترقی پا کر سب جج بجنور متعین ہوئے- انگریز کی خدمات کے عوض عہدہ صدر الصدور تفویض ہوا- علی گڑھ میں سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی اور علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی- ''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' کے نام سے اخبار جاری کیا- ایک ماہنامہ ''تہذیب الاخلاق'' بھی جاری کیا- ۱۸۶۹ء میں انگلینڈ گئے تو سی ایس آئی کا خطاب پایا- تصانیف کی تعداد تین درجن کے لگ بھگ ہے- اس کے علاوہ مختلف رسائل، مقالات اور خطبات صدہا کی تعداد میں لکھے- آپ کے مقالات مع خطبات احمدیہ کے ''مقالات سرسید'' کے نام سے سولہ جلدوں میں اور ''مکتوبات سرسید'' دو جلدوں میں شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی نے مرتب کر دیے تھے جو مجلس ترقی ادب لاہور سے شائع ہوئے- سرسید نیچری خیالات کے حامل تھے جس کی ترجمانی مشتاق احمد چرتھاولی (مظفرنگر) نے اس طرح کی ہے:

نیچریت چیست از دیں گم شدن
نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

لہٰذا تفسیر قرآن کو بھی انہوں نے اپنے مزعومات کے مطابق ڈھالا- جس کی معاصرین اہل قلم نے بھرپور مخالفت کی- ڈپٹی نذیر احمد نے لکھا: ''جو معانی سرسید احمد خاں نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کیے، (میرے نزدیک زبردستی مڑھے یا چپکائے) قرآن کے منزل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کو ماننا مشکل- یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا

Marfat.com

ذہن منتقل ہوا، نہ جبریل حامل وحی کا، نہ رسول خدا ﷺ کا، نہ قرآن کے کاتب و مدون کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ تبع تابعین کا، نہ جمہور مسلمین کا-'' اسی بات کو علامہ اقبال نے اپنے انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

زمن برصوفی و ملا سلامے　　　　که پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت　　　　خدا و جبرئیل و مصطفیٰ را

(ارمغانِ حجاز)

سید جمال الدین افغانی نے کہا: ''سید احمد خاں نے قرآن کریم کی ایک تفسیر بھی لکھی ہے جس میں قرآنی الفاظ کے معانی میں تحریف کر کے اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو بدلنے کی کوشش کی''- حالی پانی پتی نے لکھا: ''سرسید نے اس تفسیر میں جا بجا ٹھوکریں کھائی ہیں اور بعض بعض مقامات پر ان سے رکیک لغزشیں ہوئی ہیں-'' ہمارے دور کے مشہور فاضل اور محقق ڈاکٹر سید عبداللہ نے نہایت عمدہ تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس تفسیر میں روایات سے بغاوت اپنی آخری حد تک پہنچ جاتی ہے- اس میں اصول، طریقِ کار اور نصب العین سب کچھ پرانی تفسیروں سے مختلف معلوم ہوتا ہے- اس تفسیر میں ان کے افکار کا محور یہ ہے کہ دین میں صرف قرآن مجید یقینی ہے- باقی سب کچھ (حدیث، اجماع اور قیاس) اصول دین میں شامل نہیں- سرسید کا دینی نظریہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر مختلف اسلامی فرقوں کے عقائد کا جزو بن گیا ہے- چنانچہ ان کے بہت سے خیالات جدید مدرسہ ہائے فکر خصوصاً احمدیت اور اہلِ قرآن وغیرہ کے نظام میں جگہ پا چکے ہیں- سید عبداللہ نے دینی مباحث میں متاثرین میں مولانا محمد علی (جماعت احمدیہ) مولانا احمد دین (امت مسلمہ) عنایت اللہ خاں مشرقی اور حکیم احمد شجاع احمد یہ کو نمایاں طور پر جگہ دی ہے- (سرسید احمد خاں اور ان کے نامور رفقاء کی اُردو نثر کا فنی اور فکری جائزہ از ڈاکٹر سید عبداللہ مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۸۶ء) چونکہ تفسیر بالرائے ہونے کے سبب سوادِ اعظم کے خلاف تھی اس لیے اس کا فوری رد سید ناصرالدین محمد ابوالمنصور نے ''تنقیح البیان'' کے نام سے ۱۲۹۷ھ میں نصرت المطابع دہلی سے شائع کیا- اسی طرح محمد علی بچھرانوی (مراد آباد) نے بھی اس تفسیر کا رد ''البرہان علی تجہیل من قال بغیر علم فی القرآن'' کے نام سے مطبع گلزار احمدی مراد آباد سے ۱۸۸۵ء میں شائع کیا- البتہ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرسید کی مساعی جمیلہ سے مسلمانوں میں حصول انگریزی تعلیم کا جذبہ بیدار ہوا- جس کے مستقبل میں خوشگوار نتائج برآمد ہوئے اور یوں مسلمان تعلیم یافتہ ہو کر سرکاری عہدوں میں غیر مسلموں کے شریک ہوئے وگرنہ ہندو ہر شعبہ زندگی میں چھائے ہوئے

Marfat.com

تھے- شاید یہی وجہ تھی کہ جب سرسید کا ۱۳۱۵ھ، ۱۸۹۸ء میں انتقال ہوا- (اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ششم مطبوعہ دانشگاہ پنجاب لاہور صفحہ ۵۳۰ پر ۱۳۱۶ھ/ ۱۸۹۷ء غلط تحریر ہے جب کہ اسی جلد کے صفحہ ۵۳۴ پر ۱۸۹۸ء/ ۱۳۱۵ھ درست لکھا گیا ہے) تو ملک بھر میں اسے قومی ماتم کے طور پر منایا گیا- شعراء حضرات نے اس حادثہ پر جو قطعات تاریخ وفات و مرثیہ و نوحہ جات لکھے انہیں مولوی محمد وجاہت حسین جھنجھانوی نے مع حالات سرسید کتابی صورت میں مطبع مرقع عالم پریس ہردوئی سے ۱۸۹۸ء میں چھاپ دیے- اس میں علامہ اقبال کا مادہ تاریخ بھی شامل ہے جو ''انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک'' سے استخراج کیا گیا ہے- آپ اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور کے طالب علم تھے (سرود رفتہ از مولانا غلام رسول مہر مطبوعہ کتاب منزل لاہور ۱۹۵۹ء) اسی طرح ایک نہایت بلند پایہ مرثیہ فارسی میں سات بندوں پر مشتمل (7x10=70 اشعار) مجتبائی پریس دہلی سے مئی ۱۸۹۸ء میں شائع ہوا- شاعر کا نام سرورق نہ ہونے کے سبب معلوم نہیں ہو سکا- سرسید کی تفسیر القرآن سات جلدوں میں ۱۶ پاروں پر محیط ہے- آخری جلد پس از مرگ سرسید علی گڑھ کالج بک ڈپو کی جانب سے شائع ہوئی جب کہ ابتدائی چھ جلدیں انسٹی ٹیوٹ پریس علی گڑھ سے ۱۲۹۷ھ-۱۳۰۰ھ کے عرصہ میں چھاپی گئیں- اپنی غیر مقبولیت اور اکابرین کی زبردست تنقید کے سبب یہ تفسیر بعد میں کہیں سے طبع نہیں ہوئی اور یوں اپنی موت آپ ہی مر گئی تھی مگر اب ہمارے دور نافرجام میں جب کہ معاشرہ بری طرح انحطاط پذیر ہے، اخلاقی اقدار کا جنازہ نکل چکا ہے اور دین وایمان پر مختلف محاذوں سے بدمذہبوں کی یلغار ہے یہ تفسیر کم و بیش ایک صدی کے بعد از سر نو اشاعت پذیر ہوئی ہے جس کا تعارف پروفیسر رفیع اللہ شہاب نے لکھا ہے اور دوست ایسوسی ایٹس پرنٹرز پبلشرز سپلائرز الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور نے ۱۹۹۴ء میں چھاپ دیا ہے- ناشرین کا مقصد علم دین کی خدمت معلوم نہیں ہوتا بلکہ ان کا مطمح نظر جلب زر معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ تفسیر کی طباعت رف کاغذ پر کی گئی ہے اور جلد بھی کچی ہے جس کا عیب الومی نیشن سے چھپا دیا گیا ہے- ضخامت بارہ سو صفحات اور قیمت چار سو پچاس روپے- اور اس پر ظلم یہ کہ ہے بھی نامکمل کیونکہ اصل تفسیر سات حصوں پر مشتمل ہے جب کہ ناشرین نے اپنی لاعلمی کے سبب اس تفسیر کو چھ حصوں میں مکمل سمجھ کر ایک ہی جلد میں بطور مکمل تفسیر کے چھاپ دیا ہے- بریں عقل و دانش بباید گریست- سرسید اس لحاظ سے خوش قسمت تھے کہ ان کی سوانح عمری ان کی زندگی میں ہی شائع ہو گئی تھی جو لیفٹیننٹ کرنل گراہم نے ۱۸۸۵ء میں انگریزی میں لکھی- انتقال کے بعد اردو میں سرسید پر نہایت پرزور کتاب ''حیات جاوید'' مولانا الطاف حسین حالی نے ۱۹۰۱ء میں لکھی جس کا ایک نہایت عمدہ

Marfat.com

ایڈیشن انجمن ترقی اُردو ہند نے ۱۹۳۹ء میں شائع کیا- اسی کا فوٹو ہجرہ انٹرنیشنل پبلشرز لاہور نے ۱۹۸۳ء میں شائع کیا- ۱۹۹۴ء میں ضیاء الدین لاہوری نے سرسید کی نگارشات کے انتخاب سے ایک نہایت عمدہ دلچسپ کتاب ''خودنوشت حیاتِ سرسید'' مرتب کی جسے جنگ پبلشرز لاہور نے شائع کیا ہے-

۳- میں نے مولانا کی تصریح کے بعد لکھ دیا تھا کہ کھڑے ہوکر پیشاب کرنا بحالت اضطرار تو جائز ہوسکتا ہے البتہ بطور عادت مستمرہ اپنانا درست نہ ہوگا- اس پر مزید وضاحت-

(۱۱۶)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۹، جولائی ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم یونہی چند شعر یاد آ گئے، پوری غزل کیا کریں گے؟ لیکن حاضر (۱) ہے:

حذیو عشقم و غم طرۂ کلاہِ من است
فغانِ نیم شبی پرچمِ سپاہِ من است
مرا جہانِ دگر بخش کایں جہانِ کہن
زفرق تابقدم خستۂ نگاہِ من است
زمرگ و زیست چہ پرسش رود چوے دانی
نہ ایں گناہِ من است و نہ آں گناہِ من است
کجاست ارض و سماے کہ آفریدۂ تست
ہر آنچہ ے نگرم معجزِ نگاہِ من است
تو خود بگو کہ پیام ترا کجا ببرم
زمانہ تنگ دل از ضربِ لا الٰہ من است

Marfat.com

بجامِ جم نہ دہم مصرعے کہ عارف گفت
''چہ غم ز بے کلہی، آسماں کلاہِ من است''

عارف (۲) سے مراد عارف قزوینی ہے، جو ایران کا نہایت آزاد خیال شاعر تھا- اسی کی غزل کا ایک شعر ہے جو اس نے عورتوں کے حقوق پر لکھا ہے:

حقوقِ خویش زمرداں اگر زناں گیرند
دریں میاں من و صد دشت زن سپاہ من است

حضرت عثمانؓ (۳) کے باب میں اس روز جو کچھ عرض کیا تھا، اس سے ایک پہلو کی توضیح مقصود تھی، خدانخواستہ حضرت موصوف پر یا حضرت علی مرتضیٰؓ پر اعتراض مقصود نہ تھا، لیکن اگر آپ کو میرے الفاظ کی توثیق منظور ہو تو میرا خیال ہے کہ یہ الفاظ دارالمصنفین کی کتاب ''خلفاء راشدین'' میں اس مقام پر آئے ہیں، جہاں حضرت عثمانؓ پر الزامات کی بحث ہے- آپ دیکھ لیں، یہ کتاب اس وقت مجھ سے بہت دور ہے اور میں اُٹھ کر کتاب نکال کر صفحہ نقل نہیں کر سکتا، لیکن قطع نظر ان الفاظ کے معاملے کے دوسرے پہلو کم توجہ طلب نہیں اور جو میرا مقصود تھا، وہ ان پہلوؤں کے اعتبار سے بھی واضح ہے- یہ میری رائے ہے ضروری نہیں کہ آپ اسے لازماً درست سمجھیں، میں نے اپنے خیال کے مطابق تاریخ کا مطالعہ دقت نظر سے کیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا معیار مبارک ہمیشہ میرے سامنے رہا ہے- اس معیار پر پورے صرف شیخینؓ (۴) اُترے جو واقعی انسانوں میں اللہ تعالیٰ کے دو حیرت انگیز معجزے تھے- باقی سب نیچے ہی رہے- درجات کم ہوں یا زیادہ حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کی عظمت سے کس کافر کو اختلاف ہوگا- ان کے درخشاں کارنامے سامنے ہیں، لیکن جو درجہ شیخین کو خدا کی رحمت سے عطا ہوا، اس میں کوئی دوسرا ان کا شریک نظر نہیں آتا-

ایک زمانے میں میری رائے بڑی سخت تھی، لیکن تھوڑی سی سمجھ پیدا ہوئی تو پتا چلا کہ یہ سب کچھ جہالت و بے خبری کا کرشمہ تھا- انسانوں میں فکر ونظر اور فہم و بصیرت کا تفاوت ہمیشہ رہا، صحابہ میں بھی تھا، اس سے کسی کی عظمت میں کمی نہیں آسکتی-

اُمید ہے آپ بہ خیر ہوں- میں اس مرتبہ پہاڑ پر نہ جاسکا، محض جسمانی تکلیف ہی نہ اُٹھائی، کام کا بھی نقصان کیا- اب پچھتانے سے فائدہ؟ مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید برکلہ خود باید زد- انسانی اعمال کا حال عموماً یہی ہے، ہم سوچتے ہیں اور کر گزرتے ہیں، لیکن اس کے نتائج

Marfat.com

سامنے آتے ہیں تو اپنی سوچ سمجھ پر پچھتاوا کرنے کو جی چاہنے لگتا ہے، مگر کیا اس سے خسارے کی تلافی ہو سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، وقت ہاتھ سے جا چکا اور گیا وقت ہاتھ نہیں آتا:

میں گیا وقت نہیں ہوں کہ پھر آ بھی نہ سکوں

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حواشی خط نمبر ۱۱۶

۱- میں سات جولائی کو آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوا تو آپ نے اپنی ایک غزل سنائی جس کا قافیہ تھا ''من است'' اور پھر اسی زمین میں دیگر اساتذۂ فارسی کے کلام سے بھی محظوظ فرمایا جیسے:

گناہ گرچہ نبود اختیارِ ما حافظ
تو در طریقِ ادب کوش و گو گناہِ من است
(حافظ)

دو عالم از اثر پرتوِ جمالش سوخت
بجز متاعِ محبت کہ در پناہِ من است
(عرفی)

میں نے اسی مذکورہ غزل کی نقل طلب کی تھی جو مہیا کر دی گئی۔

۲- عارف قزوینی، میرزا ابوالقاسم، باپ کا نام ملاہادی وکیل تھا۔ عارف کی ولادت قزوین میں ۱۸۸۲ء میں ہوئی۔ ''ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات'' کے مصداق اسے بدو شعور سے ہی شاعری سے دلچسپی تھی۔ ذہن رسا پایا تھا۔ سولہ برس کی عمر میں شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کی شہرت قزوین سے نکل کر تہران اور دیگر شہروں میں پھیل گئی۔ اس کی شاعری میں قومی درد اور حب الوطنی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ چنانچہ وہ ایک قومی اور انقلاب پسند شاعر کی حیثیت سے پہچانا جانے لگا۔ اس کے اشعار نے نوجوانوں میں انقلابی شعور بیدار کر دیا۔ عارف ایک ماہر موسیقی اور عمدہ خطاط بھی تھا۔ اس کا دیوان پہلی مرتبہ برلن سے طبع ہوا۔ بعد ازاں دوسرا ایڈیشن تہران سے مہر ماہ ۱۳۲۷ میں اشاعت پذیر ہوا جس کے مرتب لطیف آزاد ہیں۔ دیوان عام روش سے ہٹ کر چھاپا گیا ہے۔ ہر غزل کی ابتداء میں اس کے محرکات بیان کیے گئے ہیں جن سے اس دور کی سیاسی تاریخ بھی مرتب ہو گئی ہے۔ دیوان کو جابجا موقع ومحل کی مناسبت سے تصاویر سے بھی

Marfat.com

مزین کیا گیا ہے- دیوان میں عارفؔ کے خودنوشت حالات درج کیے گئے ہیں- جس کے مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ عارف والدین کی بے رخی کا شکار رہا- عارف نے نہایت عسرت و پریشانی میں زندگی بسر کی- آخری عمر میں ہمدان میں گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی اور اسی حالت میں اس کا انتقال ہوا اور بوعلی سینا کے مزار کے پہلو میں دفن کیا گیا- نظمی تبریزی نے تاریخ وفات کہی:

عارفؔ دانندۂ نیکو سخن

مُرد لیکن نام نیکش زندہ است

۱۳۵۲ق

(دویست سخنور از نظمی تبریزی مطبوعہ تہران، ۱۳۶۳)

۳- آپ نے کچھ اس قسم کا اظہارِ خیال کیا تھا کہ حضرات ابوبکر صدیقؓ و عمرؓ فاروق کی شخصیات رسول اللہ ﷺ کی شخصیت سے باعتبار حسن کردار کے زیادہ قریب تھیں اور انہی حضرات کو انتقال کے بعد بھی آنحضرت ﷺ کی معیت نصیب ہوئی جس میں مشیت ایزدی کو بھی دخل ہے جب کہ حضرت عثمانؓ کی قبر آپ ﷺ کے مزار مبارک سے دو سو گز کے فاصلہ پر ہے اور حضرت علیؓ کا مزار جامع مسجد کوفہ میں بتایا جاتا ہے- میں نے اسی اظہار پر آپ سے ثبوت طلب کیا تھا-

۴- شیخین سے مراد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمر فاروقؓ ہیں-

(۱۱۷)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۱۹- جولائی ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم، میں اس وقت کچھ اچھے موڈ میں نہیں- اس لیے اختصاراً لکھوں گا- سب سے پہلے سنیے، آپ جو کتابیں (۱) الگ کرنا چاہتے ہیں، ان میں سے صرف چند غیر ضروری ہیں- زیادہ ایسی ہیں کہ بجائے خود اچھی ہوں یا نہ ہوں، مگر ان کی حیثیت تبرکات کی ہے- مثلاً الثورۃ الہندیہ مولانا فضل حق خیر آبادی، اگرچہ اس کے مقدمے میں بعض چیزیں ناقص اور غیر معقول ہیں- داستان غدر ظہیر دہلوی کا ایک حصہ بہت قابلِ قدر ہے کیونکہ وہ اندرونِ قلعہ کی صحیح داستان

Marfat.com

ہے، البتہ غدر کی لڑائیوں کے بارے میں معلومات بہت فرو مایہ اور اکثر غلط ہیں- محاربہ عظیم کنہیالال صرف اس وجہ سے قابلِ قدر ہے کہ اس نے تمام مقامات کی معلومات ترتیب وار فراہم کی ہیں، اگرچہ اسلوب تحریر بہت خراب ہے- فغان دہلی اور انقلاب دہلی ایک ہی کتاب کی دو طباعتیں ہیں، آپ ایک رکھ سکتے ہیں اور ایک الگ کر سکتے ہیں- ۱۸۵۷ء مستند کتاب ہے لیکن میرے نزدیک ناقص ہے- تاریخ ہند (ذکاء اللہ) کے ای وغیرہ کی چھ جلدوں کا ترجمہ ہے اور بس، لیکن اس میں جابجا مولانا اضافے بھی کرتے گئے ہیں، آپ نے یہ کہاں سے خریدی تھی اور کتنے میں؟ میرے علم کے مطابق یہ کتاب بہت کمیاب ہے- غدر دہلی کے بارہ حصے بالکل فضول ہیں- خواجہ حسن نظامی مرحوم کا ایک اسلوب تحریر ہے، جو ایک زمانے میں بہت پسندیدہ ومقبول رہا- اس دور میں یہ داستانیں ایک خاص انداز میں لکھی گئی تھیں، جو مقبول ہوئیں- پھر خواجہ مرحوم نے مختلف لوگوں سے مختلف کتابوں کے ترجمے کرا کے چھاپے، اُن پر نوٹ لکھے، جن میں سے بعض صحیح نہ تھے:

مندرجہ ذیل کتابیں الگ کرنے سے پیشتر آپ چندروز کے لیے مجھے دکھا دیجیے-

۱- پنڈت سندر لال، ۲- خورشید مصطفیٰ رضوی، ۳- ادبی اکیڈمی لکھنو، ۴- امداد صابری کی دونوں کتابیں-

میں نے یہ نہیں دیکھیں- ایک نظر دیکھ کر عرض کروں گا، میں خود بھی چند کتابیں نکالنے کی فکر میں ہوں- بعض مطبوعات تو بند کی بند باہر رکھ چھوڑی ہیں کہ وقت ملے تو ان میں سے ایک ایک جلد نکالوں- پھر باقی کتابیں اندر بھیجوں، اندر سے بھی کچھ نکالنے کی ہیں، ذرا سی فرصت درکار ہے-

باقی خیریت- گرمی ہے، پنکھا بار بار بند ہونے کے باعث طبیعت مکدر ہے- میں نے سوچے سمجھے بغیر چند سطریں لکھ دیں عفو خواہ ہوں-

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مہر

حاشیہ خط نمبر ۱۱۷

۱- ۱۹۵۷ء میں جنگِ آزادی کی سوسالہ یاد منائی گئی تو میں نے برصغیر پاک وہند میں جنگِ آزادی پر شائع شدہ کتب حتی المقدور جمع کرنے کی کوشش کی- اس سلسلے میں میں نے ان جمع شدہ کتب پر آپ کی رائے دریافت کی تھی کہ جو کتابیں بھرتی کی ہوں، انھیں علیحدہ کردوں چنانچہ جواباً آپ نے ہر

Marfat.com

کتاب پر تبصرہ کر کے مجھے از خود فیصلہ کرنے کا موقع فراہم کر دیا مگر میں کوئی ایک کتاب بھی اپنے کتب خانہ سے الگ نہ کر سکا۔

(۱۱۸)

Ghulam Rasul Mihr
Muslim Town
Lahore

۳-اگست ۱۹۶۵ء

باسمہ سبحانہ

عزیز مکرم - زندگی اس طرح گزری کہ کسی بھی معاملے میں تکلف کا شعور پیدا نہ ہوا یا اس کا جوہر تھا تو وہ نشو و ارتقاء نہ پا سکا - میں قدرت کی طرف سے فطرت ہی ایسی لایا کہ تکلف سے شدید نفرت ہے - وضع و ساخت کو کسی بھی درجے میں پسندیدہ نہیں سمجھتا، ظاہر و باطن ایک ہے، اور نظیری کے اس شعر کی عملی تصویر:

ہمہ را زشتی و زیبائی ما در نظر است
بخیۂ برطرف پردۂ کارے نہ زدیم

یعنی ہم میں جو اچھائی یا برائی، خوبی یا زشتی، نیکی یا بدی ہے، وہ سب کی آنکھوں کے سامنے ہے، ہمارا شیوہ یہ نہیں کہ اپنے کاموں پر پردہ تان رکھا ہو اور اس پردے کے اطراف میں بخیہ گری کا اہتمام کیا ہوتا کہ ہر شے چھپی ڈھپی رہے - یہی زندگی ہمیشہ پسندیدہ معلوم ہوئی، اسی پر عمر کے لیل و نہار گزر گئے - اب ہر عادت اتنی پختہ و استوار ہو چکی ہے کہ اس کا سانچا توڑا تو جا سکتا ہے مگر اسے موڑا نہیں جا سکتا کیونکہ کوئی لچک ہی موجود نہیں رہی -

کتابیں (۱) شائق عزیزوں تک پہنچانے میں تامل کبھی نہ ہوا، البتہ یہ ضرور ہوا کہ بعض اوقات کوئی شے ذہن سے نکلی پھر اس کی تلافی مشاغل و مصروفیات کی زیادتی، وقت یا اوقات کی تنگ نائی اور جنبش و حرکت سے نفرت کے باعث نہ ہو سکی - یہ بھی ایک عادت ہے کہ کام کو ٹالتا جاتا ہوں - یہاں تک کہ گھڑیاں دن، دن ہفتے، ہفتے مہینے اور مہینے سال بن جاتے ہیں، بھولتا بھی نہیں، دل برداشتہ بھی نہیں ہوتا البتہ سوچتا ہوں تو یہ عادت غلط ضرور معلوم ہوتی ہے اور بعض اوقات خیال آتا ہے کہ ممکن ہے عزیزوں کے دل میں وساوس پیدا ہوتے ہوں، مگر میں بے بسی کے باعث اسے

Marfat.com

بدلنے پر قادر نہیں۔

''سید احمد شہید'' (۲) کے تیسرے ایڈیشن کے لیے میں نے کچھ ترمیمات کر رکھی تھیں، اگرچہ زیادہ نہ تھیں تاہم یہ دیکھ کر متحیر رہ گیا کہ ایک روز میرے پاس اس کے پروف پہنچ گئے، حیران کہ یا اللہ نہ مجھ سے پوچھا گیا، نہ کوئی شے مانگی گئی، نہ کاپیاں دکھائی گئیں، یہ یکا یک پروف کہاں سے آ گئے؟ کھول کر دیکھا تو متحیر رہ گیا۔ ملک رب نواز صاحب نے خدا جانے کیوں کر کتاب اُٹھا کر کسی ایسے کاتب کو دے دی جو خالی تھا اور اسے مصروف رکھنا ضروری تھا، اس نے اپنی خوشی اور جوشِ فراوانیِ علم ونظر میں کتاب کی وہ مرمت فرمائی کہ مصنف کو سر پیٹ لینے کے سوا چارہ نہ رہا۔ چھ گھنٹے میں دو فرمے درست کیے، فی صفحہ دس دس پندرہ پندرہ غلطیاں۔ میں نے پورا پلندا باندھا اور ملک صاحب کے پاس اس وضاحت کے ساتھ بھیج دیا کہ جو خرچ آ چکا ہے، وہ مجھ سے وصول فرمایئے اور کتاب مجھ سے لے کر کسی ایسے کاتب کو دیجیے جو مجھ سے ہدایات لے جائے اور ان کے مطابق کتابت کرے۔ خدا جانے آپ کس قصے میں پڑ گئے اور کہاں سے ''دوسرے'' ایڈیشن کی کیفیت معلوم کر لی۔

غالبؔ (۳) کا پہلا ایڈیشن باتصویر تھا، یقیناً مگر ایک تصویر غالبؔ کی تھی، جو غلط تھی، ایک تصویر غالبؔ کی قبر کی تھی، وہ اب باقی ہی نہیں رہی، کیونکہ سنگ مرمر کا نہایت خوبصورت مقبرہ بن گیا ہے۔ ایک تصویر غالبؔ کی ایک تحریر کی تھی۔ ایسی تصویریں کئی موجود ہیں۔ ایک تصویر غالباً ارسطو جاہ کی تھی یعنی جگراؤں کے سید رجب علی کی جس نے غدر کے معاملات میں خاصی رسوائی حاصل کی۔ یہ غالبؔ کا ایک عزیز دوست تھا۔ اب میرے علم میں اس کی کوئی کاپی نہیں۔ میرے پاس صرف ایک کاپی ہے بعد کے تمام ایڈیشن تصویروں سے پاک رکھے گئے۔ کیونکہ جنگ کا زمانہ تھا اور تصویروں والا کاغذ (آرٹ پیپر) بہت گراں ہو گیا تھا۔ اگر اس کے بلاک ہوں گے تو وہ شیخ مبارک علی کے علم میں ہوں گے، مجھے کچھ پتا نہیں۔

شعروں (۴) کا معاملہ نازک ہے۔ میرے حافظے میں وہی شعر محفوظ رہتے ہیں، جن میں خاص بات ہو۔ وہ تشریح کے محتاج ہوتے ہیں، غیر شاعر اصحاب ہی کے لیے نہیں، اکثر شاعروں کے لیے بھی، کیونکہ ہر نکتہ ہر شاعر نہیں جانتا۔ ہمارے ہاں تو اکثر شاعر ایسے ملیں گے جنھوں نے کبھی بلبل کی شکل بھی نہیں دیکھی اور آواز بھی نہیں سنی، وہ جو کچھ لکھیں گے محض نقالی ہو گی، ذاتی احساسات کی ترجمانی تو نہ ہو گی۔ مثلاً میں نے ایک روز طالب آملی (۵) کا یہ شعر ایک شاعر کو سنایا

Marfat.com

اور کہا کہ اس کا ترجمہ کر دیجیے، وہ نہ کر سکے، دوسرے دن دوسرے صاحبِ ذوق کو سنایا ایک لمحے میں صحیح ترجمہ کر دیا- اس لیے بہتر یہ ہوتا ہے کہ شعر زبانی سنیں، لیکن شعر لکھنے میں تامل نہیں، یہ بیدلؔ کہتا ہے:

گویند بہشت است و ہمہ راحت جاوید

جاے کہ بہ داغے نہ تپد دل، چہ مقام است؟

یعنی کہتے ہیں بہشت میں ہمیشہ کی راحت ہوگی، لیکن جہاں دل پر کوئی داغ نہ لگے اور اس کی وجہ سے وہ مسلسل تڑپتا نہ رہے تو وہ ایسا مقام کیوں کر ہوسکتا ہے کہ ہمیں باعثِ کشش معلوم ہو؟ گویا عاشق کو راحت دائمی نہیں، تپش دوام درکار ہے اور یہ ذوق کی بات ہے-

دیکھیے قلم میں سیاہی نہ رہی، میں جلدی میں تھا اور یہ سطریں پنسل سے لکھ دیں-

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مہر

پھر سیاہی مل گئی اور اوپر قلم پھیر دیا عفو خواہ ہوں-

حواشی خط نمبر ۱۱۸

۱- آپ نے ازرہ کرم درج ذیل اپنی تازہ شائع شدہ کتابیں بھیجی تھیں جس کے شکریہ پر آپ نے اس قسم کا اظہارِ خیال فرمایا:

۱- وہ لوگ جنھوں نے دنیا بدل ڈالی، ۲- جنگِ عظیم، ۳- ذہنِ انسانی کا ارتقاء- یہ تینوں کتابیں شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلشرز لاہور نے فرینکلن کے اشتراک سے شائع کی تھیں-

۲- ''سید احمد شہیدؒ'' کا تیسرا ایڈیشن چھپ کر آیا تو معلوم ہوا کہ اس میں تین ابواب کا اضافہ کیا گیا ہے نہ کہ دوسرے ایڈیشن میں-

۳- آپ کی تصنیف ''غالبؔ'' کے پہلے ایڈیشن کے متعلق دریافت کیا تھا جو باتصویر چھپا تھا- یہ کمیاب ایڈیشن بعد ازاں ایک ذاتی ذخیرہ کتب سے دستیاب ہو گیا تھا- اس کی اشاعت ۱۹۳۶ء میں ہوئی-

۴- میں نے ایک پند آموز شعر کی فرمائش کی تھی یہ اس کا جواب ہے-

۵- طالبؔ آملی قصبہ آمل (ماژندران) کا رہنے والا تھا- بچپن میں درسی علوم وفنون کی تعلیم پائی- پندرہ سولہ برس کی عمر تک ہیئت، ہندسہ، فلسفہ، منطق، تصوف اور خطاطی پر کمال حاصل کر لیا تھا- طبیعت

Marfat.com

بچپن ہی سے شاعری کی طرف مائل تھی- تلاشِ معاش میں ایران سے ہجرت کر کے ہندوستان کا رخ کیا اور یہاں کے مشہور مقامات دہلی، لاہور، ملتان اور سرہند وغیرہ کی سیر کی- لاہور میں زیادہ دل لگا- چنانچہ لاہور کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا جس میں کہتا ہے:

گمانم نیست کاندر ہفت کشور   بود شہرے بآب و تابِ لاہور

اور یہاں حضرت شاہ ابوالمعالیؒ (متوفی: ۱۰۲۵ھ) کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت سے بھی مشرف ہوا- گورنر قندھار غازی خاں کی قدردانی کا شہرہ سن کر قندھار پہنچا- غازی خاں نے خاطرخواہ قدردانی کی اور مقربانِ خاص میں شامل کر لیا- اس کی وفات کے بعد جو زہرخورانی کے اثر سے ہوئی، اس نے پھر ہندوستان کا قصد کیا اور آگرہ میں پہنچا جہاں کے امیر کی سفارش پر حاکم گجرات عبداللہ خاں فیروز جنگ کی خدمت میں چلا گیا-عبداللہ خاں نے خاطرخواہ اس کی عزت کی اور انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا- زاں بعد اعتماد الدولہ (والد نور جہاں) کے توسط سے جہانگیر کے دربار تک رسائی حاصل کر لی- جہانگیر نے اپنی سرپرستی میں لے لیا اور ۱۰۲۸ھ میں ''ملک الشعراء'' کے خطاب سے نوازا- جہانگیر کے انتقال سے ایک سال پیشتر ۱۰۳۶ھ میں عین عالم شباب میں وفات پائی-قصیدے اور غزل کا استاد تھا- شاعری میں بلند مرتبہ رکھتا تھا- جب اسے ملک الشعراء کا اعزاز حاصل ہوا اس وقت اس کی عمر صرف بیس سال کی تھی- یہ مشہور اشعار اسی سے یادگار ہیں:

لب از گفتن چناں بستم کہ گوئی
دہن برچہرہ زخمے بود و بہ شد
دشنامِ خلق را ندہم جز دعا جواب
ابرم کہ تلخ گیرم و شیریں عوض دہم
بے نیازانہ ز اربابِ کرم مے گزرم
چوں سیہ چشم کہ برسرمہ فروشاں گزرد

(شعرالعجم: جلد۳-ازشبلی نعمانی مطبوعہ لکھنو ۱۹۱۶ء)

طالب کا کلام ابھی تک غیر مطبوعہ ہے- تاہم شعراء کے تذکروں میں اس کے چیدہ چیدہ اشعار مل جاتے ہیں- البتہ اس کے کلام کا ایک خوبصورت انتخاب ''تذکرہ طالب آملی'' مؤلفہ لیفٹیننٹ کرنل خواجہ عبدالرشید (متوفی ۱۳، مارچ ۱۹۸۳ء) کراچی سے ۱۹۶۵ء میں شائع ہو چکا ہے-مولانا نے شعر کا ذکر تو کیا مگر اسے نقل کرنا بھول گئے-

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com